

کتاب السنن

ششمین جلد
مختار

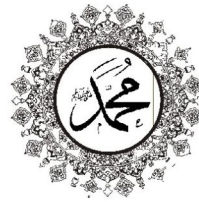
مؤلف: ڈاکٹر نسراج احمد قادری

کتاب السنن کتاب السنن کتاب السنن کتاب السنن کتاب السنن



بلع العسل بحالہ
کشف اللہ حے بحالہ
حسنہ مستمع خصالہ
عسلہ السلام
کلام شیخ سعدی
کتبہ کربہ قلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



حمد و نعت پیشکش تحقیقی و تنقیدی جریدہ

دبستان نعت شہابی

شمارہ جنوری تا جون 2016

ربیع الثور شریف تا شعبان المعظم 1437ھ

سرپرست

پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد
(سجادہ نشین خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی۔ پٹنہ۔ بہار)

معاونین

سید صبیح الدین صبیح رحمانی (کراچی) ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی (نیویاک) قاضی اسد شانی (حیدرآباد)

ریگرنی

فیروز احمد سیفی۔ نیویارک



NAAT RESEARCH INSTITUTE
Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA

Mob: +91-9415875761
8423867205
+1-347-561-2447

E-mail:

drsiraj123@gmail.com
anees11435@gmail.com

مدیر
ڈاکٹر سراج احمد قادریسرورق
محمد مختار علی (جدہ)

مجلہ دبستان نعت شہابی
میں شامل نگارشات کی آزاد
سے ادارے کا متفق ہونا
ضروری نہیں

ہدیتہ - 200/- Rs.

عاشقِ رسول ﷺ

علامہ عبد الرحمن نور الدین جامی رحمۃ اللہ علیہ
کے نام



نور و نکہت

اداریہ

9

تحمید و تقدیس

- تو ہے رحمن دنیا بقول نبی ﷺ سب پہ تیری عطا، کرم ہی کرم
دل میں کچھ بھی نہ رہے رب کی محبت کے سوا
صاحب لطف وجود و سخا ربنا آفریں آفریں

19

20

21

گنجینہ نقد و نظر

- کیا نعت صنف سخن ہے؟
فن نعت اور نعت گوئی
حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر ایک اور نظر
نعت اور ہماری شعری روایت
نعت رسول مقبول ﷺ اور اسکی ارتقاء

23

27

57

62

69

رحمت بیکراں ﷺ

- عصر حاضر کے بلند قامت غیر مسلم نعت گو شاعر حضرت کرشن کمار طور
ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعر

78

84

مقالات

- حرف آرزو
ناعت پر فیضان معنوت
انسان کامل ﷺ کا ذکر خیر
مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ
لسان الحسن طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام ”نعت روشنی“ کا تنقیدی مطالعہ

95

115

128

132

143

غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ

- حمد اللہ اجل جلالہ و مدح رسول ﷺ
میلاد اکبر ایک مطالعہ
نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر
مقبول بارگاہ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امر و ہوی
اعجاز کا میٹھوی کی نعتیہ شاعری
علمائے گھوسی کی نعت نگاری
مولانا فروغ اعظمی اور انکی نعتیہ شاعری
نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر

154

180

186

190

202

219

255

265

گوشہ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ

- علامہ جامی کی دو مشہور نعتیں
مولانا جامی کی نعت نگاری
حضرت عبدالرحمن جامی نادر روزگار شخصیت
فارسی نعتیہ کلام کا اردو ترجمہ

278

281

287

298

گہائے عقیدت

- ”حضور شہ بحر و بر جانے والے“
”نگاہ فرما کہ ساری اُمت کی میٹھی چاہیں ترس رہی ہیں“
”ولادت مصطفوی ﷺ“
”دور ہے شہر نبی ﷺ سے پھول پڑ مرده ہے یوں“
”حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے“
”ان کا یوم ولادت بڑی عید ہے“
نعت نبی ﷺ (چهار در یک Four in one)
”اے رحمت حق مجھ کو بچانے کے لیے آ“
نعتیہ نظم

346

347

348

349

350

351

352

353

354

طاہر سلطانی

ڈاکٹر ندیر فتح پوری

علیم صبانویدی

ڈاکٹر صابر سنجلی

ڈاکٹر مشاہد رضوی

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی

مولانا نور الہدیٰ مصباحی

مولانا وصال احمد اعظمی

تنویر پھول

ڈاکٹر سیدتی نشیط

ڈاکٹر رضوان انصاری

ڈاکٹر نور احمد ربانی

حمید صدیقی

سید نفیس الحسنی نفیس

ڈاکٹر سید ابوالخیر شفیق

تنویر پھول

سید صبیح رحمانی

طاہر سلطانی

ڈاکٹر صابر سنجلی

علامہ قمر بستی

ریاض حسین چودھری

- 355 ”سہر حشر میری نجات کا نگہ کرم یہ مدار ہے“ حامد امر وہوی
- 356 ”اے زائیر طیبہ آقا کے دربار کا منظر کیسا ہے“ ساجد امر وہوی
- 357 ”کہاں یہ منہ اور کہاں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ڈوالہنن“ ولی اللہ ولی عظیم آبادی
- 358 ”آگئی جب ولادت کی پیاری گھڑی آسمان مسکرایا میں ہنس پڑی“ اجمل سلطان پوری
- 359 ”آمنہ بی کے گھر ہوا جلوہ فگن ہلال نور نعت“ ابرار کرت پوری
- 360 ”اللہ کا دربار ہے دربار محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ چندر بھان خیال
- 361 ”نہ جانے دُعاؤں میں کب اپنی اثر ہوگا“ اُدھو مہا جن بسمل
- 362 رحیق بیخودی منیر اعظمی
- 365 نعتیہ تضمین ڈاکٹر نذیر فتح پوری
- 369 نثری سہ سطری نعت علیم صبانویدی
- 371 ”میں پوچھتا ہوں کہ بعثتِ صفی پہ کس کو خوشی نہیں ہے“ قاضی اسد ثنائی
- 372 ”خدا کے سامنے محشر میں جب میرا بلاوا ہو“ امان خاں دل
- 373 ”کہنے کو نعت محمدی، ہے شرط محبت کم نہ پڑے“ سلیمان خمار
- 374 ”چارہ گرا یا جو ہر غم کی دوا دیتا ہے“ مبین مٹور
- 375 ”گھر مرا دیکھئے کب رشک جنان ہوتا ہے“ اسرار رازی
- 376 ”اندھیرے راہ میں حائل کبھی ہونے نہیں پائے“ رباب رشیدی
- 377 ”مجھ کو مرے آقا کا دیوانہ کہا جائے“ افسر امر وہوی
- 378 ”اے نعت نبی تو ہی عطا کر دے سلیقہ“ قاسم حبیبی
- 379 ”فرشتے قبر میں پوچھیں گے جب کہ ”کون ہیں یہ؟“ شاہ اجمل فاروق ندوی
- 380 ”دیکھا ہے جب سے گنبدِ خضر کو خواب میں“ ڈاکٹر تابش مہدی
- 381 ”جبریل امیں بھی ہیں ترے در کے فدائی“ عنبر بہراپچی
- 382 ”یہ حاضری نہ ہوئی نعت کا بہانہ ہوا“ مختار علی مختار
- 383 ”وسیلہ بن گئی جب ذات تیری“ شبیر حسن فراز فتح پوری
- 384 ”محشر میں بات آپ کی ثالی نہ جائے گی“ ثارا احمد راہی فتح پوری
- 385 ”منع علم جامعات ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم“ ڈاکٹر فہیم احمد صدیق

- 386 ”آپ آئے تو جہاں کے بحر و بر روشن ہوئے“ مجتبیٰ مہر
- 387 ”آئے نہیں در پہ آج تو جانا محال ہے“ ڈاکٹر صغریٰ عالم
- 388 ”شب روز یادوں کو دیتے ہیں دستک دل و گوش جن سے ہیں مسحور اب تک“ خورشید آرا بیگم خورشید
- 389 ”شہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے درناز پر ہم“ کوثر چشتی
- 390 ”دھول تلواروں کی ترے ہو میری پیشانی پر“ امین شاد
- 391 ”ترے نقش پا سے افضل کوئی نقش پائیں ہے“ متین عمادی
- 392 ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے سے میں ایسا گیان لایا ہوں“ ڈاکٹر وحید انجم
- 393 نعتیہ دوہے انور سلیم
- 395 ”سلام بخضر خیر الانام“ صلی اللہ علیہ وسلم سید نفیس الحسنی نفیس

پیامِ مدحت

- 397 ساجد حسین ساجد امر وہوی۔ امر وہہ
- 398 ڈاکٹر صابر سنبھلی۔ سنبھلی
- 399 ڈاکٹر رضوان انصاری لکھنؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اداریہ

مجلد دبستانِ نعتِ ششماہی کا پہلا شمارہ آپ کے پیشِ نظر ہے۔ دبستانِ نعت کا یہ گرامیہ تحفہ پیش کرتے ہوئے ہمیں دلی مسرت کا احساس ہو رہا ہے۔ اس مجلے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد و نعت کے فروغ و ارتقاء کے حوالے سے ادبا، شعراء اور محققین کی اُن کاوشوں سے اہل علم کو روشناس کرانا ہے جو اب تک ناقدینِ ادب کی نگاہِ توجہ سے محروم رہی ہیں۔ آج بھی اردو زبان و ادب کا گرامی قدرِ سرِ مایہِ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ انہیں مخطوطات میں نعتیہ ادب کے گلِ سرسبد شعرا کے گرام کے مسودے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہل علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جاسکا۔ ہماری کوشش ہے کہ اُن تک رسائی کر کے منصفہ شہود پر لا کر اہل علم و فن کے درمیان متعارف کرایا جائے جس سے کہ نعت کی عظمت کی حیاتی اُن کے دلوں کو جگمگا سکے، اور وہ اس عظیم فن کی جانب متوجہ ہو سکیں۔

جب ہم اپنے گرد و پیش اور ماضی کے درپچوں کو جھانک کر دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسے نعت گو شعرا اے کرام اور نعتیہ ادب پر لکھنے والے دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو فروغِ نعت کے لیے وقف کر رکھا تھا یا وقف کر رکھا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اس کے باوجود اہل علم و ادب کی نگاہِ توجہ آج تک اُن پر نہ پڑ سکی یا ابھی تک وہ اُن کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس وقت میرے حاشیہ ذہن میں ایک نام اجمل سلطان پوری صاحب کا ہے جنہوں نے ناموس رسالت اور نعتِ پاک کی حفاظت و صیانت کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگادی۔ مگر آج تک کسی ادیب یا ناقد نے اُنکے فکر و فن پر کچھ بھی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ایسے ہی اہل فن کی نمایاں تصویر آپ اس جریڈے کے ”گلِ ہائے عقیدت“ میں ملاحظہ کریں گے۔ ہمارے منشور میں ایسے تمام نعت گو شعرا اور قلم کاروں کی تخلیقات کو ناقدینِ ادب کی پارکھ نظروں سے گزار کر اُن کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کرنا ہے۔

جب ہم حمد و نعت کی تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس موضوع پر دیگر اصنافِ ادب سے کم سرمایہ نظر نہیں آتا۔ اور اس کے انتقادی نقوش تو روزِ اوّل سے ہی روشن و تابندہ نظر آتے

ہیں۔ چنانچہ مشہور صحابی رسول، شاعرِ دربارِ رسالت حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر

اِنَّ الرِّسُولَ لِنُورٍ يَسْتَضَاءُ بِهِ

مِهْتَدٍ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ مَسْلُوبِ

کی اصلاح فرما کر خود سرورِ کائنات حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس فن کے نقد و نظر کی بنیاد رکھی۔ وہ نبی محترم و مختتم جو منبعِ علوم و حکمت اور خزینہٴ علوم معرفت ہیں جن کے بارے میں رب تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے وَ عَلَيْنَا مَا كُنَّا نَعْلَمُ۔

دیگر اصنافِ ادب کی قدروں کا تعین اُس فن کے ناقدین یا ماہرین فن نے کیا ہے۔ مگر نعتِ پاک کی نقد و نظر کا تعین خود اُس ذات والا صفات نے کیا ہے جن سے نعتِ پاک کا وجود وابستہ ہے۔ میرے اپنے خیال میں اگر سنجیدگی سے غور و خوض کیا جائے تو حمد و نعت سے زیادہ سچی شاعری کسی بھی صنف نے اہل علم و ادب کو دیا ہی نہیں، کیوں کہ ان دونوں موضوعات کا تعلق خود ایسی ذاتِ بابرکات سے ہے جہاں کوئی بھی شاعر دانستہ طور پر اک سر مو پروازِ تحنیل کر ہی نہیں سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ لاعلمی میں کہیں کسی مقام پر کوئی لغزش سرزد ہو جائے۔ چنانچہ مشہور صوفی شاعر اور عاشقِ رسول ﷺ حضرت علامہ عبد الرحمن نور الدین جامی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل شعر پر ایک عمیق نظر ڈال کر دیکھیں کہ خود سپردگی کی کیا کیفیات ہیں دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اُس کی صداقت پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا وہ فرماتے ہیں۔

جامی اگر یافتے قبولِ غلامیت

غاشیہ بردوش در عنانِ تو بودے

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر جامی کو آپ کی غلامی کی قبولیت کا شرف حاصل ہو جاتا تو ہر وقت حضور والا کا غاشیہ (بیگ) کندھے پر لئے ہوئے ہمارا کاب ہوتا۔

کیا اس سے سچے انداز میں بھی اپنی دلی کیفیات کا بیان ممکن ہے۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں؟ تو میں یہی کہوں گا کہ یہ وہ مقامِ عشق ہے کہ جس کا تصور ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس مقام پر اپنے موقف کی مزید وضاحت کے لیے آپ کی خدمت میں اردو کے چند مقتدر شعرا کے گرام کے چند اشعار پیش کرنا چاہوں گا ملاحظہ ہو۔

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

(علامہ اقبال)

کریم اپنے کرم کا صدقہ لیتے رہے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے
(حضرت رضا بریلوی)

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظرِ رحمتِ سلطانِ مدینہ
(جگر مراد آبادی)

ہاں ساقی کوثرِ مہتاب سے صبا عرض یہ کرنا
اک رند سیہ مست بہت یاد کرے ہے
(سید نفیس الحسینی نفیس لاہور)

اے خدا اجر کے اعلان سے پہلے اُن لے
مجھ کو جنت سے سوا سایہ دیوار اُن کا
(احمد نجم قاسمی)

غمِ رسول فروزاں ہے جن کے سینوں میں
وہ ظلمتوں سے گزرتے ہیں روشنی کی طرح
(احسان دانش)

اب میں اس شمارے میں شامل مقالہ نگار حضرات کے حوالے سے تعارف کے طور پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میں اس لائق نہیں کہ مکافعت اُن کا تعارف کرا سکوں۔ مگر فلسفے کی اصطلاح میں عدم سے وجود بہتر ہوا کرتا ہے۔ اس اصطلاح کی روشنی میں عرض ہے کہ اولاً میرا ارادہ تھا کہ خود مقالہ نگار حضرات سے اُن کا باوجود انا حاصل کر مقالے کا ایک صفحہ اُن کے تعارف کے لیے مختص کر دوں گا مگر اپنی ناتجربہ کاری اور مجھے کی اشاعت میں ہو رہی غیر معمولی تاخیر کے باعث ایسا نہیں کر سکا۔ لیکن اگر اسندہ ہمارے مقالہ نگار حضرات نے اپنی نگارشات کے ساتھ اپنا تعارفی خاکہ بھی ارسال کیا تو اس خامی کو دور کرنے کی حتمی کوشش کروں گا (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

مجھے کا آغازِ حمدِ باری تعالیٰ ”تحمید و تقدیس“ سے کیا گیا ہے۔ حمد و نعت کا باہمی رشتہ بالکل کلمہ توحید کے مانند ہے جیسے کلمہ تکبیر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کسی جُز کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا بالکل اُسی طرح حمد و نعت کو ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے

تحت ہم نے تین حمدیں شامل کی ہیں جن میں پہلی حمد محترم جناب تنویر احمد پھول (نیو یارک) کی ہے جو اگرچہ ایک عرصے سے امریکہ میں قیام پزیر ہیں مگر یہ بات میرے لیے باعثِ فرحت و افتخار ہے کہ ان کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ اُنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ہمارے التماس کو قبول کرتے ہوئے حمد و نعت کے علاوہ علامہ جامی علیہ الرحمہ پر بھی اپنی نگارش عنایت فرمائی۔

دوسری حمد محترم جناب طاہر سلطانی صاحب کی ہے جن کا تعلق پاکستان سے ہے۔ طاہر سلطانی صاحب کی حمد و نعت کے حوالے سے عظیم خدمات ہیں۔ وہ کراچی سے ”ارمغانِ حمد“ کے نام سے ایک ماہنامہ نکالتے ہیں۔ اور حمد و نعت ٹرسٹ، کراچی کے چیرمین ہیں۔ حمد و نعت پر اُن کی خدمات ہی اُن کی شناخت ہے۔ تیسری حمد ہمارے بزرگ و مقتدر شاعر محترم ابراہیم کرپوری صاحب کی ہے جو سرزمینِ دہلی میں قیام پزیر ہیں۔ سرزمینِ دہلی جو اولیاء اللہ کا مرکز ہے انہیں کے حضور بیٹھ کر کر حمد و نعت نگاری میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

مجلے کا دوسرا باب ”گنجینہ نقد و نظر“ ہے۔ جس میں نعتیہ ادب پر تحقیقی و انتقادی مضامین کو شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ اسکا پہلا مقالہ اس مجلے کے سرپرست پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب کا ”کیا نعت صنفِ سخن ہے؟“ کے موضوع پر ایک فکر انگیز مقالہ ہے۔ یہ مقالہ اہل علم و ادب کی فکر کو نعت کو اب تک صنفِ ادب کا درجہ نہ دئے جانے کے حوالے سے دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے جس کو پڑھنے کے بعد قارئین خود ہی اس کی افادیت کو محسوس کریں گے۔

دوسرا مقالہ حضرت علامہ ڈاکٹر سید خسرو حسینی صاحب کا ”فنِ نعت اور نعت گوئی“ کے حوالے سے ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک جید عالمِ دین اور منفرد المثل محقق ہیں۔ آپ کا تعلق خواجہ دکن حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ گل برگہ شریف سے ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی عرق ریزی سے اس مقالے کو قلم بند کیا ہے۔ اس مقالے کو ہمارے کرم فرما اسد ثنائی صاحب (حیدرآباد - ہندوستان) نے فراہم کیا ہے جسے ہم ڈاکٹر صاحب اور اُن کے شکرے کے ساتھ شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ تیسرا مقالہ ماہر علم عروض محترم ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا ”حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائع پر ایک اور نظر“ کے عنوان سے ہے۔ یہ ایک زبردست علمی اور تحقیقی مقالہ ہے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے ایک مضمون بعنوان ”مقبولِ بارگاہ رسالت ﷺ نعت گو شاعر حضرت رؤف امرہوی مرحوم“ بھی ارسال کیا ہے۔ یہ مضمون بھی اپنی نوعیت کا منفرد المثل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جس سلیقے سے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علم عروض سے واقفیت اور حضرت رؤف

امر ہوئی کی شخصیت و شاعری پر روشنی ڈالی ہے وہ اُنہی کا حق و حصہ ہے۔

چوتھا مقالہ محترم جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا ہے جو نعتیہ ادب کے ایک کہنہ مشق محقق اور نعت ریسرچ سنٹر، کراچی کے ڈائریکٹر ہیں۔ اربابِ علم و فضل اُنکی شخصیت و عظمت سے پوری طرح واقف ہیں خصوصاً نعتیہ ادب سے ذوق رکھنے والے حضرات۔

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب اور مجلہ ”نعت رنگ“ کراچی ایک دوسرے کے پُرورک اور شناخت ہیں۔ ابھی حال ہی میں اُنکا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ”اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمایہ کا تحقیقی مطالعہ“ منظر عام پر آیا ہے۔ جو یارانِ علم و فضل میں پزیرائی کے ساتھ وقیع نظر سے دیکھا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی افتادِ طبع کے پیش نظر ”نعت اور ہماری شعری روایت“ نیز ”مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ“ کے عنوانات پر دو مقالے ارسال کیے۔ دونوں مقالے فکر انگیز اور خصوصیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مجلہ دبستانِ نعت کے آغاز کے حوالے سے ہماری ہمت افزائی کرتے ہوئے اپنی مذکورہ دونوں نگارشات یکے بعد دیگرے ارسال فرمائیں۔

پانچواں مقالہ محترم جناب مرزا ساجد حسین ساجد امر و ہوی صاحب کا ”نعت رسول مقبول ﷺ اور اُس کی ارتقاء“ کے عنوان سے ہے۔ اگرچہ مضمون مختصر ہے مگر اختصار کے باوجود پُر مغز اور جامع ہے۔ ساجد امر و ہوی صاحب نعت کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں جن کے اب تک تین نعتیہ مجموعے ☆ رازِ بخشش ☆ آرزوئے بخشش ☆ گہرِ بخشش طبع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ آپ مشہور و معروف نعت گو شاعر حضرت رؤف امر و ہوی صاحب کے فرزندِ ارجمند ہیں۔

مجلے کا تیسرا باب ”رحمتِ بیکراں ﷺ“ کے عنوان سے ہے۔ اس کے تحت دو مقالے شامل شاعت ہیں۔ پہلا مقالہ ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی صاحب کا ہے۔ انہوں نے اپنا موضوع سخن مشہور و معروف غیر مسلم نعت گو شاعر جناب کرشن کمار طور کے نعتیہ افکار و خیالات کو بنایا ہے۔ جب ہم غیر مسلم نعت گو شعرا کے حوالے سے اُنکی تخلیقات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اُس کے مسافروں کی ایک لمبی فہرست دکھائی دیتی ہے جنہوں نے نعت کے حوالے سے بہت ہی کیف آور اشعار کہے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے اُن کے لگاؤ کی بنا پر ہی ہم نے اس کو ”رحمتِ بیکراں“ کا عنوان دیا ہے۔

اس مقام پر میں اس بات کی وضاحت مناسب سمجھتا ہوں کہ میگزین کا نصب العین غیر مسلم نعت گو شعرا اور خواتین نعت گو شعرا کی نمائندگی کو ترجیح دیکر اردو ادب میں اُنکا جائز مقام و مرتبہ دلانا بھی ہے۔ ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ بچوں کے قلوب اذہان کو عشق رسول ﷺ سے اس طرح آراستہ و پیراستہ کیا

جائے اُن کی زندگی میں اُن کے ایمان و عقیدے کو دنیا کی کوئی بھی شے منزلِ زل نہ کر سکے۔ میرے اپنے خیال میں اس کے لیے ماؤں کی آغوش سے بہتر کوئی آموز شاگاہ نہیں۔ اگر والدین اپنے بچوں کو نعت رسول مقبول ﷺ کا شیریں جام پلائیں تو یقیناً وہ ایک نیک اور صالح انسان بن کر دنیا کے سامنے اسلام کے اساطیرِ الاولین کا مثالی کردار پیش کر سکتے ہیں۔ جس کے لیے ہم نعت گو شعراء اور سیرت نگار حضرات سے عرض گزار ہیں کہ اگر ہمارا یہ نکتہ نظر صحیح ہے تو وہ اس کی جانب نظرِ التفات فرما کر بچوں کی افتادِ طبع کے پیش نظر نعت نبی اکرم ﷺ کی رقم طرازی کریں جو انہیں ہم نظر کر سکیں۔

دوسرا مقالہ محترم فیروز احمد سیفی صاحب کا ہے۔ سیفی صاحب نے اپنی فکر کا موضوع مشہور نعت گو شاعرہ ڈاکٹر صغریٰ عالم صاحبہ کی نعت گوی کو بنایا ہے۔ اُن کا ادبی ذوق بہت ہی سر بلند ہے۔ اُن کو حضرت رسول اکرم ﷺ سے وارتگی کی حد تک محبت ہے۔ اُسی محبت کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے مجھ جیسے نکتہ انسان کو اس راہِ سعادت کا راہ رو بنادیا ورنہ میں اس لائق کہاں؟ حضرت رضا بریلوی نے سچ ہی فرمایا تھا ۔

بس خلمہ خام نوائے رضائے یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا

ارشادِ اہلِ باطن تھا ناچار اس راہ پڑا حبا نا

(حضرت رضا بریلوی)

میگزین کا چوتھا باب ”مقالاتِ نعت“ ہے۔ اس کے تحت سب سے پہلا مقالہ محترم منیر احمد ملک صاحب کا ”حرف آرزو“ ہے۔ منیر احمد ملک صاحب کی سیرت رسول اکرم ﷺ پر عظیم خدمات ہیں۔ سیرت رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے وہ ہمیشہ نئے زاوے کو پیش کرنے کی فکر میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ اس مقالے کو شامل اشاعت کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اس کو ایک نئی فکر و سوچ کے تحت قلم بند کیا ہے زبان اتنی شیریں و لطیف استعمال کی ہے کہ اس کی مقناطیت سے کوئی بچہ ہی نہیں سکتا ہے۔ دوسرا مقالہ قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری صاحب کا ”ناعت پر فیضانِ معنوت“ ہے۔ قاضی صاحب کو قرآن و حدیث سے خصوصی شغف ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے اس مقالے کو قرآن و حدیث کی روشنی میں منطقی استدلال کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ قاضی صاحب کو اپنی بات کہنے اور اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کر کے قاری کو متاثر کرنے پر قدرت حاصل ہے۔

تیسرا مقالہ کہنہ مشق شاعر محترم جناب سید اقبال حیدر صاحب کا ”انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر“ ہے۔ سید اقبال حیدر صاحب عظیم شاعر جناب شید آجبل پوری کے صاحبزادے ہیں شاعری اُنکو وراثت

میں ملی ہے۔ ہائیکو انٹرنیشنل اُنکی شخصیت اور فن پر اقبال حیدر نمبر شائع کر چکا ہے۔ ایک طویل عرصے سے ہیوسٹن (امریکہ) میں قیام پزیر ہیں اور وہیں سے ”اردو رلدنا تھ امریکہ“ کے نام سے ایک ادبی مجلہ بھی نکالتے ہیں۔ بنیادی طور پر اُن کا اِرسال کردہ مقالہ بہت اہم ہے اگرچہ اُنکا یہ مقالہ محمد فضل الرحمن ندوی کی تحریر سے مستفاد ہے۔ اُنہوں نے اپنے اس مقالے میں کامل شخصیت کے اہم نقوش کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ جس بھی نقطہ نظر سے دیکھا جائے ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی شخصیت جامع و اُکمل نظر آتی ہے۔

چوتھا مقالہ محترم سلیح آبادی صاحب کا۔ لسانِ الحسان طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام ”نعت روشنی“ کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ اس مقالے میں محسن صاحب نے جناب طاہر سلطانی صاحب کے نعتیہ افکار و خیالات سے بحث کی ہے۔ اور اُنکے کلام کے محاسن کو اُجاگر کیا ہے۔

پانچواں مقالہ محترم طاہر سلطانی صاحب کا حمدِ الہ جلّ جلالہ و مدحِ رسول ﷺ ”غیر منقوط حمد یہ نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ“ ہے۔ اس مقالے میں طاہر سلطانی صاحب نے غیر منقوط حمد یہ نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ جو فکر و فن کے حوالے سے ایک اہم مقالہ ہے۔

چھٹا مقالہ محترم ڈاکٹر ندیر فتح پوری صاحب کا میلادِ اکبر کے حوالے سے ہے۔ ڈاکٹر ندیر فتح پوری صاحب ادب و صحافت سے ایک طویل عرصے سے جڑے ہوئے ہیں اور تقریباً پینتیس سالوں سے شہرِ پونہ (مہاراشٹر) سے سہ ماہی ”اسباق“ نام سے ایک علمی و ادبی جریدہ نکال رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اس مقالے کے تعارف کے لیے میں علامہ اقبال کا ایک شعر کافی سمجھتا ہوں اُنہوں نے فرمایا تھا۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

(علامہ ڈاکٹر اقبال)

درحقیقت اُن کا یہ مقالہ ہمیں سوئے حرم ہی لے جاتا ہے۔ اس کو پڑھ کر بچپن کی وہ یادیں تازہ ہو جاتی ہیں جس نے ہمارے دلوں میں محفلِ میلادِ شریف کے آدب اور مقامِ رسالت ﷺ کے ایسے دیئے روشن کیے ہیں جس کی لطیف روشنی میں ہم گھپ اندھیروں میں بھی سُبک خرامی سے گزرتے جاتے ہیں۔ ایک مدت گزر گئی مگر آج تک اُس کی روشنی مدہم نہیں پڑی۔

میلادِ اکبر میں اگرچہ کچھ موضوع روایتیں بھی شامل ہیں مگر فضائل و مناقب میں موضوع روایات موثر نہیں۔ حدیث کے کلمے کے مطابق فضائل و مناقب میں موضوع روایات کا بھی اعتبار ہے۔

ساتوں مقالہ محترم علیم صابانوییدی صاحب کا ”نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر“ ہے۔ آپ کی شخصیت کے تعارف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اُنکی شخصیت و شاعری پر پونیورسٹی لیبل پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھا جا چکا ہے۔ میدانِ نعت گوئی میں وہ اپنی پہچان خود ہی ہیں۔

اس باب میں ان مقالوں کے علاوہ چند اور مقالے شامل ہیں۔ جیسے ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا مقالہ ”مظفر وارثی کا حمد یہ آہنگ“ ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مقالہ ”مقبول بارگاہ رسالت ﷺ نعت گو شاعر حضرت رؤف امر وہوی مرحوم“ ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب کا مقالہ ”علمائے گھوسی کی نعت نگاری“ ڈاکٹر مشاہد رضوی صاحب کا مقالہ ”عجاز کا بیٹھوی کی نعتیہ شاعری“ حضرت مولانا نور الہدی مصباحی صاحب کا مقالہ ”مولانا فروغ احمد اعظمی اور اُنکی نعتیہ شاعری“ اور مولانا وصال احمد کا مقالہ ”نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر“ یہ سارے مقالے کسی نہ کسی اعتبار سے فروغِ نعت کے حوالے سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

میگزین کا پانچواں باب ”گوشہ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ“ ہے۔ جسے ہم نے اس شمارے کا خصوصی گوشہ قرار دیا ہے۔ ہماری آرزو تھی کہ فروغِ نعت کے حوالے سے حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کے متصوفانہ کلام سے عوام و خواص کو واقف کرایا جائے جس سے کہ لوگوں کے دلوں میں عشقِ رسول ﷺ کی شمع روشن ہو سکے۔ خصوصاً عصر حاضر کے نعت گو حضرات کو علامہ جامی علیہ الرحمہ کی فکر و فن اور عشقِ رسول ﷺ سے ذہنوں کو جلا دینا مقصد تھا۔ مگر ہمیں اس بات کا شدید حساس ہے کہ اس موضوع پر ہم جس طرح سے مقالات و مضامین شامل اشاعت کرنا چاہ رہے تھے اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شاید کہ ایسا نہ کر پانے میں ہماری نہ تجربہ کاری آڑے رہی، اور کچھ مقالہ نگار حضرت کا اس موضوع کی جانب مُلتفت نہ ہونا بھی ہے۔ مگر اس کمی کو دور کرنے کے لیے ہم نے اپنے طور پر سعی کر کے اس گوشے میں علامہ جامی علیہ الرحمہ کی چند فارسی نعتوں کا اصل متن کے ساتھ اردو ترجمہ شامل کیا ہے جس کو ہم نے ڈاکٹر نور احمد ربانی کی کتاب ”کشف العرفان“ سے لیا ہے ہمیں اُمید ہے کہ قارئین کرام پسند فرمائیں گے۔

اس موضوع پر ہمیں صرف دو ہی مقالے دستیاب ہو سکے پہلا مقالہ ڈاکٹر سید یحییٰ فطیل صاحب اور دوسرا ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب کا ہے۔ اگرچہ دونوں مقالے مفصل و مدلل ہیں مگر سچائی یہ ہے کہ تشنہ لبی تو باقی ہی ہے۔

میگزین کا ایک گوشہ ”گہلے عقیدت“ ہے جس میں ہم نے اُن نعت گو شعرا کو شامل کیا ہے جو یا تو لوگوں کے اذہان سے محو ہوتے جا رہے ہیں یا اب تک اہل علم و ادب اُن کے فکر و فن کی جانب متوجہ

نہیں ہو سکے۔ ہم ارباب علم و فضل سے پُر امید ہیں کہ ایسے شعراے کرام کی فکر و فن کی جانب متوجہ ہو کر نقد و نظر کے معیار پر پرکھ کر اُن کے کلام کی قدروں کو متعین کریں گے۔ میگزین کا ایک گوشہ ”پیام مدحت“ ہے جس میں چند خطوط شامل ہیں جسے ہمارے چاہنے والوں نے ارسال فرمائے ہیں۔

امتنان و تشکر کے طور پر ہم سبھی مقالہ نگار اور علم دوست حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمارے عزائم کی پزیرائی کرتے ہوئے ہماری ہمت افزائی کی، اور اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنی نگارشات کے ساتھ نیک مشوروں سے نوازا۔ ہم اُن سے مُکتمس ہیں کہ آئندہ بھی وہ اسی ذوق و شوق کے ساتھ ہمارا قلمی تعاون فرمائیں اور اپنے گراں قدر تاثرات و آراء سے نوازیں۔ اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کس نوع کی تبدیلیوں سے اس ادب پارے کو مزید نکھارا جاسکتا ہے جس سے کہ ہم کوشش کر کے مستقبل میں آپ کو ایک بہتر اور معیاری مجلہ دے سکیں۔

سراج احمد قادری

تحمید و تقدیس

تو بے حساب بخش کہ ہیں بے حساب حبرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہ حجاز کا

(علامہ حسن رضا خاں بریلوی)

حمد باری تعالیٰ ﷻ

تو ہے رحمن دنیا بقول نبی ﷺ، سب پہ تیری عطا، تو کرم ہی کرم
آخرت میں رحیم اہل ایمان پہ تو، اُن کو دے گا جزا، تو کرم ہی کرم
خوانِ یغما ترا ہے بچھا ارض پر، اپنی مخلوق کا تو ہی رزاق ہے
منکروں کو بھی دنیا میں ہے دے رہا، یہ تحمل ترا، تو کرم ہی کرم
عالم الغیب بے شک تری ذات ہے، تو ہے نعم الوکیل اور غفار بھی
ہم گناہوں کا ہیں بار سر پر لئے، تجھ سے ہے آسرا، تو کرم ہی کرم
تو نے بے مثل قرآن ہم کو دیا، ہر ورق میں ہے نورِ ہدایت بھرا
تیرا احسان ہے بعثتِ مصطفیٰ ﷺ، تو نے خود ہے کہا، تو کرم ہی کرم
بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو تو، تیرا ارشاد قرآن میں 'لا تقنطوا'
تیرے بندے جو نادم ترے در پہ ہوں، بخش دے ہر خطا، تو کرم ہی کرم
مائیں سترِ محبت میں ہیں تجھ سے کم، اپنی مخلوق سے اتنی الفت تجھے
اپنے بندوں کے عیبوں پہ پردہ رکھے، تو ہے ربُّ العلیٰ، تو کرم ہی کرم
کچھ ہیں مغرور اپنی ترقی پہ یاں، اس حقیقت کو ہرگز سمجھتے نہیں
تو نے اعلیٰ دماغ آدمی کو دیا، تو ہی دے ارتقا، تو کرم ہی کرم
تو نے پتھر میں کیڑے کو بخشی غذا، سنگ کو توڑ کر موسیٰ حیرت زدہ
منہ میں اُس کے تھی پتی ہری گھاس کی، رزق تو دے رہا، تو کرم ہی کرم
تجھ سے ہے التجا پھول کی اے خدا!، لطف تیرا ہے ہر گھڑی، ہر نفس
دین و دنیا میں رحمت کی بر سے گھٹا، اے مرے کبریا! تو کرم ہی کرم

تویر پھول (نیویارک)

حمد باری تعالیٰ ﷻ

دل میں کچھ بھی نہ رہے رب کی محبت کے سوا
اور کیا چاہیے سرکارِ ﷺ کی چاہت کے سوا
رب کی رسی کو پکڑ، ورنہ بکھر جائے گا
ہاتھ آئے گا نہیں کچھ بھی ندامت کے سوا
بندگی رب کی کرو، صحبتِ صالح پکڑو
قیمتی شے ہے کوئی دہر میں عزت کے سوا
رب کا منشا ہے یہی، سنتِ آقا ﷺ ہے یہی
الفتنیں دل میں رہیں بغض و عداوت کے سوا
کچھ نہیں مانگتا مولا! ترا بندہ تجھ سے
حشر میں سیدِ عالم کی شفاعت کے سوا
نظمِ دنیا کو ذرا غور سے دیکھو سمجھو
کام یہ کون کرے گا بھلا قدرت کے سوا
بے گناہوں کو یہاں قتل جو کر دیتے ہیں
کچھ نہیں اور ملے گا انہیں ذلت کے سوا
بات دو لفظوں میں یوں ختم کیے دیتا ہوں
”کچھ نہیں اور یہاں جلوہ وحدت کے سوا“
بچ نہیں پائے گا کوئی بھی اجل سے طاہر
ہے فنا سب کے لیے دہر میں قدرت کے سوا

طاہر سُلطانی (کراچی)

حمد باری تعالیٰ ﷻ

صاحبِ لطف و جود و عنایت سخا ربنا آفریں آفریں
تو نے بندوں کو اعزازِ ایمان دیا ربنا آفریں آفریں

دینِ فطرت کی انساں نے پائی ضیاء، گر ہوں کو ملی منزل ارتقا
سرورِ دیں سا بخشا گیا رہ نما ربنا آفریں آفریں

زندگیِ بشر زندگی ہوگئی، ہر طرف دہر میں روشنی ہوگئی
تو نے بخشی کتابِ مبیں کی ضیاء ربنا آفریں آفریں

یہ فلک چاند تارے خلا اور زمیں، کن کہا بن گئی کائناتِ حسین
کتنا دلکش ہے ہر منظر دلربا ربنا آفریں آفریں

نعتِ مرسل کہوں، ذکرِ وحدت کروں، اس طرح بھی میں تیری عبادت کروں
میرے فکر و قلم کو ضیاء کر عطا ربنا آفریں آفریں

مجھ کو تا عمر ہر ایک نعمت ملی، تیری بخشش میں کوئی کمی کب ہوئی
میں ہی در اصل کوتاہ دامن رہا، ربنا آفریں آفریں

جہل اور شرک سے ہو حفاظت مری، میں ہوں ابراہیمؑ پہ ہر رحمت تری
تیرے لطف و کرم سے ہے میری بقاء، ربنا آفریں آفریں

ایڈاکرکرت پوری (نئی دہلی)

گنجینہٴ نقد و نظر

فن کی تخلیق کے لحوں میں تصورِ اُس کا
روشنی میرے خیالوں میں ملا دیتا ہے

مرے نقاد کو شاید ابھی معلوم نہیں
میرا ایمان ہے مکمل مرا ایمان تو ہے

(احمد ندیم قاسمی)

ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد (پٹنہ)

کیا نعت صنف سخن ہے؟

اردو شاعری میں نعتیہ اشعار کی کمی نہیں، اردو ہی کیا عربی و فارسی شاعری کا بھی ایک چوتھائی حصہ نعتیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان کے تقریباً تمام شاعروں نے نعت نبی لکھنا اپنا جزو ایمان سمجھا ہے اور ان میں سے اکثر نے معیاری نعتیں بھی لکھی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی عمر تقریباً ساڑھے چودہ سو سال ہے اور خود اردو زبان میں اب تک کی تحقیق کے مطابق اس کی تاریخ ملک محمد جاسسی کی مشہور نظم ”پدوماوت“ سے ملتی ہے، جو دسویں صدی ہجری کے تقریباً وسط کی تصنیف ہے، لیکن نعتیہ شاعری کی اتنی طویل عمر ہونے کے باوجود اسے موضوعاتی شاعری ہی کا درجہ حاصل رہا ہے، اسے صنف سخن نہیں کہا جاتا، کیونکہ نہ ابھی تک اس کا فارم مقرر ہوا ہے اور نہ اجزائے ترکیبی۔ آپ دیکھیں نعت غزل کے فارم میں بھی لکھی جاتی ہے، قصیدے کے فارم میں بھی مسدس، قطعہ اور رباعی کے فارم میں بھی..... نعت کے علاوہ غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعی کا فارم مقرر ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی بھی معین ہیں۔ مثلاً:

مرثیہ!

عہد سودا سے قبل مرثیہ کا کوئی فارم مقرر نہیں تھا اور نہ ہی اجزائے ترکیبی متعین تھے۔ مراثنیٰ-غزل، مثنوی، مربع، ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس اور رباعی وغیرہ کی شکل میں لکھے جاتے تھے، لیکن سودا نے اس صنف کے لئے مسدس کا فارم مقرر کیا۔ میرضی نے اس کے اجزائے ترکیبی چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت اور بین مقرر کئے۔

چہرہ!

”چہرے“ میں مرثیہ نگار صبح کا منظر، رات کا سماں، دنیا کی بے ثباتی، باپ بیٹے سے تعلقات، سفر کی دشواریاں، اپنی شاعری کی تعریف، حمد، نعت، منقبت اور مناجات وغیرہ تمہید کے طور پر بیان کرتا ہے۔

سراپا!

”سراپا“ کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کے قد و قامت، خد و خال اور لباس وغیرہ کا بیان کرتا ہے۔

رخصت!

”رخصت“ کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کو میدان جنگ میں جانے کے لئے عزیز و اقارب سے اجازت لیتے ہوئے دکھاتا ہے اور رخصت ہونے کے وقت کا منظر پیش کرتا ہے۔

آمد!

”آمد“ ہیرو کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان و شوکت کے ساتھ رزم گاہ میں آنا۔ ہیرو کے گھوڑے کی تعریف بھی مرثیہ نگار کرتا ہے۔

رجز!

”رجز“ مرثیہ کا وہ حصہ ہے جس میں مرثیہ نگار ہیرو کی زبان سے اس کے نسب کی تعریف اسلاف کے کارناموں کا بیان اور جنگ میں اس کی مہارت کا اظہار کرتا ہے۔

جنگ!

”جنگ“ کے بیان میں ہیرو کا کسی نامی پہلوان یا دشمن کی فوج سے بہادری سے لڑنا دکھایا جاتا ہے۔ جنگ کے ضمن میں ہیرو کے گھوڑے، تلوار اور دوسرے اسلحوں کی تعریف بھی مرثیہ نگار کرتا ہے۔ ”شہادت“ کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کا دشمنوں کے ہاتھوں سے زخمی ہو کر شہید ہونے کا منظر پیش کرتا ہے۔ ”بین“ کے تحت مرثیہ نگار ہیرو کی لاش پر اس کے عزیز و اقارب کو ماتم کرتے ہوئے اور اس کے اوصاف بیان کر کے روتے ہوئے دکھاتا ہے۔

لہذا مرثیہ ان ہی اجزائے ترکیبی کے تحت مسدس کے فارم میں لکھا جاتا ہے۔ اجزائے ترکیبی کم ہو سکتے ہیں لیکن فارم کی بندش لازمی ہے۔ اگر مرثیہ غزل کے فارم میں لکھا جاتا ہے تو اسے غزل یا نوحہ یا سلام کہا جاتا ہے اور اگر رباعی کے فارم میں کسی کے مرنے پر اظہار غم کیا جاتا ہے تو اسے مرثیہ نہیں کہتے بلکہ رباعی ہی کہتے ہیں۔ مثلاً: میرانیس نے ایک رباعی میں شہیدان کر بلا کی پامالی دکھائی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

جب خاتمہ شاہ خوش اقبال کیا

اعدانے شہیدوں کا عجب حال کیا

گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر

سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

اس رباعی میں مرثیہ کا مضمون ہے لیکن فارم رباعی کا ہے اس لئے مندرجہ بالا رباعی مرثیہ نہیں ہے بلکہ رباعی ہی ہے اور میر انیس نے اسے رباعی کے خانے ہی میں رکھا ہے۔ غالب نے عارف کے مرنے پر غزل کے فارم میں اظہارِ غم کیا ہے جس کے دو شعر ہیں۔

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہِ شب چار دہم تھے مرے گھر کے

پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

غالب نے اسے غزل ہی رہنے دیا ہے، مرثیہ کے خانے میں نہیں رکھا ہے اور نہ اس غزل کے اوپر ”مرثیہ عارف“ عنوان لگایا ہے اور انہوں نے شہیدانِ کربلا کے ضمن میں تین بند لکھے ہیں اور اسے مسدس کے فارم میں لکھا ہے اور اس پر انہوں نے مرثیہ کا عنوان لگایا ہے۔ غالب نے اکیس اشعار میں شہیدانِ کربلا کو خراج عقیدت پیش کیا ہے جس کا مطلع ہے۔

سلام اے کہ اگر شہ کہیں اس کو

تو پھر کہیں، کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو

مگر اسے غزل کے فارم میں لکھا ہے اس لئے انہوں نے اسے مرثیہ کے خانے میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس کے اوپر انہوں نے عنوان ”سلام“ لگایا ہے۔ غالب کے علاوہ بیشتر شاعر مسدس کے علاوہ غزل کے فارم میں اگر مرثیہ کے مضامین لائے ہیں تو اسے سلام ہی کے عنوان سے لکھا ہے اور اگر چند اشعار بیچ میں آگئے ہیں تو انہیں غزل ہی میں رہنے دیا ہے۔

اسی طرح مثنوی کا بھی فارم معین ہے کہ اس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے مقفی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اس کے اجزائے ترکیبی بھی حسب ذیل ہیں:

(۱) توحید و مناجات

(۲) مدحِ حاکم

(۳) تعریفِ شعرو سخن

(۴) سببِ تالیف

(۵) اصل قصہ

غزل، قصیدہ اور رباعی کا بھی فارم معین ہے لیکن نعت کے لئے ابھی تک کوئی فارم مقرر نہیں ہو سکا ہے اور نہ ہی اجزائے ترکیبی۔ اب آپ ہی بتائیں اسے صنفِ سخن کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ اسلاف نے بھی اسے صنفِ سخن قرار نہیں دیا ہے مثلاً مولانا حکیم نجم الغنی صاحب نے اپنی تالیف بحر الفصاحت میں

اصنافِ ادب کا تفصیلی ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے حمد و نعت کو صنفِ سخن نہیں بنایا ہے اور نہ ہی اس کے لئے انہوں نے الگ باب قائم کیا ہے۔ بحر الفصاحت کے علاوہ اصنافِ ادب پر اور بھی جتنی معتبر کتابیں ملتی ہیں کسی میں بھی نعتیہ شاعری کو صنفِ سخن نہیں قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی اس کے لئے الگ باب قائم کیا گیا ہے۔ لہذا جس طرح اردو اور فارسی شاعری کا بڑا حصہ صوفیانہ اشعار پر مشتمل ہے لیکن اسے صنف کا درجہ حاصل نہیں۔ ٹھیک اسی طرح نعتیہ شاعری مضامین سخن میں سے تو ہے لیکن صنفِ سخن نہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو میں معیاری نعتیں کم لکھی گئی ہیں۔ جہاں تک رسول کے سراپے کا تعلق ہے تو قرآن سے بہتر رسول کا سراپا کون کھینچ سکتا ہے پھر بھی اردو شاعری میں اسے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ مدینہ جانے کی تمنا اور معراج کے بیان میں اچھے اشعار تو ملتے ہیں لیکن جہاں تک رسول کے اسوہ حسنہ کا تعلق ہے، رسول کی تعلیمات کا سوال ہے، اس طرف شعرائے اردو نے توجہ کم دی ہے اور دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ نعتیہ شاعری کی طرف ناقدوں نے رخ نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نعت کو کچھ لوگوں نے فن سے نہ جوڑ کر مذہب سے جوڑ دیا ہے اور اس کی ادبی قدر و قیمت پر کھنے کو مذہبی قدر و قیمت پر کھنے کے مترادف سمجھتے ہیں اور یہاں تک کہ نعتیہ مجموعے کے دیباچے میں لکھ دیتے ہیں کہ اس پر تبصرہ نہ کریں، مثلاً سفینہ بخشش میرے پیشِ نظر ہے ملاحظہ فرمائیے۔

”مخدوم گرامی وقار اختر چرخِ ملت جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم النورانیہ علم و فضل کے آسمان پر ایک روشن ستارے بلکہ اب ماہتاب و آفتاب بن کر چمک رہے ہیں لہذا ان کی شاعری پر تبصرہ کرنا یا کوئی ادبی اور شرعی سقم تلاش کرنا عیب جوئی کے مترادف ہوگا۔“

ظاہر ہے کہ اس اعلان کے بعد ناقد علامہ اختر رضا خاں قبلہ کی نعتیہ شاعری کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے قلم کیوں اٹھائے گا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس طرح کے اور بھی نعتیہ مجموعے میری نگاہ سے گزرے ہیں جن میں اس طرح کا اعلان موجود ہے۔ نعت لکھنے والوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ نعت صرف توشنہ آخرت نہیں بلکہ ادب بھی ہے اسے پرکھنے اور اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کا ناقد کو پورا پورا اختیار ہے۔ اس پر نعت کو کوچیں بہ جیں نہیں ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر سید خسرو حسینی (گل برگ شریف)

فن نعت اور نعت گوئی

حصہ اول

● آرٹ (Art) الف - تعریف

آرٹ (Art) کی مطلقاً کیا تعریف ہے؟ قبل ازیں ہم کو اس انگریزی لفظ کا عربی، فارسی یا اردو میں ہم معنی لفظ کی تلاش کرنی چاہئے۔ لیکن اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ جن معنوں اور مفہوم کو لفظ آرٹ احاطہ کئے ہوئے ہے اس مفہوم کا اردو یا فارسی یا عربی میں کوئی موزوں لفظ نہیں ملتا، مگر یہ کہ ہم لفظ ”فن“ کا استعمال کریں۔ عربی میں بحوالہ المنجد (۱)

فن کے معنی (الشیء کے ساتھ) مزین کرنا کے آتے ہیں۔ (الرجل کے ساتھ) مشقت میں ڈالنا ہے۔ فن الدین کے معنی قرض کو ٹالنا کے ہیں۔ فعل فنن کے معنی مثلاً فنن الشیء بالشیء ملانا کے ہیں۔ فنن الناس سے مراد جدا جدا کرنا، لوگوں کی مختلف قسمیں اور جماعتیں مقرر کرنا ہے، فنن الراہیہ کا مطلب طرح طرح کی رائے بدلنا ہے۔ فعل تفنن کے معنی قسم بہ قسم ہونا، مضطرب ہونا، آتا ہے۔ تفنن (اور افتن) فی الحدیث بات کو عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کرنے کے آتے ہیں۔ الفنن مصدر ہے جس کے معنی ہے ہر شئی کی ایک نوع اور قسم۔ اس کی جمع افنان اور فنون اور جمع الجمع افنانین ہے۔ افنانین الکلام کے معنی ہے کلام کے مختلف اسلوب۔ اسی بنا پر المنجد میں فنون کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ جیسے فنون الشعر،

یہ الفاظ کے استعمال کا لزوم ہے جو فن ادب کو میز کر دیتا ہے۔ ادب کے پڑھنے والے کو یہ ضروری ہے کہ وہ کم از کم اپنی توجہ الفاظ اور ان کے معنوں و مفہوم پر دیں (۹) فن شعر، جو فنون ادب کی ایک قسم ہے، پر تبصرہ کرتے ہوئے J. Hoppers اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ (۱۰)

”وہ معنی ہیں۔ الفاظ کے لفظی معنی اور ان معنوں کے روابط جو ان الفاظ کو گھیرے ہوئے ہیں پڑھنے والوں کے ذہنوں میں جو اس زبان سے واقف ہیں کہ جو فن ادب کو دوسرے فنون سے ممتاز کر دیا

ہے۔ ادب کو فن رمزی نشان کہا گیا ہے جس امتیازی خصوصیت کو اس نے اس وجہ سے حاصل کیا کہ ادب کے تمام اجزاء الفاظ ہیں اور الفاظ نہ تو آوازیں ہیں نہ قلم کے آثار بلکہ معنی خیز آوازیں جن سے واقعیت لازمی ہے قبل ازیں کہ اس نظم کو سمجھیں یا اس کی قدر دانی کریں۔“

الفن ادب (Art of Literature)

جیسا ہم نے اوپر بحث کی ہے فن ادب فنون لطیفہ کی ایک قسم ہے اور یہ بھی جانا ہے کہ اس فن کی امتیازی خصوصیت لزوم الفاظ ہے جو اس کو سارے فنون سے جدا کر دیتا ہے۔ سید حسن ثنی ندوی (۱۱) نے ادب کی تعریف یوں کی ہے ”ادب اہل دین کے نزدیک نام ہے تادیب جوارح کا، تہذیب طبائع کا، تزکیہ نفس کا، حفظ حدود کا، شہوات و لذت کا، بے لگامیوں سے احتیاط برتنے کا، اور شکوک و شبہات کی تمام اشیاء سے اجتناب کرنے کا، حسن عمل اور خوبی کردار کا ماحول پیدا کرنے کا، عہد و ہشت کی فضاء سے نکلنے کا، حیوانیت کی سطح سے بلند ہو کر انسانیت کی سطح پر پہنچنے کا، انسان بننے اور افراد معاشرہ کو انسان بنانے کا..... ادب تو یہی ہے اور ہم اسی کے ذخیرہ کو ادبیات کہتے ہیں۔“

یہ فن ہر زبان میں ہوتا ہے۔ ابن خلدون نے زبان عربی کے فن ادب کی تعریف یوں کی ہے کہ ادب سے مراد علم شعر اور تاریخ عرب پر مہارت ہے اور دوسرے علوم سے واقفیت یعنی علوم لسانیات اور مذہب (۱۲) فن ادب کی بھی چند اقسام ہیں (۱) فن نثر (۲) فن شعر (۳) فن تنقید (۴) فن خطابت۔ فن نثر یا نثر نگاری تمدنی تعلیم کا اہم ذریعہ ہے۔ فن شعر انسان کے لیے بہترین زندگی کی طرف راغب ہونے کا معیار تعین کرتا ہے۔ فن تنقید دنیا کا بہترین علم اور تصور کا مرکزی راستہ ہے (۱۳) فن خطابت انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ برے کو نیک بناتا ہے، اور ہدایات کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ یہاں ہم فن ادب کی ایک قسم فن شعر کے بارے میں غور کریں گے۔ فن شعر گوئی یعنی شعر کا آرٹ، مشہور و معروف فلسفی ارسطو کا پسندیدہ موضوع تھا جس کا وہ خود ماہر بھی ہے۔ ارسطو کا تذکرہ ابن خلدون کے مقدمہ میں بھی ملتا ہے۔ (۱۴) فن شعر ایک ایسا صنف ہے جو مشابہتی دلائل کے ذریعہ نظائر اور تشبیہات کو ایجاد کرنا سکھاتا ہے بالخصوص ایک دوسرے کو ترغیب دینے کے لیے تاکہ وہ کسی چیز یا کام کرنے سے رکے یا کرے، بقول ارسطو فن شعر انسان کے افعال کی ابیات، نظم اور قص کے ذریعہ نقل کرنا ہے، شاعر کو چاہئے کہ اپنے مضمون کا انحصار عام نفسیاتی حقائق پر رکھے اور چاہیے کہ فطرت انسان کو اچھی طرح سمجھ لے اور جان لے ورنہ اس کا مضمون کمزور ہو جائے گا۔ (۱۵)

۲ فن شعر (Art of Poetry)

جس طرح ہر ملک و قوم کا آرٹ ان سے منسوب ہوتا ہے اسی طرح ان کی اپنی زبان (Language) بھی ان سے منسوب ہوتی ہے۔ زبان کے ساتھ ہی اس کے فنونِ ادب، اصولوں اور قواعد سے منسلک اس کی خصوصیت ہو جاتی ہے اور فنونِ ادب کی ایک لازمی اور اہم ترین قسم فنِ شعریا شعر گوئی ہے۔ اسی لیے کسی بھی زبان کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو اس کی شاعری کا درس ضروری ہے جس کو نظر انداز کیا ہی نہیں جاسکتا۔

بالعموم مسلمانوں کی اور بالخصوص عربوں کی زبان عربی ہے لیکن چونکہ مسلمان ساری دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اپنی اپنی منفرد زبانوں سے منسوب ہیں بلحاظ ملک رہائش۔ جیسے ایران میں فارسی، ہندوستان میں اردو، ترکستان میں ترکی، انڈونیشیا میں انڈونیشین زبان وغیرہ۔

ہمارا مضمون فنِ شعر سے تعلق رکھتا ہے خصوصاً نعت گوئی سے۔ تمام زبانوں میں اس فن کا جائزہ لینا تو ہمارے لیے یہاں ممکن نہیں۔ اس لیے بالخصوص عربی، فارسی اور اردو شاعری میں نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات کا اجمالی تجزیہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اجمالی اس لیے کہ اس موضوع پر کئی کتابیں اور مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ اس ضمن میں ایک مرتبہ تصنیف رسول نمبر نقوش (۱۶) کا ذکر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیوں کہ اس کی دسویں جلد مکمل اسی موضوع پر ایک نایاب اور تفصیلی تحقیق ہے۔ ہم نے بھی اس جلد سے کافی استفادہ کیا ہے۔ عربی (۱۷) میں فعلِ شعر کے معنی ہے شعر کہنا شعر الرجل یعنی اس آدمی نے شعر کہا۔ شعر مصدر ہے اس کی جمع اشعار وہ کلام جو بروزن اور بہ تقفیت ہو شعر اسم تفضیل ہے بہ معنی زیادہ اچھا شعر جیسے هذا البيت اشعر من هذا۔ یعنی یہ بیت (ایک شعر دو مصرعوں کا) اس بیت سے بہتر ہے۔ زیادہ خوبصورت ہے۔ الشاعر اسم فاعل واحد مذکر اور الشاعرا اسم فاعل واحد مؤنث اور ان کی جمع الشعراء (مذکر) اور شواعر و شاعرات (مؤنث) ہے۔ تشاعر فعل ہے جس کے معنی خود کو شاعر کی مانند سمجھنا۔ اسم فاعل تشاعر یعنی وہ جو خود کو شاعر تصور کرتا ہو۔ الشعر و یہ الفاظ کے استعمال کا لزوم ہے جو فنِ ادب کو ممیز کر دیتا ہے۔ ادب کے پڑھنے والے کو یہ ضروری ہے کہ وہ کم از کم اپنی توجہ الفاظ اور ان کے معنوں و مفہوم پر دیں (۹) فنِ شعر، جو فنونِ ادب کی ایک قسم ہے، پر تبصرہ کرتے ہوئے J. Hospers اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ (۱۰)

”وہ معنی ہیں۔ الفاظ کے لفظی معنی اور ان معنوں کے روابط جو ان الفاظ کو گھیرے ہوئے ہیں پڑھنے والوں کے ذہنوں میں جو اس زبان سے واقف ہیں کہ جو فنِ ادب کو دوسرے فنون سے ممتاز کر دیا ہے۔ ادب کو فنِ رمزی نشان کہا گیا ہے جس امتیازی خصوصیت کو اس نے اس وجہ سے حاصل کیا کہ ادب

کے تمام اجزاء الفاظ ہیں اور الفاظ نہ تو آوازیں ہیں نہ قلم کے آثار بلکہ معنی خیز آوازیں جن سے واقعیت لازمی ہے قبل ازیں کہ اس نظم کو سمجھیں یا اس کی قدر دانی کریں۔“

الفنِ ادب (Art of Literature)

جیسا ہم نے اوپر بحث کی ہے فنِ ادب فنونِ لطیفہ کی ایک قسم ہے اور یہ بھی جانا ہے کہ اس فن کی امتیازی خصوصیت لزوم الفاظ ہے جو اس کو سارے فنون سے جدا کر دیتا ہے۔ سید حسن ثنی ندوی (۱۱) نے ادب کی تعریف یوں کی ہے ”ادب اہل دین کے نزدیک نام ہے تادیب جوارح کا، تہذیب طبائع کا، تزکیہ نفس کا، حفظ حدود کا، شہوات و لذت کا، بے لگامیوں سے احتیاط برتنے کا، اور شکوک و شبہات کی تمام اشیاء سے اجتناب کرنے کا، حسن عمل اور خوبی کردار کا ماحول پیدا کرنے کا، عہدِ ہشت کی فضاء سے نکلنے کا، حیوانیت کی سطح سے بلند ہو کر انسانیت کی سطح پر پہنچنے کا، انسان بننے اور افرادِ معاشرہ کو انسان بنانے کا..... ادب تو یہی ہے اور ہم اسی کے ذخیرہ کو ادبیات کہتے ہیں۔“

یہ ہر زبان میں ہوتا ہے۔ ابن خلدون نے زبانِ عربی کے فنِ ادب کی تعریف یوں کی ہے کہ ادب سے مراد علمِ شعر اور تاریخِ عرب پر مہارت ہے اور دوسرے علوم سے واقفیت یعنی علومِ لسانیات اور مذہب (۱۲)۔ فنِ ادب کی بھی چند اقسام ہیں (۱) فنِ نثر (۲) فنِ شعر (۳) فنِ تنقید (۴) فنِ خطابت۔ فنِ نثر یا نثر نگاری تمدنی تعلیم کا اہم ذریعہ ہے۔ فنِ شعر انسان کے لیے بہترین زندگی کی طرف راغب ہونے کا معیار تعین کرتا ہے۔ فنِ تنقید دنیا کا بہترین علم اور تصور کا مرکزی راستہ ہے (۱۳) فنِ خطابت انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ برے کو نیک بناتا ہے، اور ہدایات کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ یہاں ہم فنِ ادب کی ایک قسم فنِ شعر کے بارے میں غور کریں گے۔ فنِ شعر گوئی یعنی شعر کا آرٹ، مشہور و معروف فلسفی ارسطو کا پسندیدہ موضوع تھا جس کا وہ خود ماہر بھی ہے۔ ارسطو کا تذکرہ ابن خلدون کے مقدمہ میں بھی ملتا ہے (۱۴)۔ فنِ شعر ایک ایسا صنف ہے جو مشابہتی دلائل کے ذریعہ نظائر اور تشبیہات کو ایجاد کرنا سکھاتا ہے بالخصوص ایک دوسرے کو ترغیب دینے کے لیے تاکہ وہ کسی چیز یا کام کرنے سے رکے یا کرے، بقول ارسطو فنِ شعر انسان کے افعال کی ابیات، نظم اور قص کے ذریعہ نقل کرنا ہے، شاعر کو چاہئے کہ اپنے مضمون کا انحصار عام نفسیاتی حقائق پر رکھے اور چاہئے کہ فطرت انسان کو اچھی طرح سمجھ لے اور جان لے ورنہ اس کا مضمون کمزور ہو جائے گا۔ (۱۵)

۲ فنِ شعر (Art of Poetry)

جس طرح ہر ملک و قوم کا آرٹ ان سے منسوب ہوتا ہے اسی طرح ان کی اپنی زبان

(Language) بھی ان سے منسوب ہوتی ہے۔ زبان کے ساتھ ہی اس کے فنونِ ادب، اصولوں اور قواعد سے منسلک اس کی خصوصیت ہو جاتی ہے اور فنونِ ادب کی ایک لازمی اور اہم ترین قسم فنِ شعر یا شعر گوئی ہے۔ اسی لیے کسی بھی زبان کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو اس کی شاعری کا درس ضروری ہے جس کو نظر انداز کیا ہی نہیں جاسکتا۔

بالعموم مسلمانوں کی اور بالخصوص عربوں کی زبان عربی ہے لیکن چونکہ مسلمان ساری دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اپنی اپنی منفرد زبانوں سے منسوب ہیں بلحاظ ملک رہائش۔ جیسے ایران میں فارسی، ہندوستان میں اردو، ترکستان میں ترکی، انڈونیشیا میں انڈونیشین زبان وغیرہ۔ ہمارا مضمون فنِ شعر سے تعلق رکھتا ہے خصوصاً نعت گوئی سے۔ تمام زبانوں میں اس فن کا جائزہ لینا تو ہمارے لیے یہاں ممکن نہیں۔ اس لیے بالخصوص عربی، فارسی اور اردو شاعری میں نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات کا اجمالی تجزیہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اجمالی اس لیے کہ اس موضوع پر کئی کتابیں اور مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ اس ضمن میں ایک مرتبہ تصنیف رسول نمبر نقوش (۱۶) کا ذکر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیوں کہ اس کی دسویں جلد مکمل اسی موضوع پر ایک نایاب اور تفصیلی تحقیق ہے۔ ہم نے بھی اس جلد سے کافی استفادہ کیا ہے۔ عربی (۱۷) میں فعلِ شعر کے معنی ہے شعر کہنا شعر الرجل یعنی اس آدمی نے شعر کہا۔ شعر مصدر ہے اس کی جمع اشعار وہ کلام جو بروزن اور بہ تقفیت ہو شعر اسم تفضیل ہے بہ معنی زیادہ اچھا شعر جیسے هذا البيت اشعر من هذا۔ یعنی یہ بیت (ایک شعر دو مصرعوں کا) اس بیت سے بہتر ہے۔ زیادہ خوبصورت ہے۔ الشاعر اسم فاعل واحد مذکر اور الشاعرا اسم فاعل واحد مؤنث اور ان کی جمع الشعراء (مذکر) اور شاعرو شاعرات (مؤنث) ہے۔ شاعر فعل ہے جس کے معنی خود کو شاعر کی مانند سمجھنا۔ اسم فاعل متشاعر یعنی وہ جو خود کو شاعر تصور کرتا ہو۔ اشعر و جمع شعاریں جو بہت ضعیف شاعر ہو۔

امام راغب اصفہانی (۱۸) فرماتے ہیں کہ

شعرت کے معنی بالوں پر مارنے کے ہیں اور اسی سے شعرت کذا مستعار ہے جس کے معنی بال کی طرح باریک علم حاصل کر لینے کے ہیں اور شاعر کو بھی اس کی فطانت اور وقتِ نظر کی وجہ سے ہی شاعر کہا جاتا ہے! تولیت شعری کذا کے محاورہ میں شعر اصل میں علم لطیف کا نام ہے پھر عرف میں موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہا جاتا ہے اور شعر کہنے والے کو شاعر کہا جاتا ہے۔

العروض میزان شعر کو کہتے ہیں کیونکہ اسی کے ذریعہ شعر کے وزن کو جانچا جاتا ہے فنِ شعر کے علم کو علم العروض اور عالم علم العروض کو العروضی کہا جاتا ہے (۱۹) فنِ شعر پر ابن خلدون نے تفصیلی بحث کی

ہے۔ (۲۰)

الف۔ عہدِ جاہلیہ اور شعر

عہدِ جاہلیہ اس دور کو کہتے ہیں جو بعثتِ نبوی سے قبل کا ہے۔ جاہلیہ عربی اصطلاح ہے اور فعلِ جہل سے مشتق ہے جہل کے معنی ہے نہ جاننا، ان پڑھ ہونا۔ جاہلیہ اس حالت کو کہتے ہیں جو ان پڑھ ہونے کی ہے، حالتِ جہل (۲۱)۔ جاہلیت کا اطلاق اسی وجہ عرب کے ان حالات پر ہوتا ہے جو اسلام سے پہلے عرب پر طاری تھے۔ قبل اسلام جزیرہ عرب میں بسنے والے قبائل وازناب بدو عرب تھے جو اکثر خانہ بدوش زندگی کے عادی تھے۔ ان کا عمومی پیشہ زراعت، کاشتکاری، گھریلو حیوانات کی دیکھ بھال جیسے بکری، بھینس، گائے، اونٹ وغیرہ تھا۔ ان اعراب کی تہذیبی، سماجی، تمدنی، مذہبی اور تعلیمی ماحول پر ایک نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خانہ بدوش بدو زیادہ تر ان پڑھ اور جاہل رہے ہیں۔ اور شقاوت، گمراہی، عصبیت، عداوت وغیرہ کا شکار بنے ہوئے تھے۔ مذہب سے کوسوں دور تھے۔ بت پرستی کا رواج عام تھا فتح مکہ کے وقت بھی اندرونِ کعبہ شریف ۳۶۰ بت موجود تھے جن کو حضرت محمدؐ کے حکم سے توڑا گیا۔

عصبیت (Clanish) عروج پر تھی (۲۲) سوائے اپنے قبیلے کے کسی کو وہ مانتے ہی نہ تھے۔ ان کے اپنے خاندانی ماحول کا اندازہ اس رواج سے ہوتا ہے کہ جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو زندہ دفن کر دیتے یا ختم کر دیتے کیونکہ اس کو بدشگن تصور کیا کرتے۔ برخلاف اگر لڑکا تولد ہوتا تو عید کا منظر نظر آتا۔ مسرت کا اظہار ہوتا خوشیاں منائی جاتیں۔ قصائد لکھے جاتے (۲۳) ان کی جاہلیت اور عصبیت مزاجی پر آیتیں بھی نازل ہوئیں۔ قرآن مجید نے ان بدو قبائل کو جھگڑا لڑنا کہتا ہے (۲۴) یہ بھی ارشاد باری ہے کہ محمدؐ دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر دیں تو بھی ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکیں گے (۲۵) لیکن ان حالات کے باوجود حق گوئی اور صداقت ان کی گھٹی میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

تعب تو اس بات کا بھی ہے کہ تعلیم و تعلم سے نا آشنائی اور بے رغبتی کے ساتھ ساتھ ان میں شعر و شاعری سے قربت کا یہ عالم تھا کہ اکثر مرد و زن شاعر یا خطیب تھے۔ ظہور اسلام کے وقت فنِ شعر اسی دور کی امتیازی خصوصیت تھی۔

ذوقِ اظہار کی اسی فراوانی، شیوہ بیانی کی اسی عمومیت اور طاقتِ زبان کی اسی ہمہ گیری کی بدولت اس سرزمین کے باشندے اپنے آپ کو عرب، یعنی زبان آور اور دوسرے ممالک کے رہنے والوں کو عجم یعنی گونا گاہ کہہ کر اظہارِ تفاخر کیا کرتے تھے۔

اسلام سے قبل کے جاہلی ادب میں شعر و سخن کی تقریباً وہ تمام اصناف کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں جو آگے چل کر ادب العرب کے گنجینہ کا سرمایہ وقار قرار پائیں۔ ہیئت کے اعتبار سے قصیدہ، مثنوی، غزل، قطعہ، رباعی اور مخمس وغیرہ تو موار دو مضامین کے لحاظ سے حماسہ عشق و صبا، تغزل، مدح، رثاء، ہجاء، جدوہزل، الغرض ہر نوع کی شاعری شعرائے جاہلیت کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے قصیدوں میں رزمیہ، طربیہ، مدحیہ، بیانیہ المیہ اور ہجائیہ ہر طرح کی سخنوری کے بڑے جاندار نمونے موجود ہیں۔ ان کی بدیہہ گوئی، ارتحال اور زور طبع کے واقعات، مدح و ستائش کے دوش بدوش دم و بھو طرز و تقریض، حسن طلب اور بلاغت ادا کی شاندار مثالیں تاریخ ادب عربی کے صفحات پر جگمگا رہی ہیں (۲۶)۔

لیکن عصبيت اس دور کی عربی شاعری پر حاوی تھی۔ اور بڑے بڑے نامور شعراء اسی عصبيت کے شکار بنے ہوئے تھے۔ اگر کسی سے دنیاوی فائدہ کی امید ہوتی تو اس کی مدح میں قصیدے لکھے جاتے (۲۷) اور اگر کسی سے نا اتفاقی یا ناراضگی ہوتی تو اس کی ہجو کرتے۔ بیشتر ان قصائد یا ہجو میں سچائی اور حق بھی ہوتا اسی دور کے ایک مشہور و معروف شاعر زہیر ابن ابی سلمیٰ کا ایک شعر نقل ہے۔

وان احسن بیت قائلہ بیت یقال اذا نشد صدقاً
(یعنی یقیناً بہترین شعر کہنے والا وہ ہے جس کے شعر کو پڑھنے والا اس شعر کو سچ کہے)

ابی سلمیٰ کے متعلق حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے ایک بار فرمایا تھا انہ اشعر الشعراء لانہ لایمدح الا مستحقاً (یعنی وہ سب سے بہترین شاعر ہے کیونکہ وہ صرف اسی کی مدح کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہے)

اگر شاعر کسی لڑکی کی مدح میں قصیدہ لکھ دیتا تو اس ان بیاہی لڑکی کی شادی ہو جاتی (۲۸) اگر کسی کی ہجو کی جاتی تو اس شخص کی زندگی مشکل میں پڑ جاتی۔ یہ بات عام طور پر مانی جاتی تھی کہ شاعر کے کلام میں طلسماتی طاقت ہوتی ہے اور ان پر جنات قابو ہیں (۲۹)۔

ب۔ اسلام اور شعر

دور جاہلیت کے بگڑے ہوئے سماجی و تعلیمی معاشرہ میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اسلام نے ان عرب کو فکر معاش پر فکر معاد کو ترجیح دی۔ انسانیت کو اخلاقیات کا سبق سکھایا۔ عقلی اور نفسیاتی بلندیوں کی طرف مائل کیا۔ نئے نئے علوم و ادب کو روشن کیا۔ وحدت انسان کا تصور پیش کیا اور عرب و عجم کے فرق کو مٹا کر عصبيت مزاجی کو رقیق کر دیا۔ بہر حال ظہور اسلام نے زندگی کا کوئی پہلو نہ چھوڑا جس کو سنوارا نہ ہو۔ ایسی صورت میں شعر و ادب کے تنگ میدان کو وسیع ترین کر دیا۔ انسانی فکر و نظر کو وسعت خیالی بخشی۔ یہ

معاشرہ کی لفظی یا لسانی اصلاح نہیں بلکہ فکری اصلاح تھی۔

قرآن مجید کی بلیغ و فصیح بیانی نے عربوں کے فخر اور احساس برتری جو، ان کے شعر و سخن کی وجہ سے تھی، کو اس قدر گھٹا دیا کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ دیا۔ قرآن مجید (۳۰) نے اس کی تردید کی۔ وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ مناسب تھا۔ وما هو بقول شاعر (۳۱) یعنی یہ کسی شاعر کا خطاب نہیں۔ قرآن مجید میں لفظ شعر ایک بار، شاعر چار بار اور شعراء ایک بار آیا ہے۔ قرآن نے شاعری کی ترغیب نہیں دی لیکن اس کی واضح طور پر ممانعت بھی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے شاعر کو مجنون (۳۲) ضرور کہا ہے اور شاعروں کی پیروی کرنے والوں کو بھٹکے ہوئے (۳۳) دوسری طرف قرآن کریم (۳۴) نے اسلامی شعراء کی حمایت بھی کی ہے۔ الحمد تری انہم فی کل واد یمون وانہم یقولون ما لا یفعلون الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وذکر واللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون یعنی کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ (شعراء) ہر وای میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔ یقیناً وہ جو کہتے ہیں نہیں کرتے مگر ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کیے اور ظلم سہنے کے بعد اس کا انتقام لیا۔ اور وہ بھی (شعراء) جو ظلم کیے عنقریب جان لیں گے کہ کس طرح الٹتے ہیں۔ اوپر بیان کی ہوئی تین آیتوں میں قرآن مجید نے دو گروہ کی وضاحت کی ہے (۱) وہ جو کفار ہی ہیں اور ظلم کر رہے ہیں (۲) وہ جو اسلام قبول کیے۔ ان دونوں گروہوں کی صفیتیں یہ بیان کی گئیں کہ کفار شعراء وادیوں میں بھٹکتے سر ٹکراتے پھرتے ہیں اور جن کے فعل و قول میں کوئی مناسبت نہیں۔ دوسرے گروہ کی صفت یہ ہے کہ انہوں نے ایمان لایا مسلمان ہوئے جو ایک نیک عمل ہے اور اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہیں اور ظلم کا بدلہ لیتے ہیں۔ ان آیتوں کے ذریعہ جاہلی شعراء کی نالاش ہے اور اسلامی شعراء کی تعریف کہ انہوں نے اسلام کی تائید میں جاہلی شعراء اور ان کے کلمات کفر کی ہجو کی۔ یہ بھی وضاحت ہتی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان شعراء کے قول و فعل میں فرق نہیں۔ ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جاہلیت کی شاعری انتہائی گمراہ کن غلط بیانی اور بیشتر اوقات خلاف واقعہ بھی ہوا کرتی تھی۔ شاعر میں مبالغہ، کذب (جھوٹ) کی حد کو پہنچ چکا تھا۔ امام راغب (۳۵) لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں شعر بہ معنی کذب اور شاعر بہ معنی کاذب (جھوٹا) استعمال ہوتا ہے یہاں تک کہ دلائل کا ذبح کو اذلتہ شعریہ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے مشہور مقولہ ہے کہ احسن الشعراء کذبہ یعنی سب سے بہتر شعروہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ کا حامی ہے۔

کیوں کہ قرآن مجید نے صاف شعر و شاعری پر امتناع نہیں فرمایا اور اس کا ایک دروازہ کھلا چھوڑ دیا جس کے ذریعہ سچائی حق پرستی، واقعاتی صداقت، حقیقت نگاری اور کردار آموزی وغیرہ داخل ہو کر شعر و سخن کو ایک مقصد عطا کیا۔ اسی لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس نئے فکر و نظر کی شاعری کو پسند فرمایا۔ احادیث نبوی میں روایتیں ملتی ہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم (۳۶) نے حسان بن ثابت کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرمائیں اس وقت تک کہ حسان بن ثابت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جاہلی شعراء کا مقابلہ کرتے رہیں۔

جائے دیگر (۳۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان من الشعر حکمة یعنی بعض اشعار میں حکمت و دانائی بھی ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں شعری اصلاح فرمائی (۳۸) تو دوسرے موقع پر صحابی شعراء کو دفاع اسلام کی خاطر دعوت شعر و سخن بھی دی (۳۹)۔ اسی دور کو اسلامی شاعری کا آغاز تصور کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے اسلامی شعراء جو مشہور و معروف ہوئے ان میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت علی مرتضیٰ حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن زہیر، حضرت ضرار بن خطاب وغیرہ کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت کو شاعر رسالت تصور کیا جاتا ہے۔ (۴۰) اسلامی شعراء میں وہ حضرات تھے جنہوں نے ہمیشہ اپنے کلام کے ذریعہ اسلام کا دفاع کرتے اور ناقدرین کو گونگا کر دیتے۔ اس دور کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ موضوعاتی شاعری کا آغاز اسی دور سے ہوا۔ اب شعراء اسلام اور قرآن کی تعلیمات ایک منظوم شکل میں پیش کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصائد و قطعات بھی لکھنے لگے۔ اسی ضمن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب (۴۱) کا ایک شعر نمونہ پیش ہے۔

وابيض يستسقى الغمام بوجهه شمال اليتاحي عصبة للارامل
(یعنی وہ گورے مکھڑے والا جس کے رخ انور کے وسیلہ سے ابر باراں طلب کیا جاتا ہے۔
یتیموں کا والی اور بیواؤں کا محافظ ہے)

یہیں سے شعر میں فنِ نعت گوئی کی ابتداء ہوتی ہے۔

حصہ دوم

خواہ ہم کہ ہمیشہ درہوائے توزیم خاکے شوم و بہ زیر پائے توزیم
(میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کے زیر سایہ جیوں اور میں مٹی بن جاؤں، تاکہ آپ کے قدموں

کے نیچے جیوں)

مقصود من بندہ زکونین توئی از بہر تو میرم وز برائے توزیم
(کونین سے اس بندہ کی مراد صرف آپ ہی ہیں آپ کے لیے مروں اور آپ کے لیے ہی جیوں)

الف فن یا صنف؟

اصناف شعر میں غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعات، مستزاد، ترکیب بند، ترجیع بند، مثنیٰ، مسدس، مخمس، مربع، مثلث، فریادات، نظم، تضمین، ہجو، وغیرہ آتے ہیں۔ ہندی اثرات کے نتیجہ اردو میں صنف گیت، صنف راگ اور دوہوں کو بھی قبول کر لیا گیا ہے۔ انگریزی شاعری کے زیر اثر اردو شاعری میں نئی ہئیتوں سے آشنائی کی وجہ 'سونیٹ' (Sonnet) نظم معراء آزاد نظم اور نثری نظم کے پیرائے بھی استعمال میں آئے۔ اسی طرح جدید دور میں طویل نظم نگاری (Canto) کا رجحان شروع ہوا۔ انگریزی ہئیتوں کا نعت گو شعراء نے رواج ڈالا (۴۲)۔

فنِ نعت کو بھی فارسی اور اردو زبانوں میں فنِ شعر کی ایک اہم صنف تصور کیا جاتا ہے۔ بزبان عربی اصطلاح نعت کی جگہ الدراج النبیۃ یا مدح یا مدح وصف کا استعمال ہے (۴۳) مورخین ادب، محققین اور ناقدین (بالخصوص اردو زبان کے) نعت کا اپنی تصانیف میں ذکر کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں (۴۴)۔ یہ حیرت کی بات ہے کیوں کہ اس فن کے مضامین کا لحاظ اگر کریں تو اس کی اہمیت سارے فنون سے بڑھ جاتی ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ قسم نعت کو فنِ شعر کی ایک صنف کے بجائے فنون ادب کے ایک فن کی حیثیت سے قبول کریں اور مماثل فنِ شعر کا مقام دیں۔ اسی لیے ہم نے نعت کو فنِ نعت کہا ہے نہ کہ صنف شعر۔ نعت کے مضامین سے ہٹ کر بھی اگر ہم غور کریں تو وہ سارے اصناف شعر فنِ نعت میں استعمال ہوتے ہیں جو فنِ شعر کے تحت ہیں۔ مزید یہ کہ ان سارے اسلوب شعر گوئی کا خیال بھی رکھا جاتا ہے جو دوسرے اصناف میں ضروری ہیں۔ دوسرے معنوں میں وہ تمام اسلوب جو انفرادی طور پر ہر اک صنف کے لیے لازم ہے، فنِ نعت میں بقدر اتم پائے جاتے ہیں، جیسا کہ ایک مورخ ادب نے کہا۔

..... نعت کا موضوع کسی ایک صنف، ہیئت یا خاص شعری انداز میں مخصوص نہیں۔ نعت کی فضا میں اگر ہر صنف اور ہیئت اور شعر و شاعری کے مختلف اسالیب نعت آشنا ہو گئے ہیں۔ نعت کے موضوع نے اپنے اظہار کے لیے ہر صنف و سخن کی خوبیوں اور خصوصیات سے فائدہ اٹھایا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ نعت گو شعراء نے شاعری کی مروجہ اصناف، مستعمل ہئیتوں اور متنوع اسالیب کو حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ذکر و اذکار اور توصیف و مدح سے مشرف کر کے اسے نعت کی صنف کے وسیع تر دائرے میں شامل کر لیا ہے۔ ”وسیع تر ہوتے“ اس لیے کہ نعت کے موضوع میں پوشیدہ امکانات اتنے قوی و محدود اور موثر ہیں کہ مستقبل میں شعری تجربوں کے نتیجے میں سامنے آنے والے نئی ہیئتیں اصناف اور اسالیب سب ایک قرینے اور شائستگی کے ساتھ اس وسیع تر دائرہ کا حصہ بنتے جائیں گے (۴۵) نہ صرف یہ بلکہ اکثر محققین اور ناقدین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ نعت اور نعت گوئی کسی اور صنف شعر و سخن سے بہت زیادہ دشوار ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ ارباب نقد و نظر کے نزدیک یہ بات محض تکلف یا عقیدت کی ہو مگر میرا خیال یہ ہے کہ مختلف اصناف سخن میں نعت گوئی سے زیادہ مشکل کوئی اور صنف سخن نہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ شاعر کو فکری اور فنی دونوں سطحوں پر متضاد اور ایک دوسرے سے نبرد آزما جذبات و احساسات سے دوچار ہونا پڑتا ہے (۴۶)۔

بہر حال ہم کو قوی امید ہے کہ مورخین، ناقدین اور محققین فن ادبیات اس کی طرف توجہ فرمائیں گے اور فنِ نعت کو اپنا مقام دیں گے جس کا وہ فن مستحق بھی ہے اور حامی بھی۔ شاعر تو اپنے دل اور جذبات کو بیان کرتا ہے لیکن اس کا لرشپ کا یہ تقاضہ ہے کہ محققین اور ناقدین اپنی عقل اور جدید اسلوب تحقیق (Modern Methodology) سے تجزیہ کریں جس میں نہ عقائد نہ دل نہ جذبات، کسی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

الف۔ نعت: لفظی معنی و مفہوم

(۱) زبانِ عربی: اصطلاح نعت کے معنی و مفہوم پر ڈاکٹر ریاض مجید (۴۷) کی سیر حاصل تحقیق موجود ہے اسی سے ہم زیادہ تر استفادہ کریں گے۔ فنِ نعت اور نعت گوئی کیوں کہ خاص موضوعاتی شاعری اور بالخصوص مذہب اسلام سے ہی منسوب ہے ہم سب سے پہلے قرآن و حدیث نبوی میں اس اصطلاح کے معنی تلاش کریں گے۔ قرآن مجید میں تو لفظ نعت کا استعمال ہی نہیں ہوا لیکن مفسرین نے نعت کو استعمال کیا ہے بہ معنی وصف۔

احادیث نبوی اور شائیں نبوی میں یہ لفظ تقریباً ۵۰ مرتبہ مختلف مقامات پر آیا ہے اور مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ نہ صرف اس کے معنی مطلق اور عام افراد اور اشیاء کی تعریف، صفت، کیفیت، خصوصیت وغیرہ کے لیے مستعمل ہوا ہے بلکہ کسی فرد کے حلیہ کی توصیف میں بھی۔ اسلام اور صحابہ کرام کے اوصاف کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ مزید حضور اکرم کی تعریف کے لیے بھی۔

نعت عربی زبان کا فعل ہے جس کے معنی وصف کرنا، تعریف کرنا کے آتے ہیں۔ بنا بریں کہ ڈاکٹر ریاض مجید نے لفظی معنوں پر اہم لغات اور ادبی کتب کے حوالوں سے تبصرہ کیا ہے ہم یہاں پر ان معنوں کے مباحث میں جانے سے احتراز کرتے ہوئے ان کو صرف بیان کر دیں گے۔ بحوالہ تاج العروس نعت کے معنی وصف ہے خصوصاً جب کسی چیز کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا جائے۔ اس تعریف میں جو بھی کہا جاتا ہے سب نعت ہے۔ بحوالہ ابن سیدہ ہر عمدہ اور بہتر چیز کو جس کے بیان میں مبالغہ ہو نعت کہیں گے مشغول (فعل مشغول کے وزن پر) اس حیات والے (انسان یا حیوان) سے مراد ہے جس میں ایسا خاص وصف ہو جو اسے اپنے ہم جنسوں سے امتیاز کر دے۔ بحوالہ ابن اعرابی وہ انسان جو نہایت خود روا اور حسن و جمال سے متصف ہو، اس پر لفظ نعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ نعت سے مراد نہایت عمدہ ہے اور معزز اور سبقت لے جانے والے کو کہتے ہیں۔ جب کوئی غلام یا کنیز مقام علو پر فائز ہو تو اس کو نعت کہتے ہیں۔ بہترین خوبیوں اور اوصاف جمیلہ پر مناعت جمیلہ کی ترکیب کا اطلاق ہوتا ہے (۴۸)۔

المجید (۴۹) میں فعل نعت (بر وزن فعل) کے معنی تعریف کرنا، بیان کرنا ہے۔ نعت (وزن فعل) سے مراد اچھی صفات دکھانا ہے۔ نعت (وزن فعل) پیدائش ہی سے اچھی صفات والا ہے۔ نعت یعنی خوبصورت چہرے والا ہونا، اچھے اخلاق والا ہونا۔ نعت مصدر ہے (جمع نعت) تعریف کرنے والے کو ناعت (جمع ناعت) کہتے ہیں اور جس کی تعریف کی جا رہی ہے اس کو صاحب نعت (۵۰) یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ نعت گھوڑے کے وصف میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ لفظ نعت اور لفظ وصف میں باعتبار معنی فرق بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی نعت صرف اور صرف خوبیوں اور اچھی صفات کے بیان میں ہی مستعمل ہے لیکن وصف کا استعمال دونوں اچھے اور برے صفات کے بیان میں استعمال کر سکتے ہیں (۵۱)۔ جیسے المجید میں صفت کی تشریح میں لکھا ہے کہ وہ صفت جس سے موصوف (جس کی وصف ہو رہی ہے) جانا جائے (۵۲) بحوالہ ابن اثیر ۵۵۴ھ/ ۶۰۶ء لکھتا ہے نعت وصف اشئی بہا فیہ من حسن ولا یتقال فی القبح الا ان یتکلف متکلف نعت سوء والوصف فی الحسن والقبح یعنی نعت کسی چیز کی تعریف بہ معنی اس کی اچھائیاں، مزمو مہ کے لیے نہیں کہا جاتا۔ جائیکہ کسی نے خلاف عادت کرتا ہو پس وہ کہے گا نعت سوء لیکن وصف جمیلہ اور مزمو مہ دونوں کے لیے ہے)

(۲) زبان فارسی

فارسی لغات میں (۵۴) (۱) فرہنگ آموزگار میں نعت کے معنی ستائش، وصف اور صفت کے ہیں

(۲) غیاث اللغات نے لکھا ہے ”تعریف و توصیف کردن..... اگرچہ لفظ نعت بہ معنی مطلق وصف است لیکن اکثر استعمال اس لفظ بہ معنی مطلق ستائش و ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ است“، یعنی اگرچہ لفظ نعت کے معنی مطلقاً تعریف کرنا ہے لیکن اس لفظ کا اکثر استعمال صرف تعریف و توصیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آتا ہے۔ (۳) منتخب اللغات میں صفت اور وصف کردن (تعریف کرنا) ہے (۴) ابوالحسن محمد الدین کسان (متوفی ۳۴۱ھ ۹۵۲ء) نے بھی نعت کو مطلق وصف کے معنی میں لیا ہے (۱) (۵) فارسی انگریزی نعت میں نعت کے معنی توصیف، لقب جو کسی صفت انگریزی لغت میں نعت کے معنی توصیف، لقب جو کسی صفت کو ظاہر کرے (Epithet) اور تعریف کے آئے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تعریف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے (جو کسی کتاب کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد ہوتی ہے) (۵۵) (۶) فرہنگ یکجہدی میں بھی ستائش اور صفت کے معنی دیے گئے ہیں (۵۶)۔

(۳) زبانِ اردو

زبانِ اردو بہ نسبت عربی اور فارسی کے نئی زبان ہے اس لیے نعت کے لفظی معنی مطلق وصف و تعریف بتلاتے ہیں لیکن اس کے اصطلاحی معنی ہی کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ ہندوستانی حالات میں اردو عربی اور فارسی کی ہی پیداوار ہے۔ انہیں زبانوں کی پیروی میں مطلق معنی درج کرتے ہیں دوسری طرف اردو میں چونکہ یہ لفظ صرف اصطلاحی مفہوم ہی میں استعمال ہونے لگا، واضحاً اس کو بیان بھی کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید (۵۷) کی رائے میں عربی سے فارسی اور پھر فارسی سے اردو شعروادب کے آغاز تک یہ لفظ وصف مطلق کی عمومیت سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و مدح کے لیے مخصوص ہو چکا تھا اور لفظ محض کے بجائے ایک مخصوص ادبی و شعری اصطلاح کے طور پر پروان چاچکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی بعض جدید لغات میں اس کے اصطلاحی معنی ہی درج ہیں اور اس کا تقسیمی پہلو (وصف مطلق) غائب ہے۔

ب۔ نعت: اصطلاحی معنی و مفہوم

ہم نے اوپر نعت کے لفظی معنوں اور مفہوم پر روشنی ڈالی ہے۔ اب اس لفظ کے اصطلاحی معنی پر غور کریں گے۔ اصطلاحی معنی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ لفظ جدید دور میں بالخصوص بزبانِ اردو، صرف اسی معنی اور مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ان نادر الفاظ میں سے ایک ہے جو ایک ہی مقصد کے لیے وقف ہو چکا ہے۔ مراد یہ کہ جب اصطلاح نعت کہا جاتا ہے یا پڑھا جاتا تو وہ ایک ہی معنی و مفہوم کا حامل ہوتا ہے، تعریف و توصیف حضور اکرمؐ۔ اسی لیے صرف نعت کہنے کے بجائے ”نعت شریف“ کہنے کو احسن

سمجھا جاتا ہے۔

ہم نے اوپر نعت کے لفظی معنوں پر تبصرہ کیا ہے۔ اس لفظ کے اصطلاحی معنی صرف حضور اکرمؐ کی تعریف و مدح میں ہی آئے ہیں۔ عربی اور فارسی دونوں میں یہی مفہوم ملتا ہے۔ اردو زبان میں تو لفظی مفہوم کے لیے بھی اسی معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ابن اثیر نے یوں لکھا ہے نعت فی بمعنی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ناعیہ لم اری قبلہ ولا بعدہ مثله۔ یعنی نعت حضورؐ کی صفت ہے جیسا کہ نعت کہنے والے نے کہا ہے نہیں دیکھا میں نے آپ کی مثل آپ سے پہلے نہ آپ کے بعد۔ احادیث نبویؐ میں بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے (۵۸)۔

یہاں ہم کہے بنا نہیں رہ سکتے کہ جہاں نعت کے لفظی معنی تعریف و مدح، ہر عمدہ اور بہتر چیز جس کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا جائے، وہ جو بہت خوبصورت ہو، جس میں کوئی خاص خصوصیات ہوں اور ایسی خاص صفات کا حامل ہو، جو ہم جنسوں پر فضیلت بخشے، جو نہایت خوب اور حسن و جمال سے متصف ہو، نہایت عمدہ، معزز اور سب پر سبقت لے جانے والا اور اوصاف محمود والا ہو آئے ہیں۔ یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ یہ سارے صفات اور اوصاف صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یکجا پائے جاتے ہیں۔ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوں پر بھی غور کریں تو اسم محمد بھی انہی معنوں اور مفہوم کا حامل ہے (۵۹)۔ آپ ہی سوچئے کہ اگر لفظ نعت آپ کی ہی شخصیت، جو وجہ تخلیق کائنات ہے، انسان کامل ہے، صفات الہی کی تجلی کامل اور مظہر کامل ہے، اور آئینہ خدا ہے، کے لیے مخصوص ”ہو گیا“ ہے تو یہی حق ہے۔ ہم نے فعل ”ہو گیا ہے“ استعمال کیا ہے نہ کہ ”کر دیا ہے“ وہ اس لئے کہ یہ لفظ کا سرکارِ دو عالمؐ کے لیے مختص ہونا، منشاء الہی تھا۔ لفظ نعت چاہے اپنی اصطلاح مفہوم میں ہو یا لغوی معنی میں، کسی اور کے لیے مستعمل نہیں ہو سکتا۔

ج۔ نعت: عربی فارسی اور اردو

ہم نے لفظ نعت کی تحقیق کے دوران یہ محسوس کیا ہے کہ زبان عربی میں نعت کے لفظی معنی اور اصطلاحی مفہوم ہر دو معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن لفظی معنی میں زیادہ مروج ہے۔ شاید یہ اس لئے کہ حضورؐ کی تعریف کے لیے مدح یا مدائح زیادہ مستعمل تھا۔ احادیث نبویؐ میں بھی نعت نہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چال اور قرأت کی تعریف و مدح کے لیے آیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے صفات کے لیے بھی۔ سنن دارمی میں بھی نعت سرکارِ دو عالمؐ کے ہی صفات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید فرماتے ہیں کہ ”مطالعہ حدیث ہی کی روشنی میں بعض شارحین اور مفسرین حدیث نے اپنی تحریروں میں نعت کو مطلق وصف کی عمومیت سے نکال کر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

توصیف و تعریف سے وابستہ کیا اور اسے ایک تخصیصی مفہوم کا حامل ٹھہرایا“ (۶۰) اس کے باوجود نعت صحابہ کرام کے اوصاف، اسلام کے ارکان کی تعریف میں بھی آیا ہے (۶۱)۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بیشتر عربی لغات سے نعت کے اصطلاحی معنی آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے حالانکہ اس اصطلاح میں مفہوم کی وسعت بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی زیادہ ہے کہ اس کے دوسرے ہم معنی الفاظ کے مقابل نعت ہی موزوں تر، بلیغ تر اور فصیح تر ہے۔

فارسی میں بھی یہ لفظ خدا کی توصیف اور حضرت علیؑ کی تعریف میں بھی استعمال ہوا ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کو بھی نعت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی نعت لغوی معنی اور اصطلاح معنی دونوں میں استعمال کا رواج باقی ہے۔ اس کے برعکس اردو وہ واحد زبان ہے جس میں نعت کو بالتخصیص مدح رسولؐ کے لیے ہی موزوں قرار دیا گیا۔

ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ عربی اور فارسی میں لغوی معنی میں بھی اس لیے استعمال کیا گیا ہوگا کہ نعت کے سوائے معنوی اعتبار سے موزونیت اور وسعت مفہوم کو دیکھتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہیں جو مصنف یا ناعت کے تصورات صحیح کی تعبیر کر سکے۔ مثلاً جو اقوال رویم بن محمد، ابو الحسن اور جنید بغدادی سے منسوب کشف المحجوب (۶۲) میں درج ہیں (۶۳) ان میں نعت کے معنی صرف خوبی یا تعریف نہیں اس اصطلاح میں خاص صفات کا تصور ہے جو عام انسان سے متصف نہیں۔ ان صفات کے پیچھے ایک ایسا تصور ہے جس کا حامل جز لفظ نعت کوئی موزوں اصطلاح نہیں ملتی۔ انہیں معنوں میں عین القضاۃ ہمدانی (۶۴) نے بھی ترکیبات نعت اولیاء، نعت کمال، نعت قدم اور نعت وکنیت کا اپنی فارسی تصنیف تمہیدات میں استعمال کیا ہے۔

د نعت: تعریف

نعت کی تعریف اکثر علماء اور محققین نے کی ہے۔ سید حسن ثنی ندوی (۶۵) لکھتے ہیں۔
حمد و نعت تقرب کا وسیلہ بھی ہے اور خود اپنی اور دوسروں کی فکری و عملی اور جذباتی و نفسیاتی اصلاح و تربیت کا ذریعہ بھی ہے..... اور اس مصدر و منبع اور اس سرچشمے (یعنی اللہ تعالیٰ) تک پہنچا دینے والے ہادی اور رہنما اور معلم و مربی کی مدح و ثناء میں زبان کھلی تو وہ ”نعت“ کہلائی۔
ڈاکٹر یونس حسنی (۶۶) فرماتے ہیں۔

ایسی تمام نظمیں جن میں رسول خدا سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جائے یا اس کے محاسن بیان کیے جائیں نعت کی تعریف میں آتی ہیں۔

ممتاز حسن (۶۷) جن کی تعریف کو جامع مانا جاتا ہے وہ یہ ہے۔

..... ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے قریب لائے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا جائے۔ صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصد نبوت سے دل بستگی پائی جائے جس میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضور کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔ وہ مدح یا خطاب بالواسطہ یا بلاواسطہ اور وہ شعر نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی رباعی ہو یا مثلث، مخمس ہو یا مسدس، اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دار و مدار اس کے نفس مضمون پر ہے اگر اس کا مقصد ذات رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاں کی بعثت کی جو اہمیت نوع انسانی اور جملہ موجودات کے لیے ہے اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ہم ممتاز حسن صاحب کے ہر جملہ سے اتفاق کریں۔ وہ نعت جو ”مقصد ذات رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرتا ہے“ اور ”بعثت کی اہمیت نوع انسانی“ کے لیے نمایاں کرتا ہے نعت شریف کی ایک قسم ہے اور وہ نعت جو ”محض پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ“ بیان کرتا ہے وہ دوسری قسم نعت۔ دونوں نعت ہی کہلائی جائیں گی۔ ایک عشق نبوت کو واضح کرتا ہے تو دوسرا عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کرتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کون و مکاں ایک طرف اور حب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف

ھ نعت: اقام

نعت کی تین قسمیں ہیں: (۱) نثری نعت (۲) خطابی نعت (۳) شعری نعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و مدح جس پر ہم لفظ نعت کا اطلاق کرتے ہیں ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی صنف میں ہو اگر مدح صنف نثر میں کی جائے گی تو اس کو نثری نعت کہیں گے۔ اس قسم میں پہلی نعت قرآن مجید ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خود ناعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وہ تعریف و توصیف جو صنف خطاب، تقاریر یا وعظ کے ذریعہ کی جاتی ہے خطابی نعت تصور کی جائے گی۔

وہ مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو صنف شعر یعنی منظوم توصیف کے واسطہ سے ہو اس کو شعری نعت کہیں گے۔ ہمارا مقصد اس مضمون میں اسی صنف فن نعت سے ہے۔ اور اس سخن کی اہمیت عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں۔ عربی زبان کے پہلے نعت گو شاعر کی نشاندہی کرنا مشکل ہے۔ کوئی کہتا ہے حضرت

علیؑ کوئی کہتا ہے حضرت حسان بن ثابتؓ وغیرہ وغیرہ۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا خیال ہے کہ سب سے پہلی نعت حضرت میمون بن قیس نے لکھی تھی (۶۸)۔ اسلامی عربی شعراء کے کئی نام ملتے ہیں جو ظہور اسلام کے عہد سے تعلق رکھتے تھے۔ فارسی زبان کے پہلے شاعر کی حیثیت سے فخر الدین اسعد گرگانی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ جس نے نعتیہ مثنوی ۴۶۴ھ / ۱۰۵۴ء میں لکھی تھی (۶۹)۔ اردو کے پہلے نعت گو شاعر کے مسئلہ پر بھی اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ ملا داؤد جو شمالی ہند کے رائے بریلی کے رہنے والے تھے ان کی مثنوی چند رائے میں شامل نعت جس کو انہوں نے ۷۸۱ھ / ۱۳۷۹ء میں لکھی تھی پہلی نعت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ نہ صرف اردو کے پہلے شاعر تھے بلکہ پہلے نعت گو بھی (۷۰)۔

و نعت: اصناف

جیسا کہ اوپر بیان آچکا ہے کہ فن شعر کے وہ سارے اصناف فن نعت میں کامیابی کے ساتھ آزمائے گئے ہیں۔ فن نعت کسی ایک صنف سے ہی جڑا ہوا نہیں ہے کیونکہ سردار دو عالم کی تعریف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے پہلوؤں کا ذکر و توصیف کسی ایک قسم نظم یا شعر تک محدود کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے نعت کے مضامین کو ناعوتوں نے تقریباً ہر صنف شعر میں بیان کی ہیں۔ نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نعت کہنے والوں نے نہ صرف غزل، قصیدہ، مثنوی بلکہ رباعی، قطعہ، مستزاد، ترکیب بند، ترجیع بند، مسمد، مخمس، مربع، مثلث، فریاد، ہجو، گیت، راگ، دوہے بلکہ بعض انگریزی ہنیتوں میں بھی نعت کہی ہیں۔

ز نعت گو: اقسام

ہر وہ شخص نعت گو ہے جس نے سرور کائنات کی مدح کہی ہو چاہے وہ نثر نگار ہو یا خطیب و واعظ ہو یا شاعر۔ جو نعت گو شعراء کی تقسیم کا ذکر ہم کرنے جا رہے ہیں وہ اقسام کا ہر زبان کے ناعوتوں پر اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ خواجہ احمد فاروقی نے (۷۱) اردو زبان کے ناعوتوں کی تقسیم تین گروہوں میں کی ہے۔

(۱) وہ شعراء جنہوں نے چند ہی نعت کہے ہیں یعنی ایک دو قصیدہ یا غزل یا کچھ ابتدائی اشعار نعت۔ فاروقی صاحب کا اشارہ ان حضرات کی طرف ہے جو بنیادی طور پر دوسرے صنف شعر کی طرف مائل تھے لیکن کبھی کبھی نعت بھی کہہ دیتے۔ مثلاً میر تقی میر، مرزا غالب، ذوق وغیرہ۔

(۲) اس گروہ میں وہ شعراء شامل ہیں جنہوں نے نعتیں بھی کہی اور دوسرے صنف شعر میں اشعار بھی لیکن ان کی شہرت زیادہ تر ان نعتوں کی وجہ ہوئی اور ان کے مجموعہ کلام میں لوگوں کو ان کی نعتیں یاد رہ گئیں نہ کہ ان کا دوسرا کلام۔ مثلاً الطاف حسین حالی، عامہ محمد اقبال، مولانا ظفر علی خان وغیرہ۔

(۳) تیسری جماعت کو سب سے زیادہ اہم اور قابل الذکر شعراء سے توصیف کرتے ہیں۔ خواجہ احمد فاروقی نے اس گروہ میں ان نعت گو کو شامل کیا ہے جنہوں نے ابتداء میں تو دیگر اصناف شعر میں طبع آزمائی کی لیکن جب نعت گوئی کو اختیار کیا تو دوبارہ کسی صنف کو چھوڑا تک نہیں۔ ان شعراء میں صرف دو شاعر کی مثال دی ہے۔ کرامت علی شہید اور محسن کا کوردی۔

(۴) ان تین گروہوں کے علاوہ ایک اور جماعت ہے جن کو ہم چوتھی قسم بتلانے پر مائل ہیں یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے کبھی شعر و شاعری کی طرف رغبت نہیں کی بجز نعت نبی۔ ان حضرات میں وہ صحابہ کرام جو صرف نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شعر کہے ہوں گے اور وہ صوفیا کرام جنہوں نے صرف عشق رسول میں بھی شعر کہے ہیں شامل کیے جائیں گے۔ بعض صوفیا کرام نے عربی اور فارسی دونوں میں حمد و نعت کہا ہے۔ ایسے اردو شعراء بھی ہوں گے جنہوں نے صرف نعت لکھی ہوں، کسی دوسرے اصناف سخن و شعر میں طبع آزمائی نہ کی ہو۔

ح نعت: موضوع

ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ نعت گوئی موضوعاتی شاعری ہے۔ فن نعت کا یہ ایک اہم ترین حصہ ہے جس کو ہم روح فن نعت کہہ سکتے ہیں۔ اس فن میں اسی لیے شاعر کے خیالات و تصورات و جذبات کی یکسوئی ملتی ہے اور ساتھ ساتھ اس کی صلاحیتوں کا اور کمال فن کے اظہار کو موزوں فضا بھی۔

عربی زبان (۷۲) میں فعل وضع کے معنی ہے رکھنا۔ اس کا اسم المکان موضوع، موضوع ہے یعنی رکھنے کی جگہ، اور اسم مفعول موضوع یعنی جو چیز رکھی گئی، جیسے موضوع العلم یعنی وہ چیز جس کے عوارض ذاتیہ سے علم میں بحث کی جائے مثلاً جسم انسانی علم طب کے لیے موضوع ہے اور موضوع الکلام یعنی وہ عنوان کلام جس پر گفتگو ہو رہی ہو۔

موضوعاتی شاعری کس کو کہتے ہیں؟ موضوعاتی شاعری اس صنف شعر کو کہتے ہیں جو ایک ہی موضوع یا عنوان کو اپنا مرکز یا مقصد بنائے۔ ظاہری اعتبار سے یہ تعریف کسی بھی سخن ور کو محدود نظر آتی ہے لیکن نعت کا جو موضوع ہے وہ کسی بھی اعتبار سے محدود نہیں۔ اس موضوع پر تو زمان و مکان کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہی موضوع وجہ تخلیق کل کائنات ہے جس کے نور نے ہی تمام موضوعات کو ن و مکان کو روشن کیا ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید (۷۳) نے بڑے اچھے انداز سے فرمایا ہے۔

بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہی کا نام ہے لیکن عربی، فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہاں موضوعِ نعت سے مراد وہ عنوان ہے جو نعت کا مغز ہے یا جس کی نعت کے ذریعہ تعلیم دی جا رہی ہو۔ یہ موضوع صرف فنِ نعت کو ہی روشنی نہیں بخشتا بلکہ نعت کے کہنے والے کے قلب و دل کو بھی اپنے نور سے روشن کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر عثمانی (۷۴) کے الفاظ میں:

اردو شاعری میں نعت کا موضوع اپنے اندر بڑی دلکشی اور دلبری رکھتا ہے..... یہ موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم و وسیع موضوع ہے، جس طرح کائنات میں سب سے عظیم تصور خدا کا تصور ہے۔ اسی طرح ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ کے مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کا موضوع بھی ہے۔ اس حدیثِ دلبری میں عشق و محبت کی ایسی وارفتگی اور الوہانہ پن کا اظہار ملتا ہے جس کی نظیر کسی دوسری صنفِ شاعری میں نہیں پائی جاتی۔ ”حدیثِ دلبر“ ہر حال میں خوشتر اور پُرسحر ہوتی ہے۔ اس سے لذتِ مسرت اور بصیرت سب ہی کچھ حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ نعت کا موضوع ایک ایسی ذات گرامی سے وابستہ ہے جس کی عظمت لا محدود اور جس کی وسعت بے پایاں ہے۔

نعت کا موضوع بالعموم اللہ تعالیٰ دینِ اسلام، قرآن مجید، صحابہ کرام، اولیا و صوفیہ، شریعت، طریقت و حقیقت تاریخِ اسلام وغیرہ یعنی ہر وہ چیز جو اسلام سے تعلق رکھتی ہے لیکن ایک اہم شرط یہ ہے کہ ان کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باندازِ توصیفی و تعریفی ان اشعار میں نمایاں ہو۔ اس سے مراد یہ کہ نعت صرف اس کلام کو کہیں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و مدح میں ہو اور جس میں مندرجہ بالا مضامین بھی ہو سکتے ہیں اگر ان کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہو۔ ورنہ خالص اللہ تعالیٰ کی توصیف کو حمد، خالص اصحاب کرام و اولیاء اللہ و صوفیہ کی تعریف کو منقبت اور دوسرے مضامین کے ذکر مذہبی شاعری کہا جائے گا۔ جس طرح کلمہ طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ پاک کے بنا مکمل نہیں ہوتا اسی طرح نعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ توصیفی کے بنا نعت نہیں ہوتا۔ مختصراً نعت کا موضوع صرف اور صرف سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آپ کے حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو ظاہری یا باطنی کو کہتے ہیں جس کا اندازہ نیچے مضامین کے تذکرہ میں ظاہر ہوگا۔

ط۔ نعت: مضامین

نعت ایک موضوعاتی شاعری ہے۔ ایک موضوع کے تحت کئی مضامین آسکتے ہیں۔ مگر ایک حد پر مضامین کی انتہا ہو جاتی ہے۔ لیکن موضوعِ نعت کے تحت لا محدود مضامین آتے ہیں۔ ہر دور میں ان مضامین

کی وسعت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ یہ مضامین ختم ہی کیسے ہوں گے؟ جب کہ حضور کی تعریف و توصیف کیلئے نہ تو ازل ہے نہ ابد۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا لامتناہی سلسلہ تجلیات ہے اسی طرح نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ مدح۔

اس موضوع کے تحت جن جن مضامین پر نعت کہی جاتی ہے ان کا احاطہ کرنا ہمارے لئے دشوار ہے۔ ان کی تعداد ایک سمندر ہے جس کی وسعت و گہرائی کی کوئی حد نہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید (۷۵) نے بڑی تفصیل سے ان کا جائزہ لیا ہے۔ یہاں ہم چند اہم نکات کا تذکرہ کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں عربی ادب کے شعراء نے اپنے نعتوں میں جن مضامین کو پیش کیا ہے ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت و شجاعت، صداقت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی حسن کی تعریف، خلقِ حسنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز خاندان کا ذکر، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف، تمام انبیاء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت وغیرہ ہیں۔ اسلام کی تحریک و عقائد اور تبلیغ دین اسلام میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش اور طریقہ کار کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور ملک پر ملک دین اسلام کے حدود میں شامل ہوتے گئے، نئے نئے تہذیبی، سماجی اور معاشرتی ماحول کا سامنا ہوا۔ ان پر اسلام اثر انداز بھی ہوا اور کچھ اثرات اسلام نے قبول بھی کیے۔ نتیجتاً کئی ادبا مفکرین، محققین، شعراء وغیرہ اسلام کے زمرہ میں آئے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے ماحول کی وجہ سے بھی مضامینِ نعت کی وسعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ انگنت مضامینِ نعت کو نظر میں رکھتے ہوئے ان مضامین کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنا مناسب ہوگا (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور (۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتِ پاک کے تحت جن مضامین کا نعتیہ کلام میں ذکر ملتا ہے ان میں دوسرے انبیاء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور برتری، خاندانی شرف، امتیازی، بزرگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجہ تخلیق کائنات ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمد کی بشارتیں، عکس جمالِ الہی ہونا، مظہرِ ذات و صفات ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانِ کامل ہونا، نورِ الہی ہونا، خلقِ عظیمِ کامل ہونا، حاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر کیا جاتا ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاتِ طیبہ کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ولادت، پرورش اور بعثت، مکہ مکرمہ میں آپ پر تکلیفیں، مکہ سے مدینہ شریف کو کوچ کرنا (ہجرت)، مدینہ منورہ میں آپ کی

آمد کے بعد کے حالات، غزوات (جنگیں)، آپ کے معجزات، معراج کا ذکر یعنی مکمل سیرت النبی کے واقعات خصوصیات اور اہمیت کا تذکرہ نعتوں میں ملتا ہے۔

(۳) آپ کی صفات کے تحت ”آپ کی امانت، صداقت، دیانت، عدالت، شجاعت، نجات، سخاوت، شرافت، اخوت، محبت، بخشش، عنایت، جود و سخا، فضل و عطا، علم و حلم جیسے اعلیٰ اوصاف اور اخلاق حمیدہ“ کا تذکرہ ملتا ہے۔

(۴) آپ کی تعلیمات کے ضمن میں آپ کی تبلیغ دین اسلام سے نسبت جدوجہد آپ کے ہدایات و فرمودات آپ کے پسند و ناصائح، خطابات آپ کے احادیث کی طرف اشارات آپ کے سنت کی پیروی کی اہمیت وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۵) آپ کے احسانات کا ذکر بہت زیادہ ملتا ہے۔ ان میں شامل ہیں قرآن مجید میں آپ کا ذکر اور توصیف، اسلام، آپ بحیثیت صاحب شریعت، بنی نوع انسان پر آپ کی رحمت، کرم و شفقت، آپ سے شفاعت کی امید اور اس پر یقین، خدا تک پہنچنے کا وسیلہ وغیرہ۔

نعتوں کے ذریعہ آپ کے عادات اور سنت کے تمام باریکیوں کو نظر انداز کئے بنا ان کا ذکر اور اہمیت کو واضح کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کے حلیہ مبارک کی نورانیت کے ساتھ ساتھ آپ کے قدم مبارک، پنچے مبارک، ایڑیوں اور ناخنوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

آپ سے والہانہ محبت کے سبب نعت گو شعراء نے آپ کے نعلین، لعاب، پسینہ اور نقش پا کو بھی نعت کا موضوع بنایا اور آپ کی ذات گرامی سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے اپنا دلی تعلق ظاہر کیا اسی سبب نعت میں مدینہ کی گلیوں مکان کو چہ و بازار خاک راہ سنگ در اقدس سے عقیدت و محبت کا اظہار، روضہ اقدس سبز جالیاں، گنبد خضراء، روضہ رسول اور مسجد نبوی کا ذکر کثرت سے ملتا ہے (۷۶)۔

جو زیارت مدینہ منورہ کے لیے بے قرار ہیں لیکن ایسے اسباب نہیں کہ ان کی بے قراری کو قرار آجائے اپنی اس تمنا کو پورے جذبات کے ساتھ نعت میں اظہار کرتے ہیں، یہاں تک کہ..... ہوا کہ ذریعہ آپ تک سلام و فریاد رسانی، مسجد نبوی میں حاضری اور روضہ رسول پر سلام و درود پڑھنے کی خواہش کا بھی اظہار بھی نعت کے اہم..... (۷۷) مضامین میں شامل ہیں۔ اگر عبد الرحمن جامی نے کہا

نسیما جانب بطہ گز رکن ز احوال محمد را خبر کن

(یعنی اے صبح کی ہوا مدینہ کی جانب جا اور محمدؐ سے میرے حالات کی خبر سنا) تو حضرت نظام

الدین اولیائے کہا:

صبا بسوے مدینہ روکن ازیں دعا گو سلام برخواں

(یعنی اے مشرقی ہوا مدینہ منورہ کی جانب نظر کر اور اس دعا کی طرف سے سلام پڑھ)

یہ ہے نعت گو حضرات کا عقیدہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عشق کی وارفتگی کہ ایک نسیم سحر سے کہہ رہا ہے کہ مدینہ شریف جا کر حالات کا ذکر کریں تو دوسرا صبا سے صرف اپنا رخ مدینہ منورہ کی جانب کر کے سلام عرض کرنے کی التجا۔ سبحان اللہ کیا جذبہ ہے!

ی۔ نعت: عشق نبوی ﷺ

ناعت علامہ اقبال کا ارشاد ہے۔

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نہ رسیدی تمام بلہی است
(یعنی خود کو محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا کیونکہ دین مکمل وہی ہے۔ اگر تو آپ ﷺ تک نہ پہنچا تو تمام کفر ہے)

یہ راستہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک لے جاتا ہے وہ بجز عشق و محبت کے کوئی اور نہیں اور نعت کہنا اسی عشق و محبت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے ہم نے عشق نبی کو ایک عنوان بنایا ہے۔ یہ ایک مضمون نعت نہیں بلکہ خود ایک موضوع ہے۔

عشق رسول نعت کی بنیاد ہے۔ دوسرے معنوں میں اگر کسی شاعر کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہی نہ ہو نعت کہنا تو دور کی بات ہے وہ نعت کہنے کے قابل ہی نہیں۔ نعت تو بعید ایسے شاعر کے مومن ہونے پر بھی سوالیہ نشان پڑ جائے گا (۷۸) اسی لئے فنِ نعت میں کامیابی حاصل کرنا ہو تو شاعر کو چاہئے کہ خود کو عشق نبی کی کسوٹی پر پرکھ لے۔ ڈاکٹر ریاض مجید (۷۹) نے بہت خوبی کے ساتھ کہا ہے۔

کامیاب نعت گوئی کے لیے جس سوز و گداز، تڑپ اور نثریت و جاذبیت کی ضرورت ہے اس کا منبع عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے بقول ضمیر جعفری جو چیز ایک نعت کو دوسری سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے شاعر کے دل کا سوز و گداز (اور) عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشاری کا مرتبہ۔ ذوق و شوق کی کیفیتوں میں ڈوب کر گزرنے کے بعد نعت کی لئے میں جب عشق اور الفاظ کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو شعروں میں سوز و گداز کی ہزار کیفیاتیں چھلک اٹھتی ہیں۔

انسان اور فرشتوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ”جذبہ“ سے نوازا ہے اور یہ جذبہ عشق و محبت ہی ہے جس کے بغیر انسان بھی فرشتے کی مانند ایک مصنوعی تخلیق (Robot) ہو جائے گا۔ اس تخلیق کی ذمہ داریاں فرشتے خوب نبھا رہے ہیں۔ خدا کو خود کے لیے محبت کرنے والا چاہئے، اس

لیے انسان کی تخلیق کی گئی اور خدا سے عشق کرنا ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت لازم ہے۔ اسی لیے اگر نعت میں اظہار عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ ہو اور شاعر اپنے اس خدا داد جذبہ سے نا آشنائی برتے تو وہ نعت بھی خشک، رکھی، بے اثر اور بے کیف فرشتے کی طرح ہو جائے گی۔

جو نعت شریف خالص عشقیہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے اس کا انداز غزل کا ہوتا ہے۔ اس نوع کی فارسی اور اردو میں بے شمار نعتیں مطالعہ میں آتی ہیں کیونکہ غزل نمائندگی میں تصورات ہجر و وصال، جمال و حسن، جذباتیات، شیفگی، وارفتگی و آشفگی جیسے مضامین خود بخود شامل ہو جاتے ہیں، چند محققین کا اعتراض ہے کہ یہ مبالغہ، غلو اور تصنع ہے (۸۰) اصطلاحات غلو مبالغہ اور تصنع کے لفظی معنی دیکھا جائے (۸۱) تو پتہ یہ چلتا ہے کہ (۱) غلو عربی زبان کا فعل غلا کا مصدر ہے غلا کا معنی ہے زیادہ ہونا، بلند ہونا، حد سے گزرنا (۲) مبالغہ فعل بالغ کا مصدر ہے۔ بالغ کا معنی ہے کسی چیز کے کرنے میں کوشش و مشقت میں کوئی کوتاہی نہ کرنا، ضرورت سے زیادہ کرنا، جتنا ہو سکتا ہے کرنا (۳) تصنع فعل تصنع کا مصدر ہے بناوٹ کرنا، بناوٹی مزین کرنا، ادب میں اور خطابت میں غیر حقیقت بیان کرنا۔ الغرض تینوں اصطلاحات کو فن ادب کے جانچنے میں استعمال کرتے ہیں اور بالعموم ان کو اس ضمن میں کذب اور غیر حقیقت کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسی غیر واقعہ چیزیں بیان کرنا جو موصوف میں پائی نہیں جاتیں۔

ہم یہاں بالعموم نہیں بلکہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تک ہی ہماری بحث کو محدود کرتے ہیں۔ انسان کی استطاعت و استعداد محدود ہوتی ہے، جس حد تک وہ کچھ کہہ سکتا ہے یا لکھ سکتا ہے، کرے گا یا لکھے گا۔ اگر شخصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حد انسانی سے ورا ہو تو کسی انسان کی باتوں میں کذب یا جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر ہم غور کریں کہ جس شخصیت سے محبت کا اظہار ہو رہا ہے وہ ساری کائنات کو احاطہ کئے ہوئے ہے، جس کا حسن و جمال ابدی ہے، جو خدائے تعالیٰ کا نور ہے۔ ایسی صورت میں غلو، مبالغہ و تصنع کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ جب آپ کی صحیح تعریف و توصیف خدا ہی کر سکتا ہے کیوں کہ وہی آپ کے مقام اور صفات کو جانتا ہے، تو ایک نعت گو شاعر جو ایک انسان ہے کہاں غلو کرے گا؟ کیسے مبالغہ کرے گا؟ آپ کی ذات پاک تو ان انسانی محاورات و اصطلاحات سے آزاد ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے لیے ان الفاظ کا استعمال بھی بے ادبی اور بے حرمتی کا مترادف ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ (۸۲) کے حسب ذیل نعتیہ اشعار پر غور فرمائے جس کو سبھی سند کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ۔

وشق له من اسمہ لیجلہ فذوالعرش محمود و هذا محمد
(یعنی آپ کی شان واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا۔

پس عرش والا محمود ہے تو آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر پر اصطلاحات غلو یا مبالغہ کا اطلاق نہیں کیا جاتا حالانکہ اس شعر میں محمود (اللہ کے لیے آیا ہے) باب حمد کا اسم مفعول اور محمد باب حمد کا اسم مفعول۔ محمود کے معنی تعریف کیا ہوا ہے اور محمد کے معنی وہ جو تعریف کے قابل۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ (۱) الحمد للہ، محمد کو اللہ تعالیٰ سے جتنا قریب تر ہو سکتا تھا وہ مقام کا اقرار کیا گیا۔ یہ سربسر کہنے کے مترادف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک باریک لکیر رہ جاتی ہے (۲) اس شعر سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہو چکی ہے۔ اب محمدؐ کی ہی مدح و ثناء ہوتی رہے گی (۳) محمود اور محمد قواعد عربی کے لحاظ سے دونوں مختلف ابواب فعل کے اسماء مفعول ہیں۔ یہ بات بھی دعوت فکر دیتی ہے کہ یہ شعر ان اشعار میں سے ایک ہے جن کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند فرمایا تھا (۸۳)۔

اس قسم کی عشقیہ نظم کسی دوسرے انسان کے لیے کہی جائے تو یقیناً غلو، مبالغہ اور تصنع کی تعریف میں آئے گا۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ایسے استعارات تشبیہات، کنایتوں اور محاورات جیسے لیلیٰ مجنوں یا جس کا میلان خالص دنیوی تصورات کی طرف ہو یا سوقیانہ انداز بیان ان سے احتراز کرنا ہی مناسب ہوگا۔ فارسی زبان کے اکثر نعتیہ قصائد میں ہم دیکھتے ہیں شعراء حمد میں بڑی احتیاط برتتے ہیں لیکن ان کے عشق نبی کا عالم یہ ہے کہ نعت نبی کے تحت اپنے دلوں کو نچھاور کر دیتے ہیں اور اپنے رنج و غم اور وابستہ امیدوں سے حضور سے خطاب کرتے ہیں۔ مثلاً افضل الدین بادل حا قانی (۵۹۶ھ/۱۱۹۹ء) عبدالحجید مجدد سنائی (۵۲۶ھ/۱۱۳۱ء) اور محمد الشیرازی عربی (۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء)۔ فارسی شعراء جب بھی نعت گوئی پر مائل ہوتے تو وہ اپنی ساری صلاحیتوں کو اس فن میں استعمال کرتے تھے (۸۴) ہندوستان میں اگر ہم علامہ اقبالؒ کے فارسی کلام کو پڑھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ان کا والہانہ عشق و محبت ہی ہے جو انہوں نے فرما دیا (۸۵) کہ خدا کا انکار کیا جاسکتا ہے لیکن محمدؐ کا انکار نہیں کر سکتے۔

می توانی منکر یزدان شدن منکر از شان نبی نتوان شدن

ک۔ نعت: ادب و احترام

اس حصہ کے ضمن میں تین پہلو آتے ہیں۔ ایک وہ جو نعت گوئی اور نعت گو سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا وہ جو نعت خوانی اور نعت خواں سے منسلک ہے اور تیسرا جو سامعین نعت رسولؐ سے نسبت رکھتا ہے۔ تینوں پہلو انفرادی گروہ کی حیثیت سے اپنے اندر اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک گروہ

دوسرے سے زیادہ اہم ہے اس لئے کہ ہر گروہ پر اس ضمن میں اتنی ہی ذمہ داری ہے جتنی کہ دوسرے پر۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نعت گو پر کچھ زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ بمقابلہ نعت خواں اور سامعین نعت۔ ان تین گروہوں کی بالعموم یوں بھی تقسیم کی جاسکتی ہے (۱) کہنے والے (۲) پڑھنے والے اور (۳) سننے والے۔

۱۔ نعت گوئی وگو

نعت گو کو نعت کہنے سے قبل چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ان میں (الف) حفظ مراتب (ب) طریقہ خطاب و انتخاب الفاظ (ج) پاکیزگی

(الف) حفظ مراتب: حفظ مراتب سے مراد یہ ہے کہ نعت کہتے وقت ان سارے مرتبوں اور مقامات (Hierarchy) کا خیال رکھیں جو شریعت سے ثابت ہیں۔ اس ضمن میں بہت کچھ کہا گیا ہے بالخصوص ان محقق حضرات و علماء جو اسلام کے ظاہری پہلوؤں کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ وہ غلطی پر ہیں۔ وہ حضرات اپنی جگہ درست ہیں لیکن قرآن مجید میں صرف ظاہری پہلو ہی نہیں بلکہ ایسے بے شمار مقامات بھی ہیں جہاں آیات کے باطنی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان اعتراضات کو بھی نعت گو شاعر کے لیے یہ ضروری ہے کہ ذہن نشین رکھیں تاکہ ایسی کوئی بات نہ کہہ بیٹھیں جو اسلامی تصور توحید کے مغائر ہو۔

ممتاز حسن (۸۶) کا قول ہے ”خدا اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے رسول کی بشریت پر قرآن نے اور خود رسول نے بار بار زودیا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم (۸۷) اور ماعرفناک حق معرفتک اس پر شاہد ہیں۔“

بشر مثلکم پر تو بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ یہاں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ کسی بھی چیز کی مثل اصل (محمد) جیسی نہیں ہو سکتی۔ اصل اور مثل میں نمایاں فرق ہے۔ ڈاکٹر مجید لکھتے ہیں ”خلاصہ گفتگویہ ہے کہ شاعر نعت گوئی کے منصب سے صحیح طور پر اس وقت ہی عہدہ براہو سکتا ہے جب وہ توحید و رسالت اور الوہیت و نبوت کے نازک رشتوں کو پوری طرح سمجھتا ہو اور اسے خدا اور رسول کے حفظ مراتب کا کامل شعور و احساس ہو“ (۸۸) انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شعراء حفظ مراتب کا خیال نہ رکھتے ہوں وہ ”انتہائی ضلالت“ پر اتر آنے کے مترادف ہے اور ان پر الزام لادینی اور شرک لگایا گیا ہے (۸۹) ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اعتراضات جذبہ ظاہری کو نمایاں کرتی ہیں اور شاعر کے احساسات جذبہ عشق نبی کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس طرح ظاہر پرستی درست نہیں ہے اسی طرح خالص باطن پرستی بھی صحیح

نہیں۔

بہر کیف یہ بات ضروری ہے کہ نعت گو کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو بھی احساسات اور جذبات شعر کے ذریعہ نمودار ہوں گے ان کو صرف ادبی سطح پر پڑھا جائے گا بلکہ وہ عوام تک بھی پہنچیں گی۔ عوام میں تعلیم یافتہ لوگ بھی ہیں لیکن ان میں کثرت سے لاعلم اور ناواقف حضرات ملیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طبقہ کے عوام اپنی لاعلمی کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں۔

(ب) طریقہ خطاب و انتخاب الفاظ

حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ادب و احترام کا مقام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی بھی بے ادبی اللہ کو ناگوار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہمارا ایمان کامل ہے۔ صحابہ کرام کا یہ مشہور قول ہے کہ جب بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے تو ایسا کہ جیسے پرندے ان کے سر پر بیٹھے ہوئے ہوں یعنی اپنے سر کو جھکائے ہوئے۔ قرآن مجید ہم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو اور خطاب میں ادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (۹۰) بے ادب سزا کا مستحق جب ہوگا۔

اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کے اظہار یا بیان میں خوش اسلوبی اور شائستگی کے ساتھ ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال ہونا چاہئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کو واضح کرے۔ الفاظ کا انتخاب بھی اس ضمن میں اہمیت رکھتا ہے۔ ایسے ہی الفاظ کا انتخاب کریں جو سب سے بہترین معنی اور مفہوم سامنے لے آئے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور مرتبے کے شایان شان ہو۔ ذومعنی الفاظ سے احتراز کرنا بہتر ہے۔

اگر نعت گوئی میں حضور و کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب مقصود ہو تو یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کس احترام سے مخاطب کیا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے صفات جیسے یا ایہا الرسل یا ایہا النبی یا ایہا المدثر وغیرہ سے خطاب فرمایا نہ کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ دوسرے انبیاء کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا۔ لیکن ہم آج نعت گوئی میں ”یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا کرتے ہیں۔ ہمارا یہ جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ہم کو اس طرز خطاب کی طرف مائل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو معاف فرمائے۔ شاید اللہ تعالیٰ نے صرف عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی ہے جو اس خطاب کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔ بالخصوص ان مواقع پر جب نعت گو خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب تصور کرنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری عاشقانہ گفتگو کو معاف فرمائیں۔ آمین۔ راست نام سے خطاب میں بھی ادب

واحترام کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

نعت گوئی میں خطاب کے لیے ضماثر کا استعمال بھی قابلِ غور ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ضمیر واحد مذکر حاضر یا جمع مذکر حاضر کا ہی استعمال مروج ہے جیسے ”تو“ ”تم“ اور ”آپ“ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ضمیر حاضر ”تو“ ہی استعمال ہوتا ہے۔ (عربی میں ”انت“ فارسی میں ”تو“، ”توئی“ اور اردو میں ”تو“) عربی میں جمع مذکر حاضر کی ضمیر انتم واحد مذکر کی جگہ شاید ہی استعمال ہوا کرتا ہے۔ فارسی میں جمع مذکر حاضر ”شما“ ہے جو واحد حاضر ”تو“ کی بجائے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو ایک مہذب انداز ”تو“ ہے۔ اردو میں جمع مذکر حاضر ”تم“ اور مہذب انداز خطاب میں ”آپ“ کا استعمال ہوتا ہے۔ نعت گو شعراء زیادہ تر ”تو اور تم“ کو ہی راست خطاب کے لیے انتخاب کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ فارسی میں ”شما“ اور اردو میں ”آپ“ کا استعمال سرکارِ دو عالم کے وقار کی مناسبت سے بہتر ہوگا اور ”تو“ سے بہتر ”تم“، حالانکہ دونوں ہی ضماثر بے تکلفی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بجز اس کے کہ وزن یا ضرورت شعری اور دوسرے فنی تقاضوں کی وجہ ”تو“ یا ”تم“ کو شعراء نے ترجیح دی ہو۔ تاہم ناقدین فن کی توجہ اس طرف مبذول کرتے ہیں کہ اگر ”تو“ یا ”تم“ استعمال بھی ہوا ہے تو نعت کے دوسرے الفاظ پر غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نعتوں میں ان ضماثر کی جسارت کو دوسرے موزوں الفاظ گھٹا کر ادب کے دائرے میں لے آتے ہیں۔ الغرض حضور اکرمؐ کے لیے حتی الامکان ”آپ“ کا استعمال ہی مناسب اور موزوں ہے۔

دوسرے الفاظ اصطلاحات اور القاب کے استعمال میں بھی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مستعمل ہیں وہ صرف اور صرف آپ کے لیے ہی مخصوص ہو جاتے ہیں جس چیز یا لفظ کی نسبت آپؐ سے ہوئی تو کسی اور کے لیے پھر اس کا استعمال مناسب نہیں، چاہے وہ کسی بھی مقام و مرتبہ کا عالم، صوفی، ولی یا صحابی ہی کیوں نہ ہو۔ ہم تو اس کو بے ادبی ہی تصور کرتے ہیں۔

(ج) پاکیزگی

پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ یہ ضروری ہے کہ نعت گو نعت کہنے سے قبل پاک و صاف رہے اور اپنے لباس کو ہر قسم کی ناپاکی سے دور کر لیں۔ یہ بھی لازم ہے کہ نعت گوئی میں شاعر کو نہ صرف جسم اور لباس کا پاک ہونا چاہئے بلکہ ذہن اور باطن کا بھی پاک و صاف ہونے کو ضروری سمجھیں۔ با وضو نعت کہنا ہی احسن ہے۔ اپنے ذہن کو ہر قسم کی کثافت اور کدورت خیال سے پاک کر کے نزہت و پاکیزگی ذہن سے نعت ترتیب دیں تو اس نعت شریف میں اثر بھی ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبولیت بھی عطا کرے

گا۔ مزید یہ کہ مقام کا خیال رکھیں جہاں نعت شریف لکھا جا رہا ہے وہ بھی پاک و صاف رہے۔

۲۔ نعت: خوانی اور خواں

اس ضمن میں اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ نعت خوانی بھی ایک فن ہے۔ نعت خواں یا پڑھنے والا چاہے وہ ایک فرد ہو یا ایک سے زائد یہ ضروری ہے کہ وہ بھی پاک و صاف ذہن و لباس سے ہوں اور با وضو ہو کر نعت پڑھیں۔ اپنی آواز کو اس قدر بلند نہ کریں کہ سننے والے پر گراں گزرے۔ بلکہ نرم اور دلکش آواز میں نعت خوانی کریں۔ اگر لحن ہی سے پڑھنا مقصود ہو تو خوش الحانی، سر اور تال کا خیال رکھیں، تاکہ نعت شریف کے تاثرات میں لحن کی وجہ کوئی کم و بیش نہ ہونے پائے، جس کی وجہ سامعین کے توجہ کی یکسوئی میں فرق پڑ جائے۔ نعت خواں کو یہ بھی ضروری ہے کہ وہ الفاظ کی ادائیگی کو صحیح رکھے اور غلط نہ پڑھیں۔ نعت، نعت خوانی اور سامعین نعت اس قدر جڑے ہوئے ہیں کہ اگر سامعین کے خیالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے نکل کر منتشر ہو جائیں تو محفل بے کیف و بے مقصد ہو جائے گی۔

۳۔ نعت: سامعین

سامعین نعت پر بھی اوپر بیان کی ہوئی شرائط لازم آتے ہیں۔ پاکیزگی کا خیال اور خیالات کی یکسوئی ضروری ہے۔ انسان ہونے کے ناتے کبھی کبھی خیالات منتشر ہو سکتے ہیں لیکن کوشش یہ ضرور رہے کہ اپنی توجہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہونی چاہئے برقرار رہے۔ جس طرح نماز میں خشوع و خضوع ضروری ہے اسی طرح نعتوں کی مجالس میں بھی خشوع و خضوع کے ساتھ شریک رہیں۔ اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہو جائے ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ایک بار درود پڑھنے والے پر درسِ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اسی طرح نعت شریف کی مجلسوں پر بھی رحمتیں نازل ہوا کرتی ہیں۔ یہ ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہے و رفعنا لک ذکرک (۹۱) یعنی ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلندی عطا کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد ساری کائنات کے ذرہ ذرہ پر بشمول انس و جن اہمیت و فوقیت رکھنے والی وہ بلند اور قدسیت کی حامل شخصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہے۔ جس طرح ادب و احترام، خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھے، سر جھکائے ہوئے رہنا پڑتا ہے اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے دوران وہی ادب و احترام، خشوع و خضوع اور اہتمام کے ساتھ کھڑے رہنا ہمارا فرض عین ہے۔ یہ سارے نکات آداب نعت میں شامل ہیں۔ اگر ان آداب پر عمل آور ہو جائیں تو مجالس نعت خوانی ایک بہترین و خوش ترین عبادت ہوگی۔

ل۔ نعت: صوفیاء کرام

اس مضمون میں ہم نے صوفیہ کرام کا ذکر اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ ان اولیاء اللہ نے نعت گوئی کو ایک نیارنگ و آہنگ دیکر اس فن کو تقویت اور وسعت دی۔ قدیم اور روایتی طریقہ نعت کو انہیں حضرات نے (ہم سمجھتے ہیں) اپنی مخلصانہ عقیدت، والہانہ عشق و محبت، کبھی نہ ختم ہونے والی وفاداری اور بے انتہا ادب و احترام کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کر دیا۔ لفظ نعت کو اصطلاحی مفہوم دینے میں صوفیاء کا بڑا حصہ رہا ہے۔ صوفیہ عظام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی پہلو کو اور اس کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کیا۔ ان کو مضامین نعت میں شامل کیا۔ آپ مولانا جلال الدین رومی کو لیجئے یا منصور الحلّاج کو، یا عین القضاۃ ہمدانی کو، حضرت جنید ہوں کہ ابن العربی، احمد الغزالی کی مثال ہو یا ابوالخفص سہروردی کی، علی الجویری کی تعلیمات ہوں یا ابوالنصر السراج کی، سب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو ہر شئی پر فوقیت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کی فضیلت کو واضح فرمایا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ انہیں جو بھی عطا کیا گیا، صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہے۔

صوفیہ کرام نے نہ صرف فنِ شعری میں بلکہ فنِ نثر میں بھی نعت کہی ہے۔ ان کی تصانیف میں جا بجا نعتیہ اشعار بھی درج ہیں جو خود کی کہی ہوئی ہیں یا کسی اور صوفی کی۔ صوفیہ کرام کا کلام عربی، فارسی اور اردو، تینوں زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ یہ مضمون طوالت کی طرف مائل ہے۔ اس لیے اس مقالہ پر اقتصار سے کام لیتے ہوئے حافظ شیرازی کے یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

اے خسروِ خواں نظری سوئے گداکن رجمی بمن سوختہ بے سرو پا کن
(اے خوبیوں کے سلطان فقیر پر اک نظر کرنا۔ مجھ جلے ہوئے بے سرو پا پر رحم کرنا)

دارد دل درویش تمنائے نگاہی ز اں چشم سیہ مست بیک غمزہ رواکن
(درویش کا دل ایک نگاہ کی تمنا رکھتا ہے۔ اس مست اور کالی چشم کی ایک ادا سے حاجت روائی کر دینا)

ذیل میں دو عربی شعراء کے نعتیہ کلام کے چند اشعار پیش ہیں۔ فارسی اور اردو کے نعتیہ انتخابات کے لیے نقوش (جلد دوم) ملاحظہ ہو جہاں عربی کے بھی نعتیں نمونہ پیش کی گئی ہیں۔

(۱) حسان بن ثابتؓ (۶۲۰ھ/۶۳۰ء) شاعر دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

اعز علیہ للنبوۃ خاتم من اللہ مشہود یلوح ویشہد
(ان پر نبوت کی مہر جگمگا ہی ہے جو۔ اللہ کی طرف سے لگی ہے اور اس کی چمک ہر شخص دیکھ سکتا ہے)

(۲) شرف محمد ابوصیری (۶۹۸/۱۲۹۸ء) شاعر قصیدہ بردہ

کیف ترقی رقیبتک الانبیاء

یاسماء ماطا ولتھا سماء

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی کو انبیاء کہاں پہنچ سکتے ہیں اے وہ آسمان جس کا بلندی میں کوئی آسمان مقابلہ نہیں کر سکتا)

رحمة کله وحزم و عزم

و وقار و عصبة و حیا

(آپ سرِ پا رحمت ہیں، قوت فیصلہ اور قوت ارادہ کے بادشاہ ہیں۔ وقار، پاک دامنی اور شرم و حیا کے حامل اور مکمل نمونہ ہیں)



ڈاکٹر صاحب سنبھلی (یوپی)

حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائع پر ایک اور نظر

حضرت رضا بریلوی کا شاعرانہ کلام کمیت کے لحاظ سے بہت سے شاعروں کے کلام سے خاصا کم ہے، لیکن کیفیت کا یہ عالم ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود ابھی مزید بہت کچھ لکھے جانے کی گنجائش ہے۔

شاعری کا فنی پہلو فکری پہلو کے مقابلے میں فن کار کی توجہ اپنی جانب زیادہ کھینچتا ہے اور اس کی تفصیل عام قاری کو بھی اچھی لگتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی کی شاعری کے دونوں پہلوؤں پر اگرچہ کافی لکھا جا چکا ہے مگر میرا خیال ہے کہ فنی پہلو پر فکری پہلو کی نسبت کم توجہ دی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کلام میں برتی گئی صنائعِ بدائع پر ہمارے اہل قلم نے خوب خامد فرسائی فرمائی ہے۔ اس کے باوجود بعض ایسی خوبیاں بیان ہونے سے رہ گئیں، جو سامنے کی چیز نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ تعداد میں بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اس تحریر میں کچھ ایسی ہی خوبیوں کو ظاہر کیا جائے گا۔ ان میں کچھ کو شاید نام بھی نہیں دیے گئے ہیں۔

۱۔ پہلے ایک مقطع ملاحظہ فرمائیے۔

ہے تو رضا نہ راستم جرم پر گر لجائیں ہم کوئی بجائے سو زغم ساز طرب بجائے کیوں
خط کشیدہ دونوں لفظ تحریر میں بھی اور تلفظ میں بھی اتنے قریب ہیں کہ اگر عبارت یا مصرع میں نہ ہوں بلکہ الگ الگ لکھے ہوں تو ان کی دُوی کا تصور بھی محال ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ماہرِ رسم الخط کو تحریر میں جُدا گانہ نظر آئیں مگر سامع سے ان کے مفہوم پر غور کے بغیر دو (۲) لفظ سمجھنے کی امید کم ہے۔ اس کے باوجود دونوں کے معنی اتنے جُدا گانہ ہیں کہ ان میں کوئی ذرا سا بھی علاقہ نہیں۔ ہمزہ کا ہونا یا نہ ہونا (بجائے اور بجائے) یا پہلے بجائے کی ”ب“ کو جدا کر کے لکھنا (یعنی نہ جائے) کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے دعوایے بالائی تردید ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہاں جس صنعت کا ذکر کیا گیا ہے وہ تحریر سے نہیں بلکہ تلفظ اور سماعت سے متعلق ہے۔ خواہ اس کا کوئی نام ہو۔

۲۔ ایک شعر ہے۔

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسِ انعم

تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

”بے دام“ دونوں مصرعوں میں ہے مگر الگ الگ معنی میں ہے۔ پہلے ”بے دام“ کا مطلب ہے بلا قیمت، یعنی ایسے غلام جو خریدے نہ گئے ہوں (ظاہر ہے کہ ایسے غلام بے حد وفادار ہوا کرتے تھے) اور دوسرے ”بے دام“ کے معنی ہیں ”بغیر بندھن والے“، یعنی جن کو باندھ کر نہ رکھا جاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ صنعت ہمارے علمِ بلاغت میں بہت پہلے سے ہے اور اس کا استعمال شعرا کرتے آئے ہیں۔ ایسی حالت میں اس صنعت کے استعمال پر شاعری بہت زیادہ تحسین نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ اس میں کوئی نئی خاص بات نہیں ہے۔ لیکن جو خاص بات ہے وہ قاری کو تب معلوم ہوتی ہے جب وہ دونوں مصرعوں میں بے دام صفت کے ہر دو موصوف پر غور کرتا ہے۔ یعنی غلام ہیں تو مفت کے ہیں اور بندی یعنی قیدی ہیں تو بغیر بندھن کے ہیں۔ قیدی ہر وقت قید سے رہائی چاہتا ہے، موقع ملے تو فرار بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ قیدی ایسے ہیں کہ ان کو ”دام“ یا ”کوٹھری“ میں رکھنے کی ضرورت نہیں اس پر مزید لطف یہ ہے کہ ”بندے“ کے تلفظ میں بڑی مماثلت ہے اگر ان دونوں لفظوں کو کوئی جلدی میں بولے اور یائے معروف دیاے مجھول پر زور نہ دے تو دونوں لفظوں کا الگ لفظ ہونا بھی معلوم نہ ہو لطف بالاے لطف یہ ہے کہ یہ بندی ہزارانِ عرب ہیں۔ جو بے عقل پرندے ہیں اور آزادی کے ساتھ ہواؤں میں اُڑنے کے عادی ہیں۔ اُن کو نفس میں بند رہنا بھلا نہیں لگتا۔ ان سب باتوں پر غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ یہ شاعری کی کوئی معمولی صنعت نہیں ہے۔

۳۔ ایک شعر اور ملاحظہ فرمائیے۔

مے کہاں اور کہاں میں زاہد یوں بھی تو جھکتے ہیں چھکنے والے

”مے“ اور ”میں“ دونوں الگ الگ لفظ ہیں مگر تلفظ میں اتنے قریب ہیں کہ مغایرت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ دونوں ایک چھوٹے سے مصرع میں ہیں، جس میں کل چھ (۶) الفاظ ہیں۔ دویہ اور چار ان کے علاوہ۔ اس سے شعر کا حسن دُوبالا ہو گیا ہے۔

۴۔ ایک رباعی کا مصرع ثانی ہے۔

ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

”ان سا“ ایک بار اور ”انسان“ دوبار آیا ہے۔ ”انسان“ میں ”ان سا“ سے نون زائد ہے۔ مصرع میں ان تینوں لفظوں کے ایک ساتھ آجانے سے صوتی دل کشی پیدا ہو گئی ہے۔ شاید اہل بلاغت نے اس خُوبی کو کوئی نام نہیں دیا ہے

۵۔ حدائقِ بخشش حصہ دوم میں ”نظم معطر“ کی ایک رباعی کے دو مصرع اس طرح ہیں۔

سے کہاں اور کہاں میں زاہد یوں بھی تو چھکتے ہیں چھکنے والے

پہلے مصرع میں ”حدائقِ بخشش“ سے پہلا حرف نون غنّہ ہے، نون بالاعلان نہیں۔ اگرچہ پیش نظر نسخے میں ”نون بالاعلان ہی طبع ہوا ہے (یہ سہو کتابت ہے) اب دونوں مصرعوں کے ابتدائی الفاظ کو پڑھ کر دیکھیے۔ تیزی سے پڑھنے اور روروی میں سُننے میں دونوں مصرعوں کا آغاز ایک جیسا لگتا ہے یہ بھی صنعت گری ہی ہے۔

۶۔ بلاغت میں ایک صنعت ہوتی ہے وَاسِحِ الشَّفْتَيْنِ۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ عبارت یا شعر کو پڑھیں تو ہونٹ سے ہونٹ نہ ملے۔ بحر الفصاحت میں مولانا نجم الغنی خاں نجفی رام پوری نے اُس کی مثال میں ۸۶ شعر لکھے ہیں۔ پہلا شعر محمد امین بناری کا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

جی سے کہ دو کہ آہِ سرد کے ساتھ ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے

بحر الفصاحت میں مولانا نجم الغنی خاں نجفی کی تفصیل پسندی کا یہ عالم دیکھا جاسکتا ہے کہ ایک ایک صنعت کی مثالوں میں متعدد شاعروں کے چالیس چالیس، پچاس پچاس شعر نقل کر دیتے ہیں اور صفحے کے صفحے سیاہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اس صنعت کی مثال میں مندرجہ بالا شعر کے علاوہ انہوں نے پانچ شعر اور نقل کیے ہیں، جن میں دو نظیر اکبر آبادی کے اور ایک ایک میر نجف علی بیباک، نظام اور انشا کے ہیں۔

صاحبِ بحر الفصاحت شعر و ادب کے بڑے عالم تھے۔ رام پور اسٹیٹ کی رضا الاہیری کی ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ ذاتی کتب خانہ بھی اچھا خاصہ تھا۔ محنت سے کبھی نہیں گھبرائے۔ اشعار تلاش کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہوگی؟ لیکن اردو کے دواوین میں اُنکو پانچویں کے بعد چھٹا شعر دستیاب نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ مشکل صنعت ہے۔ شعر کی بات تو الگ رہی اگر ہم کوئی ایسا جملہ بولنا چاہیں جس کی ادنیٰ میں لب ایک دوسرے سے نہ ملیں تو بڑی مشکل سے کامیابی ملے گی۔ شاعری میں تو اور بھی بہت سی پابندیاں ہوتی ہیں۔

لیکن جنابِ رضا بریلوی نے انتہا درجے کے مصروفیات ہوتے ہوئے اس صنعت میں ۱۲ اشعار کی ایک نعت عطا فرمائی ہے، جس کو پڑھتے رہیے ہونٹ نہیں ملیں گے۔ یہ نعت حدائقِ بخشش حصہ سوم میں شامل ہے۔ چونکہ یہ جلد عموماً دستیاب نہیں ہے۔ اس لیے یہ نعت تمام و کمال نقل کر رہا ہوں۔ تاکہ قارئین کی دل چسپی کا سامان ہو۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جنابِ رضا بریلوی اگر شاعر ہی ہوتے اور شاعری کے علاوہ ان کی دیگر مصروفیات نہ ہوتیں تب کیا کچھ کر دکھا دیتے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ نعت پاک یہ ہے۔

سید کونین سلطان جہاں ظن یزداں، شاہ دیں، عرش آستاں
گل سے اعلیٰ گل سے اولیٰ گل کی جاں گل کے آقا، گل کے ہادی گل کی شاں
دلکش، دلکش، دلکش، دلآر، دلستاں کانِ جان، و جانِ جان و شانِ شان
ہر حکایت، ہر کنایت، ہر ادا ہر اشارت دل نشیں و دل نشاں
دل دے، دل کو جان، جاں کو نور دے اے جہانِ جان و اے جانِ جہاں
آنکھ دے اور آنکھ کو دیدارِ نور روح دے اور روح کو روحِ جناں
اللہ اللہ یا س اور ایسی آس سے اور یہ حضرت، یہ در یہ آستاں
تو ثنا کو ہے ثنا تیرے لیے ہے ثنا تیری ہی دیگر داستاں
تو نہ تھا تو کچھ نہ تھا، گر تو نہ ہو کچھ نہ ہو، تو ہی تو ہے جانِ جہاں
تو ہو داتا اور اوروں سے رجا تو ہو آقا اور یادِ دیگر اں
التجا اس شرک و شر سے دور رکھ ہو رضا تیرا ہی غیر از این و آں
جس طرح ہونٹ اس غزل سے دور ہیں دل سے یوں ہی دور ہو ہرطن و ظاں

(صفحہ ۱۵۰-۱۳۹)

۷۔ عربی فارسی اور اردو میں شاعری کی ۱۹ بحریں رائج ہیں۔ اُن میں ایک بحر وافر کے بارے میں مولانا نجم الغنی خاں نجفی بحر الفصاحت میں رقم طراز ہیں۔

مُفَاعِلَتُنْ مُفَاعِلَتُنْ مُفَاعِلَتُنْ مُفَاعِلَتُنْ مُفَاعِلَتُنْ دُوبار۔ وافر فاعل کسرے سے اس لیے کہتے ہیں کہ اس بحر میں شعر بہت کہے گئی ہیں یا اس بحر میں حرکات کثرت سے ہیں۔ یہ بحر عربی سے خصوصیت رکھتی ہے۔ ریختہ میں مستعمل نہیں بعض شعرا نے بہ تکلف اس میں شعر کہے ہیں۔

وافر مثنیٰ سالم طالب کہتا ہے

ڈرا کے کہا بھلا بے بھلا خفا جو ذرا ہوا وہ صنم

مرا بھی ذرا لگہ نہ رہا ہنسا جو گیا مجھے یہ ستم

تقطیع: اُڈراک کہا مُفَاعِلَتُنْ بِلاب بلا مُفَاعِلَتُنْ خَفاج ذرا مُفَاعِلَتُنْ ہوا و صنم مُفَاعِلَتُنْ
مرا ب ذرا مُفَاعِلَتُنْ لگہ نہ رہا مُفَاعِلَتُنْ ہساج گیا مُفَاعِلَتُنْ مجھے یہ ستم مُفَاعِلَتُنْ۔ (قومی کونسل

برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی ایڈیشن صفحہ ۲۸۴)

اس بحر کی مثال کے لیے بھی نجی صاحب کو مذکورہ بالا ایک شعر ہی دستیاب ہوا۔ انہوں نے اس کتاب کی مثالوں کے لیے خود بھی شعر کہے ہیں، لیکن اس بحر کی مثال کے لیے ایک مصرع بھی نہیں کہا۔ حضرت رضا بریلوی نے اس بحر میں ایک طویل نعت تحریر فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے حدائقِ بخشش حصہ دوم میں۔

زمین و زماں تمھارے لیے ملین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے بنے دو جہاں تمھارے لیے

اس نعت میں ۱۳۵ اشعار ہیں۔

نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ اسلامیات خصوصاً فقہ حنفی کے اپنے عہد کے عظیم ترین عالم اور کتنے ہی دیگر علوم و فنون کے ماہر، عبقری شخصیت کے حامل اس یگانہ روزگار ہستی کی قدرتِ شاعرانہ میں بھی کسی طرح کا شک نہیں کیا جاسکتا۔



ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

نعت اور ہماری شعری روایت

اس موضوع میں لفظ ”ہماری“ کے استعمال نے معنوی وسعتیں پیدا کر دی ہیں اس لیے صرف اردو نعت کے تذکرے تک محدود نہیں رہا جاسکتا ہے!..... لہذا اپنے موضوع کی مناسبت سے ہمیں ”نعت“ کی تعریف بیان کرتے ہوئے عرب و عجم کے اسلامی معاشروں کی شعری روایت سے گزر کر ”اردو“ کی اقلیم میں قدم رکھنا ہوگا!

جہاں تک نعت کی تعریف کا سوال ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ نعت ہر پہلو اور ہر زاویے سے کسی شخصیت کے اوصافِ حمیدہ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اسلامی معاشروں میں یہ لفظ صرف رسول اللہ ﷺ کی تعریف کے لیے مختص ہو گیا ہے۔ کسی اور کی تعریف کو نعت نہیں کہتے۔

روایت کے ضمن میں بھی طول طویل گفتگو کرنے کا موقع نہیں ہے اس لیے صرف حسنِ عسکری کی رائے پر اکتفا کرتے ہیں جنہوں نے ریئے گنیوں سے استشہاد کرتے ہوئے یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ..... روایتی ادب اور روایتی فنون صرف روایتی معاشرے میں پیدا ہو سکتے ہیں اور روایتی معاشرہ وہ ہے جو مابعد الطبیعات کی بنیاد پر قائم ہو۔ مابعد الطبیعات چند نظریوں کا نام نہیں التوحید واحد۔ مابعد الطبیعات صرف ایک ہی ہو سکتی ہے، یہی اصلی اور بنیادی روایت ہے“ (۱)

روایت کے اس تصور کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری یعنی مسلم معاشرے کی روایت کی بنیاد مابعد الطبیعات پر ہے اور یہی زندہ روایت ہے جو بلا انقطاع از آدم تا ایں دم جاری و ساری ہے۔ اس روایت میں شاعری کا تعلق انسان، کائنات اور خالق کائنات کے رشتوں کی معرفت سے ہے۔ شاعری وہی صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے۔ خالق نے اپنی مخلوق کو کوئی صلاحیت بے وجہ عطا نہیں کی ہے۔ اس لیے شاعری بھی اپنے وجود کے لیے جواز چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہدار شعراء نے ہمیشہ قرآنی نظریہ فن پیش نظر رکھ کر شعری سفر کا آغاز کیا۔..... قرآن کریم کی سورۃ العصر میں پوری نوعِ انسانی کو خسران سے بچنے کے لیے [۱] ایمان [۲] اعمالِ صالحہ [۳] تو اسی بالحق..... اور [۴] تو اسی بالصبر.....

جیسی ربانی شرائط سے آگاہ کیا گیا تھا..... تو بالکل اسی انداز سے سورہ شعراء میں شعراء کو خیال کی ہر وادی میں بھٹکنے سے بچنے کی راہ دکھائی گئی ہے:

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۚ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۚ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَذِكْرٍ وَإِنْتَصَرُوا مِن مَّرْجَعٍ ۚ مَا ظَلَمُوا ط ۚ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۚ

”رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا“ (۳)

سورہ العصر میں بیان کردہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی شرائط کے ساتھ ساتھ یہاں اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے کی شرط اس لیے شامل کی گئی کہ شعراء جو کچھ بھی لکھیں اس میں اللہ کا براہِ راست یا بالواسطہ ذکر ہو۔ یا اللہ کی موجودگی کا اس قدر استحضار ہو کہ جو کچھ لکھیں وہ اللہ کے احکامات سے کسی بھی صورت متصادم نہ ہو۔

نعتیہ شاعری کا رواج اگرچہ حضور اکرم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ تاہم آپ کی طرف سے اعلانِ نبوت اور مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی پے در پے کامیابیوں سے بوکھلا کر مشرک شعراء نے بجویہ اشعار کہے۔ سورہ شعراء میں متوازن بدلہ لینے کی اجازت دیتے ہوئے مسلمان شعراء کو اسی بجویہ شاعری کا جواب دینے کی طرف مائل کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نعت اپنی معنوی جہت میں اللہ تعالیٰ کی حمد کا درجہ رکھتی ہے۔ مخلوق کی تعریف دراصل خالق کی تخلیقی قدرتوں ہی کی تو تعریف ہے۔ نعتیہ شاعری میں ہمیشہ حضور اکرم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ، آپ کے پیغام اور انسانیت کو آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے پہنچنے والے فوائد کا ذکر ہوتا ہے۔ نیز یہ شاعری حبِ نبوی اور عشقِ رسول ﷺ کی بنیاد پر تخلیق کی جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ جس زمانے میں بنفسِ نفیس اس جہانِ فانی میں جلوہ افروز تھے۔ اُس عہد میں آپ کے جمالِ صوری اور حسنِ معنوی کا نظارہ کرنے والوں نے بہت کچھ کہا۔

حضرت حسان، حضرت کعب بن مالک، حضرت کعب بن زہیر، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے نعت کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔

عشقِ نبوی کی یہی روایت عرب سے ایران پہنچی۔ یہاں جامی اور سعدی شیرازی نے نعتیہ

مضامین سے اپنے تخلیقی لوازم کو مزین کیا۔ سعدی نے چار مصرعوں میں جو کچھ کہا وہ زباں زدِ خاص و عام ہو گیا:

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ ببہالہ

حسنِ جمیعِ خصالہ صلوا علیہ و آلہ (۴)

ہند اسلامی تہذیب میں اردو زبان نے جنم لیا۔ اس زبان کی خوش بختی کہ پہلے شاعر ”فخر دین نظامی“ نے اپنی مثنوی ”کدم راؤ پدم راؤ“ میں حمد کے بعد نعت ہی شامل کی۔ یہ مثنوی ۸۲۵ سے ۸۳۹ ہجری اور ۱۴۲۱ سے ۱۴۳۵ عیسوی کے دوران میں لکھی گئی تھی (۴۔ الف)۔ بعد ازاں جتنی بھی شعری تصنیفات سامنے آئیں ان میں حمد کے بعد نعت ہی کے اشعار تھے۔ حمد و نعت کی شمولیت کی یہ روایت صرف مسلمان شعراء تک محدود نہ رہی بلکہ غیر مسلم شعراء نے بھی اس روایت کو باقاعدہ نباتہ ہوئے حمد یہ نعتیہ اشعار کہے۔ نورنامے، مولودنامے اور معراج نامے بھی بڑی تعداد میں لکھے گئے اور قصے کہانیوں کے لوازم سے لیس مثنویوں کی بھی ابتداء حمد و نعت سے کی گئی۔

یہیں میرزا مظہر جان جاناں نے اللہ سے حبِ نبوی طلب کرنے کا درس دیا:

محمد از تو می خواہم خدا را الہی! از تو حُبِ مصطفیٰ را (۵)

(یا محمد ﷺ! آپ کے دامن سے وابستہ ہو کر مجھے خدا مل جائے۔ اور اے میرے معبود! میں تجھ سے حُبِ مصطفیٰ ﷺ کی دولت کا طلبگار ہوں)

چنانچہ عشقِ نبوی کا رنگ بعد کے شعراء کے شعری عمل میں بھرپور طریقے سے ظاہر ہوا۔ بقول سید سلیمان ندوی:

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے

ظلمتِ کدہء دہر میں وہ شمعِ ہدا ہے (۶)

انجمِ رومانی نے کائنات میں عشقِ نبوی کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے:

اک عشقِ مصطفیٰ ہے اگر ہو سکے نصیب

ورنہ دہرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں (۷)

اردو کے ہر چھوٹے بڑے شاعر نے نعت کہی۔ لیکن جن شعراء نے باقاعدہ نعت نہیں کہی ان کے کلام میں بھی کہیں کہیں نعتیہ اشعار آگئے..... مثلاً غالب جس کی غزلوں میں بعض اشعار نعتیہ وارد ہوئے ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی

قسمت کھلی ترے قدو رخ سے ظہور کی (۸)

اس کے باوجود شعراء اس صنف کو مکمل طور سے اپنے فن کا حصہ بنانے میں پس و پیش کا شکار

رہے۔

نعت کا باقاعدہ ادبی سفر مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا حسن رضا بریلوی، محسن کا کوروی اور امیر مینائی کے عہد میں ہوا کیوں کہ یہ حضرات نعتیہ شاعری کے مخصوصین میں شمار ہوئے۔ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے تو نعت لکھنے کے لیے غزل اور قصیدے کا pattern ہی سامنے رکھا لیکن محسن کا کوروی نے غزل، قصیدہ اور مثنوی میں اپنے فن کے وہ جوہر دکھائے کہ انھیں نعت گوئی کا فن شناس شاعر تسلیم کیا گیا۔ پھر حالی نے اپنے مسدس میں نعتیہ اشعار اس دردمندی سے لکھے کہ عوام و خواص کے دلوں پر نقش ہو گئے۔

ان کا لکھا ہوا استغاثہ

اے خاصہ خاصانِ رُسل ﷺ وقتِ دعا ہے

امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے (۹)

آج بھی امت کے لیے درد رکھنے والے افراد کی زبانوں پر جاری ہے۔

اقبال نے نعتیہ آہنگ میں عجب طرح سے اضافہ کیا۔ انھوں نے اپنی شعری عمر کی صغر سنی میں ایک نعت کہی تھی:

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہء میم کو اٹھا کر

وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر (۱۰)

لیکن اس نعت کو شریعت سے متصادم پایا تو اپنے کسی شعری مجموعے میں شامل نہیں کیا۔ عظمتِ رسالت کی معنوی جھلک اقبال کے اس شعر میں پائی جاتی ہے جو ان کی نظم ”ذوق و شوق“ میں وارد ہوا ہے:

آیہ کائنات کا معنی دیر یاب تو!

نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو (۱۱)

ظفر علی خاں کا تو نعرہ ہی یہ تھا:

خدا کی حمد، پیغمبر کی نعت، اسلام کے قصے

مرے مضمون ہیں، جب سے شعر کہنے کا شعور آیا (۱۲)

پاکستان بننے کے بعد جب یہاں کے حکمرانوں اور بیشتر عوام نے اپنا نصب العین بھلا دیا جس کا

انکاس ادب میں بر ملا محسوس ہوا۔ تو اہل دل شعراء نے نعتیہ شاعری کر کے اہل وطن کو حضور، اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کے عشق کی شمع روشن کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا تھا:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار

بگزارند و خُم طُرّہ یارے گیرند (۱۳)

مجھے تو اب صرف اسی کام میں مصلحت نظر آتی ہے کہ سب دوست سارے کام چھوڑ چھاڑ کے محبوب کی زلف کے خم کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ گویا حافظ یہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ محبوب کے عشق کو پختہ تر کر لیں۔ حافظ کے اس شعر میں صاف طور پر مسلمانوں کو نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اور آپ کے لائے ہوئے دین کی طرف راغب کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔

پاکستان کے ابتدائی ادبی منظر نامے پر نعت گو شعراء کی حیثیت سے حفیظ جالندھری، ماہر القادری، بہزاد لکھنوی، محشر رسول نگری، علامہ ضیاء القادری، علامہ سیماب اکبر آبادی، اثر صہبائی، اختر الہامدی وغیرہم کے اسمائے گرامی سامنے آتے ہیں۔ بعد میں نعت گو شعراء میں مختار صدیقی، یوسف ظفر اور قیوم نظر جیسے شعراء بھی شامل ہو گئے۔

پھر تو تقریباً تمام ہی شعراء قافلہء مدحت گزراں میں شامل نظر آتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ کچھ نے اپنا وظیفہ تخلیق ہی نعت کو بنالیا اور کچھ صرف حصولِ سعادت کی غرض سے اس کارواں میں شامل ہوئے عہدِ ضیاء الحق میں سرکاری سطح پر نعت کی پزیرائی کا آغاز ہوا تو تقریباً ہر شاعر ہی اس صنفِ شریف کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آج بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ شعری مطبوعات میں نعتیہ کتب کی عددی برتری نمایاں ہے۔

الحمد للہ! آج نعتیہ شعری تخلیقات کی کثرت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعراء نے اس صنف کی طرف سے برقی جانے والی مجرمانہ غفلت کا ازالہ کرنے کی ٹھان لی ہے اور تابیدِ ربانی سے وہ اس عمل میں خاصی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ نعتیہ تخلیقات کی بہار دیکھ کر ہی غیاث الہ آبادی نے کہا تھا: بزم

یہ عہد، عہدِ نعتِ رسولِ کریمؐ ہے

نعت لکھنے والوں میں نمایاں نام بھی اگر سلیقہ سے شعری حوالوں کے ساتھ لیے جائیں تو ایک دفتر درکار ہوگا جبکہ یہاں قرطاس کی تنگ دامانی کا نہیں بلکہ وقت کی عدم التفاتی کا سامنا ہے۔ اس لیے چند نام لے لیے جائیں جن کی پر خلوص خدمات کی وجہ سے ان کی شہرت جبریدہء عالم پر ثبت ہو چکی ہے۔

حافظ مظہر الدین، حفیظ تائب، احسان دانش، مظفر وارثی، عاصی کرناٹی، پیر نصیر الدین گلوڑوی، بشیر

حسین ناظم، سرسہارنپوری، حافظ لدھیانوی، فدا خالیدی، حنیف اسعدی، ادیب رائے پوری، اعجاز رحمانی، قمر وارثی اور صبیح رحمانی کے ایسے نام ہیں جو نعتیہ شعری افق پر ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ کیوں کہ ان شعراء نے تسلسل کے ساتھ قدیم و جدید شعری اسالیب کے امتزاج سے نعتیں کہی ہیں۔ جدید تر شعری اسالیب میں نعتیہ ادب تخلیق کرنے والے شعراء میں عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمبین، احمد ندیم قاسمی، ریاض مجید، ریاض حسین چودھری، سرشار صدیقی وغیرہم کے نام ہمیشہ درخشاں ستاروں کی طرح چمکتے رہیں گے۔

نعت چوں کہ اصنافِ نعت کی کسی ایک ہیئت کے ظرف میں نہیں سما سکتی ہے اس لیے اس موضوع کو شعری ہر روایتی اور جدید صنف میں برتا جا رہا ہے۔ آج غزل، قصیدہ، رباعی اور مثنوی کے ساتھ ساتھ سانیٹ، ہائکو، ماہیہ، ثلاثی، نظم، معری اور آزاد نظم کے پیکر میں بڑی کامیابی سے نعت لکھی جا رہی ہے۔

واضح رہے کہ میں نے اختصار کے ساتھ صرف چند رجحان ساز شعراء کا ذکر کیا ہے۔ یہ انتخاب بھی اس لیے پیش نظر رہا کہ ان شعراء کی نعتیہ کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ ایسے شعراء کی تعداد تو شمار میں آنا ممکن ہی نہیں جو عام شاعری کے ساتھ ساتھ کبھی نعت بھی کہہ لیتے ہیں۔

وقت نہیں ہے ورنہ میں یہاں کچھ اشعار بھی پیش کرتا۔ نعتیہ ادب کے تخلیقی منظر نامے سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے میری کتاب ”پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر“ دیکھی جاسکتی ہے۔

اب میں غالب کے شعر پر ناصر کاظمی کی تضمین کے مصرعوں کا سہارا لے کر اپنے معروضات کا اختتام کرنا چاہتا ہوں۔ ناصر کاظمی نے کہا تھا:

تھکی ہے فکرِ رسا اور مدحِ باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدحِ باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدحِ باقی ہے
”ورق تمام ہوا اور مدحِ باقی ہے“ (۱۳)
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے“

منابع و مآخذ

(۱) محمد حسن عسکری، مجموعہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص (Rene Guenon) ۶۳۹

شیخ عبدالواحد بیٹی۔

(۲) القرآن، الشعراء، ۲۶، آیت ۲۲۲ تا ۲۲۷

(۳) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۵۴۵

(۴) شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی، گلستان، فاروقی کتب خانہ، ملتان، ص ۱۲

(۴-الف) فخر دین نظامی، مثنوی نظامی دکنی، کدم راؤ پدم راؤ، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، انجمن ترقی و اردو

پاکستان، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۷۳ء

(۵) شفیق بریلوی، ارمغانِ نعت، مرکزِ علم اسلامیہ، ۵-گارڈن، کراچی، اشاعت دوم، ۱۹۷۵ء، ص ۹۹

(۶) سید سلیمان ندوی، ارمغانِ سلیمان، [۱۰۹] عالمگیر روڈ، شرف آباد، کراچی، س-ن-ص ۶۱

(۷) ماہنامہ دعوتِ اسلام آباد، سیرت و نعت نمبر، ذی الحجہ۔ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، ص ۲۰۸

(۸) نوائے سروش، مکمل دیوانِ غالب مع شرح، از غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

(۹) حالی، مسدس حالی، صدی ایڈیشن، مرتبہ: ڈاکٹر سید عابد حسین، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، جون

۲۰۰۶ء، ص ۱۴۸

(۱۰) اقبال، کلیاتِ شعرِ اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر صابر گلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳۲

(۱۱) اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، سرسبز بک کلب، ۱۹۹۵ء، ص ۴۰۴

(۱۲) مولانا ظفر علی خان، پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر، ڈاکٹر عزیز احسن، نعت ریسرچ سینٹر،

گلستانِ جوہر، کراچی، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۳۶

(۱۳) حافظ شیرازی، دیوانِ حافظ، مرتبہ: پروفیسر میاں مقبول احمد، مشتاق بک کارنر، اردو بازار، لاہور،

س-ن-ص ۵۳۴

(۱۴) ناصر کاظمی، نعت رنگ، شمارہ نمبر ۱۲، مرتبہ: صبیح رحمانی، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۴۰



مرزا ساجد حسین ساجد امر و ہوی (یوپی)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ اور اُس کی ارتقا

نعت کے لغوی معنی تعریف، صفت، تعریف کرنا خاص کر صفت رسول ﷺ کی۔ جمع نعت۔ نعت کے اس معنی میں نثر اور نظم کی کوئی تخصیص نہیں تو ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی تعریف و توصیف نثر میں کی جائے تو وہ بھی نعت ہی کہلائے گی۔ اس کی واضح مثال وہ درود شریف ہے جو مختلف بزرگوں کے تصنیف کردہ ہیں مثلاً درودِ تاج، درودِ وحی، درودِ مقدس، درودِ ماہی، درودِ اکبر وغیرہ مگر سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعریف و توصیف کا سب سے زیادہ موثر طریقہ اشعار کی صورت میں ہی اختیار کیا گیا ہے۔ اشعار کی شکل میں سب سے پہلی نعت حضور ﷺ کے عمِّ محترم حضرت ابوطالب سے منسوب ہے جس کا ایک شعر مندرجہ ذیل ہے۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثم الیتاحی عصبة للارامل

ترجمہ! وہ بے پناہ حسین ہیں اُن کے چہرے کے صدقے سیرابی حاصل کی جاتی ہے۔ یتیموں کا ٹھکانہ اور بے واؤں کے محافظ ہیں۔

حال ہی میں جناب حامد امر و ہوی (مقیم حال امریکہ) کے مجموعہ نعت ”ذریعہ بخشش“ کا مقدمہ محترم قمر بستی، بانی و صدر بزمِ حسان، انٹرنیشنل نعت اکیڈمی (ہوسٹن امریکہ) نے تحریر فرمایا ہے۔ اُنہوں نے اس میں نعت کا قدیم ترین مآخذ (اشعار کی شکل میں) تبعِ حمیری کے ان اشعار کو قرار دیا ہے جو حضور ﷺ کی ولادتِ طیبہ سے تقریباً سات سو سال یا ایک ہزار سال پہلے لکھے گئے۔ جب وہ حملہ کرتے ہوئے مکهستانِ مدینہ منورہ میں پہنچے تو اُن کے دو عالموں نے حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا ذکر کیا اور اپنی قدیم کتابوں کے حوالے سے آپ کے فضائل و محاسن بیان کیے اُس وقت تبعِ حمیری نے حضور ﷺ پر اپنے ایمان کا اظہار کیا اور ایک خط لکھ کر سرِ بھر دیا جو نسلِ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچا۔ تفسیر قرطبی اور ابنِ کثیر نے خط کی عبارت اور اُسکے نیچے وہ شعر

رقم کیے جو اُس وقت اُنہوں نے کہے تھے۔

شہدت علی احمد انہ رسول من اللہ باری النسیم

فلو مر عمری الی عمرہ لکننت وزیراً و ابن عم

و جاهدت بالسیف اعداء و فرجت عن صدرہ کلّ غم

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۴۶۔ قرطبی جلد ۱ ص ۱۴۶)

ترجمہ! میں نے اس بات کی گواہی دی کہ احمد رضی اللہ عنہ روح کے پیدا کرنے والے اللہ کے رسول ہیں۔ اگر میری عمر اُن کے زمانے تک داراز ہو جائے تو میں اُنکا وزیر اور مددگار بن جاؤں اور تلوار سے اُنکے دشمنوں سے جنگ کروں نیز اُن کے سینے سے ہر غم کو دور کر دوں ظاہر ہے کہ تبعِ حمیری کے یہ اشعار نعت کے قدیم ترین مآخذ ہیں۔

حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد اور پھر بعدِ ہجرت شعر ا کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں نعتیں کہیں اور حضور ﷺ نے بنفس نفیس اُنہیں سنا اور سراہا۔ عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت ایک متفقہ حقیقت ہے۔ حضرت ابوطالب حضرت علی، کرم اللہ وجہہ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عامر بن کوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت محمد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جُبَیْش بن اویس نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زُہیر بن صرد جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ شعر ا کی نعتیں پائی جاتی ہیں۔ عظیم قصیدہ ”بانت سعاد“ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں سنایا تھا جس پر حضور ﷺ نے ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی تھی۔ تاریخِ اسلامی کا یہ پہلا قصیدہ بردہ ہے جو امام بوسری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدے سے کئی سو سال پہلے کہا گیا۔ ذیل میں کچھ شعر ا کی نعتوں کا ایک ایک شعر نقل کر رہا ہوں جن سے نعت کا صحیح اسلوب سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت علی ابن ابوطالب کرم اللہ وجہہ۔

فصلوة الا له تنری علیہ فی دجی اللیل بکرة و اصیلا

ترجمہ! پس رحمتِ کاملہ نازل ہو خداوند تعالیٰ کی اُن پر مسلسل رات کی تاریکیوں میں صبح و شام۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ما ذا علی من شم تربت احمد ان لا یشم مد الزمان غوالیا

ترجمہ! کیا چاہیے اُس کو احمد ﷺ کی تربت کو سونگھے اُس کو چاہیے کہ عمر بھر کو خوشبو نہ سونگھے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ے

و شق له من اسمه ليجله فدا العرش محمود وهذا محمد

ترجمہ! اور نکالا اُن کا نام اپنے نام سے تاکہ روشن ہوئے اُن کا نام پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ﷺ ہیں۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ے

ان الرسول لنور يستضاء به مهند من سيوف الله مسلول

ترجمہ! بیشک اللہ کے رسول البتہ نور ہیں۔ روشنی حاصل کی جاتی ہے اُن کی ذات سے اور سیفِ قاطع ہیں اللہ کی سونتی ہوئی تلواروں سے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ے

روح الفداء لمن اخلاقه شهدت بانه خير مولود من البشر

ترجمہ! میری روح اُس ہستی پر فدا ہے جس کے اخلاق و اطوار اس بات پر شاہد ہیں کہ بنی نوع انسان میں وہ سب سے افضل ہیں۔

مضمون زیادہ طویل نہ ہو جائے اس لیے میں اتنے اشعار پر ہی اکتفا کرتا ہوں مگر آخر میں ایک شعر جو فخرِ موجودات حضور سرور کائنات ﷺ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوا ضرور نذر قارئین کرونگا۔ اصل میں یہ شعر نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کی زبان سے دو جملے غیر ارادی طور سے جنگِ خندق میں خندق کھودنے کے دوران نکلے ہوئے کیونکہ سبھی صحابہ جو خندق کھود رہے تھے اپنا حوصلہ اور جوش بڑھانے کے لئے رجزیہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔ آقائے مکرم ﷺ بھی اپنے حصے کی خندق کھودنے میں مصروف تھے اُس وقت مندرجہ ذیل جملے اُن کی زبانِ مبارک سے نکلے جو ایک مطلع کے دو مصرعے بنتے ہیں ے

انا النبی لا کذب انا ابن عبد الطلب

حالانکہ یہ متحقق ہے کہ اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو شعر کا علم عنایت نہیں فرمایا تھا مگر یہ بالکل اتفاق ہے کہ مندرجہ بالا جملے ہم وزن اور ہم قافیہ بن گئے۔ کچھ مورخین نے یہ واقعہ جنگِ احزاب کے وقت کا لکھا ہے۔

جب اسلام ترقی کرتے ہوئے ایران پہنچا تو وہاں کے شعرا نے فارسی میں نعتیہ شاعری کو عروج پر پہنچا دیا جسکی سچی اور صحیح تصویر کشی حافظ، سعدی، نظامی، قاضی، خاقانی اور عرقی وغیرہ کے کلام میں ملتی ہے۔

شیخ سعدی ے

زبان تا بود در دهن جائے گیر ثنائے محمد بود دل پذیر

حافظ شیرازی ے

بر تخت جم کہ تاجش معراج آفتابست ہمت نگر کہ موری با ایں جسارت آمد
مولانا عبدالرحمن جامی ے

تم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللہ دلم پژمرده آوارہ ز عصیاں یا رسول اللہ

خاقانی ے

در بارگاہ صاحبِ معراج ہر زماں معراجِ دل بہ جہتِ ما وا بر آدم
محمی الدین جیلانی ے

غلامِ حلقہ بگوشِ رسولِ سعادتہم زہے نجات نمودن حبیبِ آیاتہم
عرقی شیرازی ے

ز آستین نہ رسیدی بجیبِ دوستِ وجود اگر نہ گوہرِ او داشتی ہوئے ظہور
قدسی ایرانی ے

مرحب سید مکی مدنی العربی دل و جاں بآدِ فدایت چہ عجب خوش لقمی
ہندوستان کے فارسی شعرا نے بھی نعت کے موتی بڑے والہانہ انداز میں پروے میں مثلاً

خواجہ نظام الدین اولیاء ے

صبا بسوئے مدینہ روکن ازیں دعا گو سلام بر خواں

بہ گرد شاہِ رسل بگرداں بہ صد تضرعِ پیام بر خواں

حضرت امیر خسرو ے

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لا مکاں خسرو

محمد شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

اسد اللہ خاں غالب ے

ہر کس قسم بہ انچہ عزیز است می خورد

سو گند کردگار بجان محمد است

سر سید احمد خاں ے

ز جبریل میں قراں یہ پیغامِ نئی خواہم

ہمہ گفتا ر معشوق است قرآن کہ من دارم

اب میں اپنے قارئین کی توجہ اردو نعت گوئی کی تاریخ اور ارتقا کی جانب مبذول کرنا۔ دکن میں قطب شاہی دور میں اردو کافی مجھ گئی۔ باقاعدہ اردو نعت گوئی کا آغاز اُسی دور میں ہوا اُس دور کی متعدد نعتیہ مثنویاں ملتی ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ، اور عبداللہ قطب شاہ کے علاوہ اُس دور میں سید بلاتی کی مثنوی معراج نامہ، ملتی ہے اس میں تقریباً پندرہ سوا شعرا ہیں یہ مثنوی ۱۰۸۰ء میں تصنیف ہوئی۔ عادل شاہی دور میں ایک شاعر مختار کی مثنوی ’معراج نامہ‘ کے نام سے لکھی گئی یہ ۹۴۰ء میں تصنیف ہوئی اُس میں تقریباً ۲۳ ہزار شعر ہیں۔ اُسی دور میں مولانا نصرتی نے بھی ’’معراج نامہ‘‘ نام سے مثنوی تصنیف کی جس میں ایک سو اکتیس شعر ہیں۔ عہد مغلیہ میں عبدالحمید ترین نے ایک مثنوی ’’شمائل النبی‘‘ جس کا سن تصنیف ۱۱۱۱ھ ہے اُسی دور میں ۱۱۵۹ھ میر فیاض ولی ویلوری نے ایک نعتیہ مثنوی ’’روضۃ الانوار‘‘ نام سے لکھی۔ ایک اور شاعر سید محمد فراتی نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا۔ تادم آخر وہ نعت و منقبت و مرثیہ لکھتے رہے غزل کے اسلوب میں پہلی نعت انہیں کی ملتی ہے۔

شمالی ہند میں سودا اور میر کے علاوہ متعدد نعتیہ قصائد لکھے گئے۔ قداما کے اس دور میں نظیر اکبر آبادی، جرات، انشاء، ناسخ، مصحفی، میر حسن، نگین وغیرہ سبھی نے نعتیں لکھیں۔

قدما کے دور میں نعت گوئی کے لئے قصیدہ مخصوص تھا۔ مومن اور غالب نے بھی انہیں کی تقلید کی۔ اُسی دور میں مولوی غلام امام شہید نے نعت کو غزل کا اسلوب دیا۔ اُسی دور میں لطف بریلوی نے بھی نعت کو اپنا شعار بنایا۔ ایک نعتیہ دیوان بھی اپنی یادگار چھوڑا۔ کرامت علی شہیدی اُسی دور کے شاعر ہیں اور تادم آخر نعت ہی کبھی جب فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ جا رہے تھے تو راستے میں بیمار پڑے جب پیر علی کریم اللہ وجہ پر پہونچے جہاں سے گنبد حضر اصف دکھائی دیتا ہے تو ایک حسرت آمیز نظر گنبد حضر پر ڈالی اور جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی اور اُنکی یہ آرزو پوری ہو گئی۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے

قفس جس وقت ٹوٹے طائرے روحِ مقید کا

متاخرین کے دور میں امیر مینائی جیسا با کمال نعت گو شاعر دیا، انہوں نے ایک نعتیہ دیوان ’’محمد خاتم النبیین‘‘ اپنی یادگار چھوڑا۔ امیر مینائی کے بعد کے دور کے بانی محسن کا کوروی ہیں جنہوں نے دبستان لکھنؤ میں آنکھ کھولی۔ خلوص و محبت کے اظہار میں تہذیب و متانت کا پاس انکے کلام کی خوبی ہے۔

جدید اردو شاعری کے بانی حضرت خواجہ الطاف حسین حالی نے اس میدان کو کافی وسعت دی۔ اسی دور کے شاعروں میں اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حسن رضا خاں بریلوی، اکبر وارثی میرٹھی، بیان یزدانی میرٹھی، حافظ پبلی بھیتی، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، اقبال سہیل، دلو رام کوثری، شیو پرشاد وہبی، اور بیدم شاہ وارثی جیسے بے مثال شعرا پائے جاتے ہیں۔ دور حاضر میں حفیظ جالندھری، مولانا ابوالوفا عارف شاہ جہاں پوری، زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنؤ، بہزاد لکھنؤ، ماہر القادری، الم مظفر نگری، انور صابری، ضیاء القادری، عمر انصاری، بالمشند عرش ملیسانی، شفیق جوہوری، ساجد صدیقی، روف امروہوی، حامد امروہوی، سہتی امروہوی، اور راقم الحروف ساجد امروہوی نعت گوئی کو اپنا شعار بنائے رہے اور بنائے ہوئے ہیں۔

اب میں اردو کے کچھ اپنی پسند کے نعتیہ اشعار پیش کر کے اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

حضرت احمد رضا خاں ے

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ

قرض لیتی ہے گنہ پرہیز گاری واہ واہ

حضرت حسن رضا خاں ے

مٹی نہ ہو برباد پس مرگ الہی

جب خاک اڑے میری مدینے کی ہوا ہو

محسن کا کوروی ے

جس میں نہ ہو محبت محبوبِ حق کا گھر

مٹی خراب اس دلِ خانہ خراب کی

کیفِ نوکی ے

محشر میں جب کسی نے پکارا تو آئے یوں

جیسے کھڑے ہوئے تھے اسی بے نوا کے پاس

مولانا اسماعیل شہید ے

دل اُن کا جو ہے مخزنِ سرِ غیب

مبرا خطا سے ہے بے شک و ریب

غلام امام شہیدؒ

کا لک تو مرے منہ کی جھٹے اب کسی طرح
ہوے گزر مدینے میں مجھ رو سیاہ کا

نثارِ امر و ہوی ے

ساری تعریفیں اگر سو ہیں خدا کے واسطے
ایک کم سو ہیں محمد مصطفیٰ کے واسطے

حضرت خالد (پاکستان) ے

دل ٹھکانہ مرے حضور کا ہے
جلوہ خانہ مرے حضور کا ہے

حضرت رؤفؒ امر و ہوی ے

آپ ! اپنے آستانہ عالی کو دیکھئے
کیا دیکھنا رؤفؒ سیہ کار کی طرف

یہ ہم نے مانا کہ تم مٹ گئے رؤفؒ اُن پر
مگر یہ بات بھی ہو کچھ زباں پہ لانے کی

احمد ندیم قاسمی ے

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو گرنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

مولانا سید محمد کچھوچھوی ے

سیہ کارِ امت کے زلفِ سیہ اُن کی
سراسر رحمۃ اللعالمین معلوم ہوتی ہے

ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ے

محمد کا درجہ محمد کا رتبہ
عمر ہو تو سمجھے علی ہو تو جانے

حفیظ میرٹھی ے

اجازت ہو تو شاہا پیش کردوں
مرے پہلو میں ہے ٹوٹا ہوا دل

ماہر القادری ے

مسکرائے جو نبی دیکھ کے جنت کی طرف
اور بھی ہو گئی فردوسِ حسین آج کی رات

بیدم وارثی ے

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول
کہاں کہاں لئے پھرتی ہے جستجوئے رسول

مختلف اہل دل شعرا نے نعت کے اشعار کی صورت میں ایسے ایسے موتی پروئے ہیں کہ جن کو سن کر
عاشقانِ رسول ﷺ باغِ باغ ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کے دلوں کی گہرائیوں سے اُن شعرا کے لئے
دعائیں نکلتی ہیں۔ اصل میں دلوں کو تڑپا دینے والے اشعار کہے نہیں جاتے ہو جاتے ہیں۔ ایسا صرف
اللہ کی توفیق پر منحصر ہے۔ آخر میں قارئین سے التجا ہے کہ وہ بھی نعت گو شعرا کے لئے دعا گو ہوں۔ اس
کے علاوہ قارئین سے گزارش ہے کہ میری علمی کم مائیگی کو نظر انداز کرتے ہوئے مضمون میں ہونے والی
لغزشوں کو نظر انداز نہ کریں اور مجھے مطلع کریں تاکہ آئندہ کے لیے میری اصلاح ہو جائے۔



ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی (نامہ نگار)

عصر حاضر کے بلند قامت غیر مسلم نعت گو شاعر حضرت کرشن کمار طور

رحمت بیکراں صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں ہندو دھرم ہے شاہدِ حال
مذہب اور بھی کرتے ہیں اقبال

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو عرب میں پیشوا تھے
بشر کی شکل میں نورِ خدا تھے

مسحِ خوش بیاں گوہرِ فناں ہیں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں تر بیاں ہیں

(مشی دوار کا پر شاد افق)

ہما چل پردیش کے عالمگیر شہرت یافتہ بزرگ غزل گو شاعر حضرت کرشن کمار طور نہ صرف یہ کہ غزل کے عظیم المرتبت شاعر ہیں بلکہ وہ ایک بلند قامت نعت گو شاعر بھی ہیں۔ ہندوستان میں غیر مسلم تخلیقی شعراء اُردو میں زمانہ قدیم سے نعت لکھ رہے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم نعت گو شعراء پر شمالی ہند اور جنوبی ہند کی کئی جامعات سے اُردو اسکالرس نے Ph.D کی سند حاصل کی ہے۔ ریاست مہاراشٹر میں سنت کلڑوجی مہاراج ناگپور یونیورسٹی، ناگپور سے اس موضوع پر محترمہ ڈاکٹر عقیلہ سید غوث نے کام کیا ہے۔ جن کی ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی ہے۔ ویسے عقیلہ سید غوث کے تحقیقی مقالے میں کرشن کمار طور کی نعت گوئی کا ذکر نہیں ہے۔ کرشن کمار طور کا مجموعہ نعت ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ نعت کا نام ”چشمہ چشم“ ہے جسے حضرت کرشن کمار طور نے ناچیز کو دواؤں کے ساتھ ارسال کیا۔ جدید اُردو غزل کے معتبر شاعر کی حیثیت سے کرشن کمار طور کو اُردو معاشرے میں قابل احترام مقام حاصل ہے۔ اُن کے کلام کی خوبیوں اور محاسن پر وقت کے اہم نقادوں نے اظہارِ خیال کیا ہے۔

عہد حاضر کے بڑے نقاد شمس الرحمن فاروقی نے کرشن کمار طور کی شاعری پر یہ کہا کہ ”طور کی غزل میں غیر معمولی شعری وقت اور تخیل کا رفرما ہے۔“ معروف تنقید نگار جناب وارث علوی نے کہا کہ ”کرشن کمار طور کے اشعار میں ایک نکتہ ہوتا ہے جسے عرف عام میں مضمون آفرینی کہتے ہیں۔“ پاکستان کے معروف شاعر ظفر اقبال نے کرشن کمار طور کے تعلق سے یہ کہا کہ ”طور جیسے شعراء کا شمار اجتہادوں میں ہونا چاہئے۔“ معروف محقق انور سدید نے کرشن کمار طور کو جدید اُردو غزل کا خواجہ میر درد کہا ہے۔ اُن کے بارے میں انور سدید نے یہ بھی کہا کہ ”طور ہم کو جہان دیگر سے متعارف کرا رہے ہیں۔“ دکن کے معروف شاعر و نقاد جناب بشر نواز نے کہا کہ ”طور نے غزل میں جو اپنی شناخت بنائی ہے وہ کسی کارنامے سے کم

نہیں ہے۔“ کرشن کمار طور اردو تہذیب کے پروردہ ہیں، اُن کی شاعری میں اسلامی شعائر کا جو بے تکلف اظہار ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُنہوں نے اسلامی تصوف کا مطالعہ کیا ہے۔ اسی لئے اُن کو موجودہ عصر کا خواجہ میر درد کہا گیا ہے۔ کرشن کمار طور نہ صرف یہ کہ میدانِ تصوف کے باکمال شاعر ہیں بلکہ وہ ایک بے مثل نعت گو بھی ہیں۔ چنانچہ اپنے نعت کے مجموعے ”چشمہ چشم“ میں وہ رقمطراز ہیں :

”اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل رکھا ہے اُس کی بات نہ مانو۔“ (الکہف ۱۸-۲۸)۔ زیرِ نظر میری حمدیں، نعتیں اور سلام اس بات کی عین گواہ ہیں کہ میرا باطن رب العزت کے حکم سے روشن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے شک رجوع کرنے والوں کو بخشش عطا کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے اس بندے یعنی کرشن کمار طور کا قلب روشن ہے اور حُبِ نبوی سے معمور ہے۔ اسی وجہ سے طور نے نعت بھی منفرد انداز میں لکھی ہے۔ اُن کا یہ مجموعہ ”چشمہ چشم“ ہے جو اہل ایمان کی روحانی پیاس کو بجھا تا رہیگا اور عاشقانِ رسول ﷺ کو سرشار کرے گا۔ اس بے مثال مجموعہ حمد، نعت و سلام پر ایک مختصر سا تبصرہ لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

”چشمہ چشم“ اس مجموعہ میں تقریباً ۳۵۵ حمد ہیں، پچاس کے قریب نعتیں اور تیرہ سلام ہیں۔ میں یہاں صرف مجموعہ کی نعتوں کے محاسن پر اظہارِ خیال کر رہا ہوں تاکہ ثابت کر سکوں کہ عہدِ حاضر کے کرشن کمار طور بلند قامت نعت گو شاعر ہیں۔ یہاں چند سطور اُن کی حمدیہ شاعری پر سپرِ قلم کر رہا ہوں، وہ اس لئے کہ جس دل میں خوفِ خدا نہ ہو اور جو اللہ رب العزت کے عشق سے معمور و سرشار نہ ہو نعتِ پاک کہہ ہی نہیں سکتا، کیونکہ عشقِ خالق کائنات اور حُبِ نبی ﷺ یہ دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں۔ چند اشعار انکی چند حمدوں سے پیش ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے وہ نہ صرف معترف ہیں بلکہ وہ دل کی گہرائی سے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی محبوبِ حقیقی ہے اور خالق کائنات ہے۔

ہے تپتی دھوپ میں سایا بس ایک اُس کا نام تلافیِ غم دنیا بس ایک اُس کا نام
ہر ایک سانس معطر ہے اُس کے ذکر سے طور بدن میں خوشبو سا پھیلا بس ایک اُس کا نام
ہوں میں بھی اُس کا، مرا بست و در بھی اُس کا ہے سفر بھی اُس کا ہے ز ا سفر بھی اُس کا ہے
ہوئی کب تری عطاء محدود ہم ہیں محدود تو ہے لا محدود
آجائے کہیں جان مری حبان میں مولا اک حمد لکھوں میں بھی تری شان میں مولا
نطق سے نکلے جو تیری حمد میرے احساس کا بیاں تو ہی
درج بالا حمدیہ اشعار یہ ثابت کرتے ہیں کہ کرشن کمار طور کا دل ایمان کی روشنی اپنے آپ میں رکھتا

ہے۔ طور صاحب کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی غزلوں میں جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ صاف ستھری شفاف زبان اُن کی حمدوں اور نعتوں میں ہم کو ملتی ہے۔ الفاظ کو نہایت سلیقے اور ہنرمندی سے استعمال کرنے کے فن سے وہ واقف ہیں۔ اب یہاں کرشن کمار طور کی نعتوں سے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ کرشن کمار طور نعت گوئی کے آداب سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن کی نعت گوئی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضور محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس کے تمام روحانی و جسمانی رموز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ تمام عالم اسلام اس بات کو مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن دعاؤں کو قبول نہیں فرماتا جن میں حضور محمد ﷺ کا واسطہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے کرشن کمار طور کی نعتوں کا سلسلہ اس نعت سے شروع ہوتا ہے۔

اگر زورِ دعا ہیں تو فقط آپ ﷺ یہاں صلِ علی ہیں تو فقط آپ ﷺ
مہکتی ہے یہ دنیا جس سے ہر دم وہ خوشبوئے وفا ہیں تو فقط آپ ﷺ
منور ہوگا یہ دل بھی کسی دن ہمارا واسطہ ہیں تو فقط آپ ﷺ
طور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ دل کو روشن کرنے کے لئے حضور محمد ﷺ کی نسبت اور واسطہ کا دعاء میں ہونا لازمی ہے۔

اندھیری رات میں نورِ خدا دکھائی دیں اگر ہو آنکھ تو صلِ علی دکھائی دیں
دیکھنا ہے کہ حاجت روا کون ہے وہ نہیں تو مشکل کُشا کون ہے
ہے تم کس کی قرآن میں ذات و صفات ہفت افلاک کا آئینہ کون ہے
اُردو کے معروف نعت گو شاعر کا شعر ہے جو کافی مشہور ہے۔

جس طرف چشم محمد ﷺ کے اشارے ہو گئے جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہو گئے
حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے معجزات کا ذکر بھی کرشن کمار طور کی نعتوں میں ملتا ہے۔

وہ لوہا بنتا ہے پارس جسے وہ چھوتے ہیں وہ بادشاہ ہے جسے وہ گدائی دیتے ہیں
تسلط اُن کا ہے اب اپنے آب و دانہ پر پہاڑ جس سے ہو پیدا وہ رائی دیتے ہیں
ہے اُن کے ہاتھوں میں کبھی میرے مقدر کی مجھے تو ملتا سب کچھ سدا محمد ﷺ سے
جدھر بھی دیکھئے جلوہ نمائی اُن کی ہے جہاں میں کچھ نہیں ماوراء محمد ﷺ سے
یہی یقین ہے اپنا کہ روزِ آخر طور سچے گی تو بزمِ عطاء محمد ﷺ سے

حضرت کرشن کمار طور کی اس نعت شریف کو ملاحظہ فرمائیے کیسی بے پناہ عقیدت و محبت اس کے ہر شعر میں جھلکتی ہے۔

وہی ہے ہم کو عشقِ غیر فانی بانٹنے والا
وہی ہے وعدہٴ جنت فشانے والا
وہی ہے جس نے بخشی ہے ضیاء لفظوں کو قرآن کے
وہی ہے نورِ علمِ آسمانی بانٹنے والا
وہی ہے جس نے پایا ہے لقبِ عالم کی رحمت کا
وہی ہے دشمنوں میں مہربانی بانٹنے والا
وہی ہے جس کی حجت پر جہنم بھی ہے جنت بھی
وہی ہے زندگیِ حبا و دانی بانٹنے والا
وہی ہے روشنی بھرتا ہے جو بندوں کے باطن میں
وہی ہے اک مکان میں لامکانی بانٹنے والا

کرشن کمار طور نے چھوٹی بحر میں بہت سے نعتیں لکھی ہیں۔ اُن نعتوں میں فن کی معراج نظر آتی ہے اور اُن نعتوں میں لفظوں اور استعاروں کے اُستادانہ استعمال کا انداز ملاحظہ فرمائیے۔

بیانِ نقطہٴ قرآن محمد ﷺ چراغِ خانہٴ ایمان محمد ﷺ
مرتب اُن سے ہوتی ہے محبت مثالِ رحمتِ یزداں محمد ﷺ
ہوس تو لقمہٴ تر چاہتی ہے قناعت کے مگر مہمان محمد ﷺ
بس درود و سلام آپ کا ہے میرے دل میں قیام آپ کا ہے
آنسوؤں سے کروں اُسے روشن جس بھی کاغذ پہ نام آپ کا ہے
سب چاہیں، سبھی سے پیار کریں اک فقط یہ پیام آپ کا ہے

اور اس نعت پاک کے تیور ملاحظہ ہو

رنگِ نارِ خلیل ہیں آپ ﷺ حُسنِ ربِ جلیل ہیں آپ ﷺ
روشن جس سے تمام دُنیا نورِ غارِ طویل ہیں آپ ﷺ
قرآن میں جو کہا خدا نے طور اس کی فقط دلیل ہیں آپ ﷺ

اس نعت کے مقطع میں طور نے اُس واقعے کی طرف بڑے لطیف انداز میں اشارہ کیا ہے۔ حضرت بی

بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار کچھ نوجوان صحابیوں نے دریافت فرمایا کہ آپ بتائیے کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے تھے۔ اس پر بی بی عائشہ نے فرمایا تھا۔ ”آپ نے قرآن نہیں پڑھا۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور حضور ﷺ اُس کی عملی تفسیر تھے۔“

اور ایک چھوٹی بحر کی نعت کے چند خوبصورت اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے مرے دیدہ تر دیکھی ہے ایسی معراجِ بشر دیکھی ہے
دشمنوں پر بھی محبت سے پڑے تم نے کیا ایسی نظر دیکھی ہے
فرحتِ دیدِ نبی ﷺ دُنیا نے صورتِ شام و سحر دیکھی ہے
گدا ہیں تیرے دربارِ مدینہ کم ہم بھی ہیں فرقتِ مدینہ
سنور جائے ہمارا بھی مقدر نظر بس ایک سرکارِ مدینہ
کھلا ہے غنچہٴ اُمید ہر پل ہمارے بھی ہیں سالارِ مدینہ

کرشن کمار طور کی نعتوں کی منفرد خصوصیت اُن کی صاف، شفاف، کھری کھری زبان ہے جس میں بلا کی تازگی اور اثر آفرینی ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اُن کی نعت کے اشعار میں حضور محمد ﷺ کی ذاتِ مقدس کے روحانی، جسمانی اور نورانی جلوے واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ اُن کے اشعار میں حُبِ نبی ﷺ کا وجد آفریں اظہار ہے۔ کرشن کمار طور کے چند نہایت اثر آفریں اور دلوں میں اُتر جانے والے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اب اور اس کے سوا کیا بھلا محمد ﷺ ہیں
دعاء کے باب میں اصلِ دعاء محمد ﷺ ہیں
بیان کیا ہو بھلا ان کی عظمتوں کا طور
عرب کے صحرا میں ٹھنڈی ہوا محمد ﷺ ہیں

میرے مولا کی ڈھال سب کے لئے
ہے کرمِ حسبِ حال سب کے لئے
کچھ مسلمان پر نہیں موقوف
میمِ حاکمِ دال سب کے لئے

ختمِ تاریکیاں ہوئیں جس سے
ایسی تصویرِ قلب و جاں ہیں آپ ﷺ

کرشن کمار طور ہندوستان کے نامور غزل گو ہیں اُن کو اُن کے مجموعہ کلام ”غرفیہ غیب“ ساہتیہ پریشد اور اردو اکیڈمی دہلی کی جانب سے غالب ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کی مختلف ریاستی اکیڈمیوں نے اُن کو انعامات و اعزازات سے نوازا ہے۔ اُن کی نعتوں کے اس مجموعہ ”چشمہ چشم“ پر بھی انہیں انعامات و اکرامات سے یقیناً نوازا جائیگا اور اُن کے حق میں سب بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نعت کہنے کی سعادت سے نوازا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہو سکتا۔



فیروز احمد سیفی (نیویارک)

ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ

”محبت“ یہ وہ عطیہ خداوندی ہے جو انسان کے خمیر میں ودیعت کیا گیا ہے یہی وہ جذبہ ہے جو ساری کائنات کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ یہ خالق کائنات کا نور اور محبوب کائنات ﷺ کا منشور۔ کیفیات کا بحر بے کراں اور جذبات کا سیل رواں۔ علم و عمل کی معراج اور عبادت و ریاضت کا نچوڑ ہے۔ یہ چار حروف کا مجموعہ معانی و معارف کا وہ بحر بے کراں ہے جو اہل دل ہی جانتے ہیں۔ قدرت الہی کا نظام کچھ ایسا ہے کہ محبت انسانی کا محور و منبع اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے جو محبت کا خالق ہے۔ پھر وہ عظیم ترین ہستی نیر اعظم ﷺ جن سے خود اس ذات مقدس نے محبت کی اور اپنے بندوں کو اُس ذات ستودہ صفات رسول اکرم ﷺ سے محبت کرنے کا حکم صادر فرما کر یہ درس دیا کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ قرآن مجید میں کی سورتیں اس مفہوم سے شروع ہوئی ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ جل مجدہ کی ذات اقدس کی پاکی بیاں کرتے ہیں۔ ترغیب ہے بنی نوع انسان کے لی کہ وہ بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی پاکی بیاں کرے۔ انسان کا مقصد حیات اللہ جل شانہ کی عبادت ہے۔ اور یہ عبادت اُس کی حمد و ثنا ہے۔ جس کا حکم بندوں کو دیا ہے اور یہ پیغام حسینانِ عالم محبوب کبریٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے بخوبی اپنی امت تک پہنچایا ہے۔ خود آپ ﷺ کی زندگی سراپا حمد ہے۔ زندگی کا ایک ایک عمل، قول و فعل حمد ہے۔ قرآن کریم کا آغاز بھی حمد ہے اسکا اختتام بھی حمد ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حمد اسلام و عبادت کی روح ہے۔ حمد سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ حمد خلفائے راشدین کا وظیفہ حیات ہے۔ حمد خزینہ رحمت ہے۔ حمد گل جہانوں کا نور ہے۔ حمد ایمان کی پہچان ہی نہیں ایمان کی جان ہے۔ حمد سانسوں میں ایمان کی روانی ہے۔ حمد زندگی کا قرینہ ہے۔ حمد حسن ادب ہی نہیں روح ادب ہے۔ قابل تحسین ہیں وہ شعرائے کرام جنہوں نے اس صنفِ سخن میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ نعت درود و سلام کے پیکر شعری کا نام ہے۔ اور درود و سلام سنتِ ربّ جلیل ہی نہیں حکم خداوندی بھی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میں اور میرے فرشتے حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ

پر خوب خوب درود و سلام بھیجا کرو۔ اُس تیرا عظیم ﷺ کی تابانیوں اور ضیا پاشیوں کا صحیح اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتا ہے۔ ذاعیاناً اِلٰی اللہ بِاِذْنِهِ سِرَاجًا مُنِيرًا۔ اُس کے اختیار کی لامحدود وسعتوں کی حقیقت کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب اِنَّا اَعْطَيْنٰی کُلَّ کُوْثُرٍ کِی نوید جانفزا کانوں کی سماعت بنتی ہے۔ اُس سراپا سعادت ہستی کے فیوض و برکات کا علم اُس وقت ہوا جب رب العالمین نے اپنے محبوب کو اس خطاب سے نوازا وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔ الغرض خالقِ کائنات کے محبوب سید المرسلین، خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف و توصیف کا حق بخود زبانِ قدرت ادا نہیں ہو سکتا۔ غالب اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے پکارا اٹھا۔

غالب ثنائے خواجہ ﷺ بیز داں گزاشتیم

کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است ﷺ

نعت ایک ایسی صنفِ سخن ہے جسکی اپنی مخصوص زبان ہے اور اُسکی فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے اور وہ ہے جذبہٴ عشق۔ عشق وہ ہے جو حَقِّی لَا یَمُوت کے ساتھ ہو۔ اسی لے ارشاد ہوا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ۔ اور رب العالمین کی محبت کا ذریعہ اور راستہ رحمۃ اللعالمین کی محبت ہے جسے یہ نعت حاصل ہو جائے وہ کندن سے پارس بن جاتا ہے۔ اس خصوصی نسبت سے نعت کا مقام تمام اصنافِ سخن میں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسی نسبت سے نعت گو کی شخصیت بھی نہایت اہم، محترم اور بلند مرتبہ قرار پاتی ہے بشرطیکہ نعت گو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کی لازوال عظمتوں، لطافتوں اور دل آویزیوں سے حتی الامکان آشنا اور اپنے موضوع کی نزاکتوں کا ادب شناس ہو۔ اس معیار پر پورے اُترنے والے نعت گو نعت کی تاریخ میں خال خال نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کا شمار انہی خوش بختوں میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑی سعادت اور عظمت کی بات ہے۔

اب شانِ محمد ﷺ کے جس طوطی خوش نوا کا تذکرہ درپیش ہے وہ ہیں ڈاکٹر صغریٰ عالم صاحبہ جو حمد و نعت کو اپنی سانسوں کے زیر و بم سے منسلک کیے ہوئے تھیں۔ آپ کا مسکن شہنشاہِ دکن بندہ نواز گیسو دراز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شہر گل برگہ شریف ہے۔ وہ شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ رہیں۔ آپ شاعرہ اور ادیب بھی تھیں۔ آپ کی کئی تصانیف منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ آپ اپنے شہر اور حیدرآباد کے مشاعروں میں شرکت کیا کرتی تھیں۔ ۱۹۵۰ء میں وفات پائیں۔ آپ کی زندگی کے حوالے سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گی۔ یہ زمانے کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے دس سال کے قلیل عرصے میں زمانہ اس عظیم شاعرہ کو بھلاؤ کا ہے۔ گل برگہ شریف کے ایک پروفیسر صاحب کی صاحبزادی ڈاکٹر صاحبہ پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہی

تھیں۔ رابطہ ہوا لیکن انہوں نے تعاون نہیں کیا۔ ہم معذرت خواہ ہیں کہ حمد و نعت کا یہ گل دستہ پیش لفظ، تقریباً۔ ان لوازمات سے پاک ہے جس سے مجموعے کی خوب صورتی دو بالا ہوگی ہے۔

آپ کی حمد یہ اور نعتیہ تخلیقات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات گھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ اُس بارگاہِ بجمال میں بادلِ حیراں با چشمِ گریاں حاضر ہو کر اپنی عقیدتوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ حمد و نعت کو اپنی سانسوں میں بسا کر جدتِ طرازی، بے ساختگی، برجستگی و شیریں بیانی جیسی انمول صلاحیتوں کو اپنایا ہے۔ لفظوں کو برتنے کا ہنر جانتی ہیں، ہر جگہ التجا اور دعا کا لہجہ کارفرما ہے۔ انکساری اور عاجزی اُنکی فکرِ ایمان کی طرح پیوست ہے۔ لہذا سارا کلام عشق و مستی کا ایک زمزمہ ہے جو شروع سے آخر تک بہتا چلا گیا ہے۔ یہی آپ کے کلام کی خوبی اور ذوق و شوق کی حسین دلیل ہے۔

آئیے اب ڈاکٹر صاحبہ کے حمدیہ کلام کی نگل کاریوں کی طرف لئے چلتے ہیں۔ بارگاہِ مالک کون و مکاں میں وہ عرض گزار ہیں۔

میرے اطراف ترے قرب کی خوشبو ہر دم

میرے احساس کا جادو کوئی پکا ہوگا

با وضو رہتی ہیں ہر دم مری آنکھیں دونوں

تیرے دیدار کا کیا اور سلیقہ ہوگا

☆

مرا سر جھکا تھا جھکا رہا، تجھے دیکھنے کی ہے آرزو

مرے ہوش کو نہیں حوصلہ، مرے خواب ہی کے بدن میں آ

مری اس زبان پر تو ہی تو، تو بہارِ دل تو بہارِ جاں

سبھی گلستاں ہیں ترے لئے، کبھی خوشبوؤں کے دہن میں آ

میں سلگ رہی ہوں تری یاد میں، میں تڑپ رہی ہوں فراق میں

یہ ہزار جلوے ہیں کو بہ کو کبھی میرے دل کی کرن میں آ

میں جو غم میں ترے نڈھال ہوں، نہ سکوں ملا نہ اماں ملی

یہی دردِ دل کی ہے روشنی، دلِ داغ دار کہن میں آ

میرے لفظ ہیں کہیں بے نوا، مرے حرف میں ہیں خاموشیاں

کبھی لب بے تری یاد میں، تری یاد ہی کے سخن میں آ

روح پر چھائی ہوئی آج بھی ہے ہیبت تری
دل کو حاصل ہے مرے خاص یہ قربت تیری

☆

تو ہی تو ہوش ہے مرا تو ہی مرے جنوں میں ہے
مجنوب اک نفس ہوں میں ترا خیال ہر طرف

☆

میری آنکھ میں جذب تو ہی ہوا ہے
رگ جاں میں خون بن کے رہا ہے

☆

میں ہوں عشق پہچان تری اے خدایا
ترے ذکر ہی نے سہارا دیا ہے

یہ انداز التجاد کیھئے

جبین شوق میں سجدے تڑپ رہے ہیں بہت
پتہ مجھے بھی ملے تیرے آستانے کا
طوافِ کعبہ کو کب سے ترس رہی ہوں یہاں
عطا ہو وقت سرِ بندگی جھکانے کا

☆

میرے یا رب مجھ کو بلا لے کعبہ تو
رستے رستے سر کو جھکانے والی میں

صغریٰ کے انجام کا مالک تو ہی تو
خوش نودی کا فرض نبھانے والی میں

حاضری حرمین شریفین کی کیڑپ کا اچھوتا انداز ملاحظہ ہو

اک روشنی امید کی ہر دم ہمارے سامنے
اور جانبِ مغرب طرف کعبہ کے ہم تاکا کئی

سر میں ترا سودا رہا خوے، جنوں قائم رہی
اور پیروی میں عشق کی رنگِ خرد بدلا کئے
کیا دوریاں کیا فاصلے، کیا سارباں کیا قافلے
کر کے تصور در پہ ترے دم بدم پہنچا کیے

اپنے رب سے آرزو اور امید کا اظہار ہو رہا ہے

کس درجہ پریشان ہیں اک تجھ کو بھلا کر ہم
کیا تجھ کو گوارہ ہے بندوں کو بھلا رکھنا
آدابِ خداوندی صغریٰ کا مقدر ہو
اور قلبِ متور کو باطل سے جدا رکھنا

اپنی کم مائیگی کا احساس یوں بیان ہوا ہے

لکھتی رہی ہوں حمد صدا خونِ جگر سے
کیا غم ہے کہ خون رنگِ طلّائی نہیں دیتا
خاموش صداؤں سے سدا اس کو پکاروں
آواز میں گر نغمہ سرای نہیں دیتا
کچھ اپنی ہی نظروں میں عقدت کی کمی ہے
قطرے میں اگر دجلہ دکھائی نہیں دیتا

آئی اب ڈاکٹر صاحبہ کی گلشنِ نعت کی سیر کرتے ہیں

جب حبیبِ رسول اکرم ﷺ کی نعت کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو نعت کی صورت میں چھلکنے
لگتا ہے

محمد ﷺ محمد ﷺ زباں پر ہے میرے
ثنائے محمد ﷺ ثنائے خدا ہے
لیا جو نام محمد ﷺ تو جان و دل روشن
وفا کی بات ہے آتی نہیں سکھانے سے

ڈاکٹر صاحبہ رقم طراز ہیں

میری زندگی میں سچا رنگ عشقِ رسول ﷺ کا رنگ ہے۔ خدا نے اس رنگ سے میری رِدا رنگ

دی ہے۔ میرے اس عشق کا معاملہ دو چار برس کا نہیں ہے بلکہ میری سانسوں کے ساتھ جاری ہے، بچپن ہی سے بے انتہا عقیدت و محبت رہی ہے، جب اپنے بھائیوں کے نام سے قبل محمد ﷺ لکھا دیکھتی تھی تو تمنا ہوتی کہ میرے نام سے قبل بھی محمد ﷺ کیوں نہ لکھا جائے۔

اس تشنگی اور تمنا کا پرتو اس شعر میں متور ہوا ہے۔

میں نہ لکھ پاؤں تو صیف محمد ﷺ صغریٰ

اتنا آسان نہیں تو صیفِ پیمر ﷺ لکھنا

اپنے یقینِ کامل کا اظہار یوں کیا ہے۔

محمد نام ہے تقدیسِ ربی سے عقیدت کا ﷺ

محمد نام ہے اللہ سے شہ رگ سے قربت کا ﷺ

محمد نام ہے شانِ ربوبیت کی حشمت کا ﷺ

محمد نام ہے اللہ کے ہر رنگِ صولت کا ﷺ

ڈاکٹر صاحبہ کا سارا کلام آپ کے جذباتِ عالیہ، درد، سوز و گداز کا آئینہ دار ہے جس میں قلب و روح کی بالیدگی عیاں ہے۔ مالکِ حقیقی پر ایمانِ کامل اور ہادی کون و مکاں رسول مقبول حضرت محمد ﷺ سے سچی محبت ایک حد ادب چاہتی ہے۔ اسکو ہر حال میں ملحوظ رکھا ہے۔

مسجدِ توحید کے محراب در محراب میں

شمع احمد ﷺ سے ہو وابستگی یا مصطفیٰ ﷺ

محبوب کے شہر مقدس کی حاضری، کوچہٗ محبوب کے چرچے آپ ﷺ کے مہک بار رستے، روضہٗ محبوب کی زیارت کی آرزو، گنبدِ خضریٰ کے دیدار کی تمنا ہر عاشقِ صادق کا سرمایہٗ حیات ہے۔ جسکی گواہی ڈاکٹر صاحبہ کے یہ اشعار دے رہے ہیں۔

صغریٰ کو مرے یا رب تو سوئے عرب لے چل

تسکین عطا فرما دربار محمد ﷺ سے

کتنی ہی جاں بلب ہوں، تڑپتی ہوں رات دن

اب جلد ہو نصیب زیارت رسول ﷺ کی

☆

جبینِ شوق کا ہے آستانِ مدینے میں
نصیب ہوگا مرا مہرباں مدینے میں

☆

اُن کے صدقے میں لٹا دوں یہ مری عمر رواں
ہیں مری روح، مری جان رسولِ عربی ﷺ

☆

بس تو ہی مجھے دیدے وہ دیدارِ مدینہ
کچھ اور اگر مجھ کو دیا ہو نہ دیا ہو

☆

میرے خیال میں خوابوں میں روضہٗ اطہر
سراغ اپنا خدائی نے یوں دیا ہے مجھے

☆

میرے تصورات نے ایسا صلہ دیا
دل نے در حضور ﷺ پہ لا کے بٹھا دیا

☆

حاصلِ خلد یہی ہے درِ طیبہ دیکھوں
اپنے اطراف درودوں کا اُجالا دیکھوں

☆

ہو ختم مری جان محمد ﷺ کے شہر میں
دو گز کا ایک مکاں محمد ﷺ کے شہر میں

☆

آخری سانسِ مدینے میں میسر ہو مجھے
موت ہو جائے گی آساں رسولِ عربی ﷺ

☆

حصارِ گنبدِ خضریٰ سے عرشِ اعلیٰ تک
نصابِ عشق میں جلوہ جلال احمد ﷺ کا



تصور گنبدِ خضریٰ کا، مری آنکھ بھر آئی
یہ اظہارِ عقیدت ہے کروں یہ چشمِ تر صدقے



ہمیشہ گنبدِ خضریٰ کو رو برو دیکھوں
وہی چراغ ہے سورج ہے اور ضیاء ہے مجھے



نظروں میں جب سے گنبدِ خضریٰ سجا گیا
بے آب مچھلیوں سا ہی صغریٰ کا حال ہے



دیکھ کر دنیا کو یہ آنکھیں ہوئیں ناپاک سی
گنبدِ خضریٰ کو دیکھوں دیدہ تقدیس لکھ



اب تو بس چشمِ تصور کی مہربانی ہے
دور و نزدیک سے بس گنبدِ خضریٰ دیکھوں



نمازِ عشقِ خدا ”عشقِ مصطفیٰ ہے“ درود
اذاں میں پیش ہو عشق، بلال احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا



اُس ربِّ ذوالجلال نے پیغام یہ دیا
صغریٰ درودِ تاجِ مسلسل پڑھا کرے



میرے تصورات نے ایسا صلہ دیا
دلِ در حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ لا کے بٹھا دیا



تلاوتوں کے لئے آنکھ میری روشن ہو
درِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ماہِ چراغ مانگا ہے



زباں پہ نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہو یا رب
جبینِ عشق پہ سجدوں کا داغ مانگا ہے



تو صمد ہو کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا شیدا ہے تو
ہم نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی ہے



لب کے پھولوں میں درودوں کو سجائے رکھیے
اُن کے دربار میں ہاتھوں کو اٹھائے رکھئے



یہ احساس کر کے بہت خوش ہوئی ہوں
کہ نعلین اُن کے صلی اللہ علیہ وسلم سب جا رہی ہوں



صغریٰ یہ مضطرب بھی ہے بیمار بھی بہت
مل جائے شب و روز شفاعت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم



مجھے یقین کہ وردِ محمدی کے طفیل
بتولِ زہرا کے دامن نے سی لیا ہے مجھے



مدت سے اُن کے در کی زیارت کی تھی تڑپ
آگئی ہیں در پہ آج تو جانا محال ہے



اک بار جو بطحا کی فضاؤں میں رہا ہو
پھر اس کو کہاں غم کی جیا ہو نہ جیا ہو

☆

حضور پاک کے روضے پہ جان دینی ہے
میں کیسے آؤں محمد ﷺ کے آستانے سے

☆

مدینہ جا کے میں پیوند خاک ہو جاؤں
مجھے تو جا کے پلٹنا نہیں ٹھکانے سے

☆

مجھ کو خاک مدینہ میں تر کیجئے
میرے دونوں جہاں با ثمر کیجئے

☆

میں کنیز محمد ﷺ اُسی در پہ سر کو جھکائے ہوئے
اور رو برو مکہ مدینہ بھی ہے جب محمد ﷺ کہوں

اپنا خاتمہ بالخیر ہونے کا اظہار۔ سبحان اللہ ۔

سر مژگاں صدف آنکھوں کے موتی چُن کے آئی ہوں

دروودوں کی ہری چادر ابھی تک بُن کے آئی ہوں

مجھے یہ بات ساری احکم الحاکمین سے کہنی ہے

مدینہ آتے آتے من کی باتیں سُن کے آئی ہوں

مرا بھی خاتمہ بالخیر ہو یا رب مدینے میں

حقیقت میں یہی سودا کئی گھر اُن کے آئی ہوں

میں نہ شاعر نہ ادیب، سخن ورنہ سخن سنج۔ البتہ نعتیہ کلام کا ذوق جیسی نعمت خداوندی نصیب ہوئی

ہے جس کے تحت ایک ایسی اندلیب گلستانِ جمالِ محمدی ﷺ کے ایمان پروردِ حمد و نعت کا مجموعہ

محرابِ دعا، پیش کرنے کی اک سعی ناتمام کی ہے جو اہل دل کی نظر ہے۔



مقالاتِ نعت

مشل اُس کا کوئی آیا ہے نہ اب آئے گا
میرا ماضی بھی وہی ہے مرا فرد ابھی وہی

وہ مری عقل میں ہے وہ مرے وجدان میں ہے
میری دنیا بھی وہی ہے مرا عقبی بھی وہی

وہ بشر ہے کہ یہی اس کا ہے ارشاد مگر
اِس جہانِ بشریت میں ہے یکتا بھی وہی

(احمد ندیم قاسمی)

منیر احمد ملک (اسلام آباد)

حرفِ آرزو

حرا جب خیال آئے خوشبو میں بس کے آئے
رہیں ساتھ ساتھ میرے تری رحمتوں کے سائے
یہی آرزو ہے میری یہی دل کی ہے تمنا
ترا ذکر کرتے کرتے مری عمر بیت جائے

بصدِ عجز و نیاز و ادب و عقیدت مجھے محبوبِ کبریا ﷺ کی عظمت اور اُنکے شانِ خوانوں کے وسیع علم و دانش کا پورا پورا احساس ہے جس کے حلقہٴ ارادت کو توڑنا ناممکن مگر اُس میں شامل ہونا باعثِ صد سعادت ہے۔ اسی لیے ذکرِ نارسائی سے باریاب نظر ہونے تک اپنے بارے میں عرض کرتا چلوں کہ میں نہ تو سخن ور ہوں کہ شوخیِ گفتار سے آپ کے شعلہٴ نفس کو گرما سکوں اور نہ ہی قلم کار کہ لفظوں کے خرف ریزوں سے ہیرے تراش سکوں۔۔۔۔۔ نہ تو میرے پاس اظہارِ بیان کا وہ جادو ہے جو قطرے کو سمندر کر دے اور نہ ہی میں حاملِ جبہٴ دستار کہ اپنے تارِ نفس سے آپ کے دامن میں شعور و آگہی کے موتی پر سکوں۔ علم و عمل سے میرے جیب و داماں خالی ہیں میرا زادِ راہ تو فقط محبتِ رسول ﷺ ہے۔ اور یہی محبت میری زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ۔۔۔۔۔ مجھ زیاں کار کے پاس لے دے کے ایک ہی تو سرمایہ ہے۔۔۔۔۔ اور وہ ہے محمد ﷺ کی ذاتِ قدسی سے محبت۔ میرا زادِ راہ یہی محبت ہے اسی محبت کی سوغات لیکر میں آپ کے پاس حاضر ہوں۔

اُن کی محبت ہے سلامت ہم بھی اُن کی محبت کے سوا کچھ نہ خدا را مانگو۔

محبت ----- زندگی ہے
زندگی کا خوبصورت استعارہ ہے
فضائے دہر میں کوئی بھی موسم ہو
کوئی کتنا ہی برہم ہو

دل و جاں نے بہت صدمات جھیلے ہوں
محبت نے ہمیشہ حسن کا چہرہ نکھارا ہے
ہر اک ویران آنگن میں
ہمیشہ زندگی کرنے کے جذبے کو ابھارا ہے
محبت زندگی ہے زندگی کا خوبصورت استعارہ ہے

اور آگر یہ کہا جائے تو وادی جاں مہک مہک جائے

مسا فر نیم جاں ہو کر اجل کی راہ تکتا ہو
سُگلگتی ریت کے ذرے بدن کو چاک کرتے ہوں
لہو زخموں سے رِس رِس کر زمیں پر خاک ہوتا ہو
تو ایسے میں مرے ہدم محبت زخم بھرتی ہے
محبت چھاؤں کرتی ہے محبت ابرِ باراں ہے

اصلِ حیات تیری محبت ہے جانِ جاں
ہے تیرا عشق اصل میں سرمایہٴ حیات

تحریر کے ابرِ ریشم میں حسنِ تربیت کا فقدان اور الفاظ کی کم مائیگی شاید زبانِ حال سے پکارتی نظر آئے تو اسے میری تقصیر سمجھیے گا اور اگر کسی لفظ کا حُسن کسی خیال کی عُدرت آپ کی نگاہِ جمال بن کر دل کے تاروں کو چُھو لے اور محبوبِ انس و جان ﷺ کی محبت کی دھنک ستاروں کی طرح پلکوں پہ اُتر آئے تو یہ میرا کمالِ نگارش نہیں بلکہ احسانِ خداوندی اور آقا ﷺ کی نذرِ کرم کا صدقہ ہوگا۔

مری لے میں سوز تری دعا مرے حرف و معنی تری عطا
مری آنکھ میں بھی نمی نہ ہو جو تری نگاہِ کرم نہ ہو

حُسنِ کلام کی یہ تمثیل محبت کے ریشم کی اُس ردائیں محفل کے پیوند کی مینا کاری ہے۔ اجمالِ اسکا یہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا عبدالغفور ہزاروی سے سوال کیا گیا کہ حضرت اس قدر دینی کتب ہیں کہ اُن کا شمار ممکن نہیں۔ آپ دو لفظوں میں اسلام کے بارے میں بیان فرما دیجیے آپ مسکرا دئے اور فرمایا ”اسلام دو لفظوں میں بھی ہے“ اُس وقت بہت سے عقیدت مند آپ کے حُجّے میں جمع تھے آپ نے فرمایا۔ ”حاضرینِ محفل آپ لوگ سُن لیں۔ ہو سکتا ہے ایسا سوال کرنے والا بخت آور پھر کوئی نہ ہو یہی مجلس دو گھڑی پھر ہاتھ نہ آئے اور نہ ہی شاید ایسا جواب دینے والا میسر ہو! دین صرف دو باتوں میں ہے خوف

خدا اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ اس حُسنِ ادا نے سب کے دلوں کو موہ لیا۔

نبی کا عشقِ خدا کی اطاعتِ کامل

یہ دیں کی اصل ہے باقی تمام افسانے

سید ابوالخیر کشتی کے الفاظ میں ”زبان کا حُسنِ بیاں انسان کے لیے خدا کی سب سے بڑی دین اور نطق و بیان کی معراج و ذکرِ نبی ﷺ“ ہر خوبصورت جذبہ دلکش بننے کے لیے اظہار کا متقاضی ہوتا ہے۔ وہ جذبہ رفاقت کا ہو یا پیار اور محبت کا۔۔۔ لیکن جب تک جذبہ دل سے نہ ابھرے لبِ اظہار تک آہی نہیں سکتا۔۔۔ خیالِ نو پیکر محسوس میں ڈھلنا، تصور کو گرفت میں لے کر صفحہِ قرطاس پر اس کی تصویر اتارنا۔۔۔ جذبے کی نارسائی کو اظہار کی زینت بنانا۔ اور حُسنِ تخیل کو حقیقت کا پیرہن پہنانا کوئی آسان کام نہیں۔

ان صبر آزمائوں میں ہر مدحت نگارِ اذنِ باریابی کے ساتھ ساتھ عرضِ تمنا کے لیے بھی حضور ﷺ کی نگاہِ التفات کا طلبگار ہوتا ہے۔ جب اُس کے دل کے حرامی نفسِ جبرئیل اُترتا ہے تو وہ عجز و انکسار اور عقیدت و محبت کے جذبات سے سرشار ہو کر حرفِ ثنا کی تخلیق کرتا ہے تکریم و تحریم کے حسین امتزاج، حرفوں کے خوبصورت استعمال اور لفظوں کے حُسنِ ارتباط کے ساتھ اپنی عقدت کا سارا خراجِ ممدوح کا میناتِ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر کے وہ نہ صرف روح کے لیے کیف و سرور کا ساماں پاتا ہے بلکہ اپنی بخشش کی نوید جانفزا بھی۔

محرور تھے الفاظ و بیاں حُسنِ رقم سے

مربوط اک اُسی نے کیا لوح و قلم سے

ڈھالا ہے مساوات کے سانچے میں ضدوں کو

اخلاق و مروت سے محبت سے کرم سے

جہاں تک حقیقتِ حال کا تعلق ہے ایک مداحِ رسول ﷺ کے الفاظ میں ”وہ ممدوح جس کے سامنے دل جھکتے اور روح دوزانو ہو جاتی ہے۔ جہاں فکرِ جنت نشاں، خیالِ فردوسِ بداماں اور اندازِ بیان آفرین ہو جاتا ہے۔ شکستگی کے اعتراف کے ساتھ قلم اپنی تمام تر رعنائیوں، فکر اپنی جملہ رفعتوں اور اپنی ساری فصاحتوں کے باوجود اُس ذات والا صفاتِ ﷺ کے حضور مدح و ثنا کا خراجِ کما حقہ پیش نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔ آپ مصدرِ قرآن بھی ہیں اور حُسنِ انسان بھی، سارا قرآن آپ ﷺ کی توصیف کا دیوان ہے۔

جب اس قدر رفیع المرتبت محبوب ﷺ کے حضور باریابی ہو تو مداح کا قلم کیوں نہ کانپ کانپ جائے۔ راہوارِ تخیل کا دم پرواز سے پہلے ہی کیوں نہ ٹوٹ ٹوٹ جائے۔ شانِ رسالت مآب ﷺ کا آگینہ اتنا نازک ہے کہ سوادب کا ادنیٰ سا شائبہ راندہ درگاہِ کردینے کے لیے کافی ہے۔ اس لئے مدحت نگار تو بار بار زبان و قلم کو کوثر و تسنیم سے دھو کر مُشکِ بار کرتا ہے۔ بار بار اپنے الفاظ کی ثقالت کو تقدس کی کسوٹی پہ جانچتا ہے اور انہیں لطافت کی سُندرتا میں سمو کر مالکِ کوثر و تسنیم ﷺ کے حضور پیش کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اُس بارگاہِ نازِ ﷺ میں کوئی شعر و سخن اپنے فکر و فن پہ ناز نہیں کرتا بلکہ آرزو اور تمناؤں کی کہکشاں میں ندرتِ خیال کا حُسن اور عجزِ عقیدت کے موتی سجاتا ہے۔

کہاں تیرا حسن آقا کہاں میری بریدہ سوچیں

تیرا ثنا خواں ہوا جو ہوں کرم تیرے التفات کا

مجھے ضرورت ہی کیا جو کچھ اور چیز اپنے خدا سے مانگوں

زہے مقدر مجھے میسر تری محبت کا آسرا ہے

روح بدن کے قالب میں ڈھلتے ہی اذل سے میرے دل کی یہ آرزو رہی کہ میں بوستانِ رسول ﷺ میں بکھرے ہوئے اُن پھولوں کو سلکِ مروارید میں پروتا جو محبوبِ کبریا کے نام لیواؤں نے اپنی عقیدت کی خوشبو سے معطر کر کے عالمِ رنگ و بو میں کھلائے ہیں۔ محبت کے ان شہ پاروں کو حسنِ ترتیب کی لڑی میں سمونا جو اُس ذاتِ قدسی ﷺ کو چاہنے والوں نے قرطاس و قلم کی زینت بنائے ہیں۔ چاہت کے جو بناروں میں گنگنا تے ہوئے ان نغموں اور مُشکِ بوجذبوں کو کہکشاں رنگِ گجرے میں سجانا جو اُلفتِ شعاروں نے سرلوحِ عقیدت رقم کی ہیں ایسا کیوں کر نہ ہوتا۔

عروسِ حجلہ کون و مکاں ہے حبیبِ انس و جاں و قدسیاں ہے

نہیں محبوبیت میں جس کا ثانی مرا آقا نگارِ دو جہاں ہے

میرے محبوب ﷺ کا نام وقت کی سرحدوں سے بہت بلند ہے پانچوں وقت اذان میں مسجد کے فلک بوس میناروں سے شب و روز محمد ﷺ کے حسین نام کی مُنادی ہوتی ہے۔ صدیاں بیت گئیں مگر اس آواز کا سحر آج بھی گردشِ لیل و نہار کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔۔۔ یہ دل آرا نام تسکینِ قلب و جاں ہی نہیں بلکہ وہ مینارِ نور بھی ہے جسکی روشنی میں بھولی بھسکی انسانیت آج بھی منزل کا نشان پاتی نظر آتی ہے۔

آوازِ سحرِ سن اور خموشی سے غور کر یہ کس کا نام لینے ہوتی ہے سحر پیدا

منتہائے کلام یہ کہ قدسی مقالِ اقبال نے اپنی عقیدت کے عطر کو ان خوبصورت الفاظ کی سُندرتا میں سمویا ہے ۔

در جہانِ ذکر و فکر و انس و جاں تو صلوة صبح تو بانگِ اذان
جہاں تک محبوبِ دو جہاں ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کا تعلق ہے اُس کے لطفِ بیان کے لیے

خوشتر آں باشد سرِّ دل برآں گفتم آید در حدیثِ دیگران
اس حُسنِ تصور کی پاسداری کے لیے میں نے دھڑکتے ہوئے دلوں کے بطن سے جگر ہائے لُخت لُخت جمع کی ہیں ، ڈوبے ہوئے مہر و ماہ کی چھتی ہوئی روشنی میں عقیدتِ مصطفیٰ ﷺ کے چمکتے ہوئے کواکب کو چُنا ہے بیتی ساعتوں کو ذوقِ چاندنی میں ارادتِ مرتضیٰ ﷺ کی زرتارِ کرنوں سے ریشم و کنوَاب بنا ہے محبتِ رسول ﷺ اُن کے طلسمی پردوں میں جھروکے سے جھانکتے ہوئے چاند کی طرح سینہِ قمر طاس پہ ہشت پہلو میں جلوہ گر ہے ۔

ما تھا ہے جیسے چاند کی کشتی میں آفتاب
ابرو ہیں جیسے جھیل پہ سوئی ہوئی ہو رات
اس موہنے سے مکھ پہ آنکھیں خدا دراز
اُس کے لباس میں مشک سے لکھے ہوئے گلاب
یا ایہا المزمّل سورج بھی ماند ہیں
یا ایہا المدثر کملی میں چاند ہیں

میرے حضور ﷺ کا حسنِ بلاشبہ نظروں کو خیرہ کر دینے والی روشنی ہے۔ اللہ کسی کو توفیق دے تو دیکھے کہ روشنی لفظوں میں کیسے گونڈھی جاتی ہے، چاند آنکھوں میں کیسے اُتارے جاتے ہیں اور جان اُن پہ کیسے داری جاتی ہے ۔

گہر وہ لفظ کتنے محترم ہیں جو کام آجائیں آقا کی ثنائیں
قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے الفاظ میں ”گل چمن سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے سامنے ایک گلشنِ خلد بہار ہوتا ہے۔ جس کے ہر ایک پھول کی رنگینی و شادابی دامنِ نگاہ کو بھر دینے والی ہوتی ہے۔ یہ گل چمن کا اپنا انتخاب و مذاق ہے کہ کس پھول کو لیا اور کس کو چھوڑا مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے چھوڑا وہ اس سے کم نہ تھا جسے چُن لیا بقول کسے ۔

اے دوست اس چمن سے ایسے گلوں کو چُن
ہر شخص داد دے ترے انتخاب کی

خوبصورت سیرت نگار سید اسعد گیلانی کا مُشکِ بوقلم ان الفاظ میں جن کے لیے مصروفِ ثنا ہے۔ ”رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ انسانی زندگی کے لیے ایک ایسا اُسوۂ حسنہ ہے جس میں زندگی کے ہر پہلو کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ یہ ایک ایسا سدا بہار گلستاں ہے جس میں ہر قسم کے پھول اور ہر نوعیت کی جاں فزا خوشبو موجود ہے۔ رہگذارِ حیات کا ہر راہی اس گلستاں سے مشامِ جاں معطر کر سکتا ہے اور اس خوشبو سے زندگی کی تازگی، شگفتگی اور دل آویزی حاصل کر سکتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ہر ارشاد قولِ فیصل ہے اور ہر عملِ زندگی کے لئے نشانِ منزل۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۂ حسنۃ) اللہ کے رسول کی زندگی میں تمھارے لیے بہترین رہنمائی موجود ہے، یہ رہنمائی قدم قدم پہ ملتی ہے، بات بات میں بھی اشارات و کنایات میں بھی، اُس مدتِ اباں کی چاندنی عجاظِ تکلم میں بھی نکھرتی ہے اور حسنِ گفتار میں بھی، اس جمالِ جہاں آرا کی روشنی پھولوں کی طرح کھلتے لبوں میں بھی ملتی ہے اور خاموشی و سکوت کی منہ بند کلیوں میں بھی۔

غرض آپ ﷺ سرِ اُپار شد و ہدایت، سرِ اُپاروشنی، سرِ تابِ قدمِ مجسمہ حُسن و جمال و کمال اور مینارِ نور ہیں جس سے پوری انسانیت قیامت تک رہنمائی اور صراطِ مستقیم کا نشان پاتی رہے گی، ”پردہ اُس چہرہ انور سے اُٹھا کر اک بار اپنا آئینہ بنا دے مہِ تاباں ہم کو میری یہ کاوش ہنر بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سُوئے حرم لے چلنے کی مقدور بھر سہی ہے۔ محبت کا یہ صحیفہ قافلہ سالارِ عشق سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درِ فراق اور سورِ عشق کی برہا کہانی کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ قدسی مقالِ اقبال کی عقیدت ان احساسات کے ساتھ جن کے قدم چومتی ہے ۔

فدائے ہفت آں رندِ پاکم خدا را گفت مارا مصطفیٰ بس

بہ الفاظِ دیگر ۔

پروانہ کو چراغ ہو بلبل کو پھول بس

صدقہ کے لیے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

اس حدیثِ شوق میں سوچ رُت کی یاد کے آہو ہیں، پلکوں پہ چمکتے جگنو ہیں، لفظوں میں مہکتی خوشبو ہے۔ اس میں ہجر کے گیت ہیں عقیدت کے آنسو ہیں جدائی کی کسک ہے طن کی تڑپ ہے ہجر و فراق میں سُنگتے دلوں کی محبت بھری داستاں ہے۔ محبت بھی وہ جو پھول کی طرح منزہ اور چاند کی طرح بیدار ہے۔

خالقِ کائنات نے جسے معراج کی رات اپنے محبوب ﷺ کی موجودگی میں ترتیب دیا اس میں دلِ صد پارہ من کے ٹکڑے ہیں جن کے ذرے ذرے کو میں حسنِ عقیدت کی پلکوں سے چُٹا اور لوحِ دل پہ رقم کرتا رہا اس داستانِ محبت کا ہر لفظ زباں پہ بارگاہِ محبوب ﷺ میں پہنچنے کی تڑپ اور اُن کے حضور ﷺ حاضری کی تمنا لیے ہوئے ہے۔ مہر و وفا کے اس لالہ زار میں کھلے ہوئے ہر پھول کی خوشبو روحِ محمد ﷺ سے مُشک بو ہے۔ جس کے عکاس انوارِ المصطفیٰ ہمدی کے یہ دل آرا الفاظ ہیں ۔

احساس میں مہکی ہوئی خوشبو تری باتیں
الفاظ میں اُترا ہوا جادو تری باتیں
تو حُسنِ مرے دن کے اُجالوں کی دھنک ہے
راتوں کو چمکتے ہوئے جُگو تری باتیں
تو ہی تو دِلِ سا ہے مرا شامِ الم میں
بہنے نہیں دیتی مرے آنسو تری باتیں
اُڑ جائے اگر نیندِ غمِ دہر سے میری
سہلا کے سلا دیتی ہیں گیسو تری باتیں
چلتا ہوں تو دامن بھی چمک اُٹھتا ہے میرا
پھیلی ہیں گہر بن کے ہر اک سُو تری باتیں
سرمایہ ہیں انوار کی اس عمرِ رواں کا
جاناں تری آنکھیں ترے ابرو تری باتیں

پس

اُنکی باتیں امرت جیسی کانوں میں رس گھولیں
وہ بولیں ہم سُنتے جائیں جیون بھرنہ بولیں

میرا یہ سرنامہ نقدِ جاں محبوبِ دو جہاں ﷺ کی محبت میں گندھے ہوئے گجرے کے پھول ہیں میرا کام تو بس اُن کی تزئین و آرائش تھا۔ ان نابدار موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا تھا دل آویز حرفوں کو لفظوں کی مالا میں سوننا تھا ۔

فکر کے گلشن سے چُن کے لایا ہوں یہ چند پھول نذرانہ قبول ہو جائے
کُچھ پانے کی جستجو میں کُچھ گونا گویا پڑتا ہے۔ حکمت و دانش کا تقاضہ ہے کہ کہنے والے کو نہ

دیکھو بلکہ اس امر کو پیشِ نظر رکھو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اسی سبب ریاضِ رسول ﷺ میں جا بجا بکھرے محبت کے ان پھولوں کو چُختے وقت اُنکی آبیاری کرنے والوں کا خیال نا دانستگی کے عالم میں دل سے محو ہوتا رہا۔۔۔۔۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلیقہ انتہا کا چاہیے موتی پر رونے میں پھر بھی عشقِ رسول ﷺ کے جذبے کی حُسنِ آفرینی کے باوجود اگر میرے پیرا یہ اظہار میں آپ کو گاہے گاہے راوی کے وجود کی کولمٹا کی کمی محسوس ہو تو اُسے میری بھول سمجھ کر محبت کرنے والی آنکھ سے کام لیجئے گا جو حُسن و فتح سے قطعِ نظر عیب و ہنر سے صرفِ نظر کر لیتی ہے، عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے جن نام لیواؤں کے رشحاتِ قلم کی خوشبو سے انجمنِ آرائی کی ہے، دل کے خاکستر میں دبی چنگاری کو سُلگا یا ہے عقیدتِ مصطفیٰ ﷺ کی دل کش اداؤں سے دلوں کو برمایا ہے اُن کے لیے میرے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعائیں ہیں اُن کی جزا تو بخدا احسن الجزا دینے والے کے پاس ہی ہے۔ ان کے اظہار کے جادو نے محبت کی شفق میں کتنی سردی سرخیاں گھولی ہیں، اُنکی نکتہ آفرینی نے محبت کی راہ میں کس قدر گُل کھلائے ہیں، نیازِ عشق نے حُسن کے صدقے میں کتنے چاند اُتارے ہیں، محبت کی بے چینوں نے کتنی بے خواب آنکھوں کو رَت جگے بخشے ہیں اور اُن دھنک رنگوں کو سجانے میں میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ میں آپ کے حُسنِ نظر پہ چھوڑتا ہوں ۔

ہر اک سے اپنی محبت کی داستاں کہ دی

میں یہ خوشبو چُھپا کے کہاں کہاں رکھتا

اس حدیثِ دل میں سب کچھ ہے لیکن وہ سب کچھ نہیں جو ہونا چاہیے کیوں کہ دامنِ قرطاس میں اتنی وسعت کہاں کہ محبوبِ داور ﷺ کی محبت کی خوشبوئے دل آرا کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے، گنگ جذبوں اور بجز سوچوں کے حصار میں میرے لبِ اظہار پہ عجزِ بیاں کی اس ثروت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

استعاروں میں محبت ہو نہیں سکتی

آپ ﷺ سا کوئی نہیں بس آپ سا کوئی نہیں

پھر بھی میں نے بہت نیل کی سی سعی کی ہے کہ اہل دل کے دل میں شاید کچھ جگہ پالے۔

یہ عقیدت بھی عجب شے ہے کہ اکثر

مفلس کو بنا دیتی ہے یوسف کا خریدار

یوسف مرزا کے الفاظ میں حُسنِ یوسف علیہ السلام کے پرستاروں میں ایک خوش بخت پیرِ زال کا ذکر ملتا ہے جو سوت کی اٹی لیکر بازارِ مصر میں نکلی تھی۔ وہ خوب جانتی تھی کہ اس کا راسُ المال اُس کی

زندگی بھی ے

جس نام کے صدقے میں ملی دولت کو نین

وہ نام تو ہر وقت مرے ورد زباں ہے

ہے گرمی بازارِ محبت ترے دم تک

اے عشق نبی تو عظمتِ آدم کا نشان ہے

حضور ﷺ کے ایک شاگرد کے الفاظ میں ”ایماں کی عمارت خواہ کتنی ہی بلند و بالا کیوں نہ ہو

اگر بنیادوں میں حُبِ رسول ﷺ کی آمیزش نہیں تو کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ وہ تمام بلندی پستی کا ڈھیر ہے

اور اُس ڈھیر پہ کھڑے ہو کر خوشنودی خدا کا ایک ذرہ بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا ے

صرف توحید کا شیطان بھی ہے قائل یوں تو

شرطِ ایماں ہے محمد ﷺ کی غلامی یہ نہ بھول

اُس سے نسبت نہ ہو گر تو محاسن بھی گناہ

وہ شفاعت پہ ہو مائل تو جرائم بھی قبول

گا ہے گاہے جبین خیال پہ یہ سوال بے ساختہ ابھر آتے ہیں کہ من حیث القوم ہم بے ننگ و نام

کیوں ہیں؟ ہماری پستی وادبار، عشرت و نکبت، محکومی و غلامی کی وجہ کیا ہے؟ ہماری ملت بیضا عظمت رفتہ

سے محروم کیوں ہے ہماری اُمتِ مسلمہ قحطِ الرِجال کا شکار کیوں ہے؟ ذلت و رسوائی، جبر و استبداد اور

ٹھوکریں قومِ رسول ہاشمی ﷺ کا کیوں مقدر بن چکی ہیں؟ ے

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند

گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

ان سوالوں کا جواب حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت اور دور رس نگاہ میں کچھ

اس طرح ہے ے

شے پیش خدا بگرستم من زار مسلمان چرا زارند و خوار

ندا آمد نمی دانی کہ این قوم دله دارند و محبوبه نه دارند

میں ایک رات مناجات میں بارگاہِ الہی میں زار و قطار رو دیا اور سوال کیا کہ مسلمان اتنے زار و

نزار اور عاجز و خوار کیوں ہیں؟ جواب آیا کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر دل بر نہیں رکھتی۔ یعنی ان لوگوں کے

پاس دل تو ہے مگر اُس دل میں بسنے والا کوئی محبوب نہیں ے

تھیلی پر ہے دلِ دلبر نہیں ہے اثاثہ ہے تو غارت گر نہیں ہے

بہ الفاظِ دیگر ے

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

قدسی مقال اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس پرسوز آہ کو باندھ دیکر اس حروف و معانی کا پیر بن

پہنایا ہے ے

قلب میں سوز نہیں رُوح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغامِ محمد ﷺ کا تمھیں پاس نہیں

پروفیسر محمد اقبال جاوید کے الفاظ میں ”حکیم الامت کی نظر میں ملت بیضا کا دل ایک ایسا پھول

ہے جو خوشبو سے محروم ہے دلِ تمنا سے محبوب سے زندہ ہوتے اور تاپندہ رہتے ہیں اگر آرزو کی یہ لطافت

اور یاد کی یہ چاہت چھن جائے تو نخلِ دل کے برگ و بار مڑ جھکا جاتے ہیں اور زندگی ویرانیوں کا مرکز بن

جاتی ہے گویا دل کی بہار گلہائے آرزو کے مہکنے سے ہے اسی لیے دل کو شہر آرزو کہتے ہیں۔ شہر آرزو محبوب

کے تصور سے ہی بستا ہے اور محبوب کے تصور کے بغیر دل محض گوشت کا ایک ٹھنڈا ہے اور اس دل سے نکلنے

والی آواز محض بے کیف الفاظ کا مجموعہ تو ہو سکتی ہے مگر اُس میں اثرِ آفرینی کی نشتریت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عقل

سے لیکر حکمت تک علم سے لیکر نظر تک اور خودی سے لیکر بے خودی تک جتنی منزلیں ہیں اُن تک پہنچنے کے

لیے علامہ اقبال کے نزدیک اُسوہ حسنہ ہی واحد راستہ ہے یہی وہ تعلق ہے جسے اپنا کر انسانی زندگی پہ مہر و

ماہ رشک کرتے ہیں اور اُس نسبت سے ہٹ کر زندگی بے آبروی اور رسوائی کو اپنا مقدر بنا لیتی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ سخن سرا ہیں ے

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد می شناسی عصرِ مارا بہ ماچہ کرد

عصرِ مارا مارا ز ما بیگانہ کرد از جمالِ مصطفیٰ ﷺ بیگانہ کرد

اے کہ تو ذوق و شوق، سوز و عشق اور دردمحبت سے خالی ہے تو کیا جانے کہ زمانے نے ہمارے ساتھ کیا

کیا ہے زمانے نے تو ہمیں اپنے آپ سے بے نیاز کر کے جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے بھی بیگانہ کر دیا ہے ے

کسی غم گسار کی محنتوں کا یہ خوب ہم نے صلہ دیا

جو ہمارے غم میں بہت گھلا اُسے ہم نے دل سے بھلا دیا

جو جمالِ روئے حیات تھا جو دلیلِ راہِ نجات تھا

اُسی راہِ رو کے نقوشِ پاکو مسافروں نے مٹا دیا

جو ترا خیال تھا ہم عنان تو غبارِ راہ تھی کہکشاں

تو بچھڑ گیا تو زمانے بھرنے ہمیں نظر سے گرا دیا

بقول تاجدارِ دارالاحسان رحمۃ اللہ علیہ اے تہذیبِ حاضر کے متوالے تیرا دلِ محبتِ رسول ﷺ

سے سرشار نہیں تیری روح میں

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تڑپ نہیں، تیرے قلب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا سودا نہیں، تیرے کردار میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سجا جلال نہیں، تیری نگاہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سی حیا نہیں، تیرے پاس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقر نہیں، تیری ہستی میں ولایتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار کی مستی نہیں، تو کبھی ہیروں میں ٹلا کرتا تھا آج تیری اتنی بے قدری کیوں؟ تیری بے قدری اُن کی بے قدری کی بدولت ہے۔

تجھ سے ملکر زندگی مسعودِ مہر و مہ تھی

تجھ سے کٹ کر در بدر بے آبرو ہونے لگی

کہکشاں رنگ ”اوج“ کے نعت نمبر کے ایک تزئین کار کی خوبصورت سوچ میں، زمانے کے درد و آشوب اور مصائب و آلام کے حوالے سے ملتِ اسلامیہ اپنے ادیبوں اور شاعروں کے وسیلے سے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اپنا فسانہ عجم سناتی اور نگاہِ کرم کی طلب گار ہوتی رہی ہے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ جامی رحمۃ اللہ علیہ عرفی رحمۃ اللہ علیہ و خاقانی رحمۃ اللہ علیہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ و سنائی رحمۃ اللہ علیہ قدسی رحمۃ اللہ علیہ و بوسیری رحمۃ اللہ علیہ حالی رحمۃ اللہ علیہ و امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی نگاہ کے تمنائی اور ایک ہی زلف کے اسیر ہیں اُن کے کفِ دستِ تمنّا پہ حضور ﷺ کی نگاہِ التفات کے چراغ اب بھی جل رہے ہیں۔۔۔ ”چشمِ رحمت بکشا سُوئے من اندازِ نظر“۔۔۔۔۔ اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دُعا ہے، کی صدائے دل نوا زاب بھی کانوں میں رس گھول رہی ہے۔۔۔۔۔ ملتِ بیضا کے آشفۃ لبوں پہ استغاثے کا رنگ اب بھی نمایاں ہے۔ کربلائے عصر کی تشنہ لبی ساقی کوثر کے درِ اقدس کی اب بھی تمنائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت علامہ اقبال ہمارے قومی انحطاط، دینی ذوال کا سبب جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے بیگانگی قرار دیتے ہیں اور قوم کے اس مرضِ کہن کا چارہ بھی بالآخر مولائے کائنات ﷺ کی نگاہ چارہ سازی میں ڈھونڈتے ہیں۔ وہ ملت کے زخم بے کسی کا مرہم اور دردِ دعا جزی کا داروان کی نظرِ کرم ہی میں تلاش کرتے ہیں۔

مسلمان آں فقیرے کج گلا ہے رمید از سینہ او سوز و آہ ہے

دش نالد چرا نالد؟ نداند نگاہِ یا رسول اللہ نگاہ ہے

مسلمان وہ فقیر کج گلاہ ہے جس کے سینے سے آپ ﷺ کی محبت کا سوزِ رخصت ہو گیا ہے۔ اسی

لیے اُس کا دل محوِ گریہ ہے وہ کیوں گریہ کنناں ہے وہ یہ نہیں جانتا۔۔۔ یا رسول اللہ ﷺ۔۔۔ اُس کے

دل زار پہ نگاہِ کرم فرمائیے اُس پہ نظر عنایت کیجیے۔

جاگ اے طیبہ کی میٹھی نیند کے متوالے کہ آج

لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری اُمت کا راج

سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی انہیں ملتا نہیں

لے گئی ہے جن کی ہیبت ایک عالم سے خراج

ہم ہیں ننگے سر اُٹھ اے جانِ عرب شانِ عجم

اور پہنا دے ہمیں سطوتِ گبرئی کا تاج

اب دعا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا

اب تو ہے تیری دُعا ہی تیری اُمت کا علاج

(مولانا ظفر علی خاں)

پھر کوئی صدیق اکبر دورِ حاضر سے اٹھا پھر کوئی فاروقِ اعظم کو بنا مہرِ مبین

کوئی عثمان غنی جو دوستِ میں بے مثال کوئی حیدر فقر و درویشی کی صبحِ اولیں

یا رسول اللہ ہماری عاجزی کی لاج رکھ ہم گنہگاروں پہ اپنی رحمت کا تاج رکھ

(شورشِ کاشمیری)

دہلیزِ مصطفیٰ کو عقیدت سے تھام کر اشکوں سے کہہ کہ رحمت دارین المدد

محرومیوں کے داغ دکھا کر حضور ﷺ کو فریاد کر کہ وائی کونین المدد

سارا گدازِ بحرِ زباں میں سمیٹ کر فریاد کر کہ ہے تیری اُمت عذاب میں

فریاد کر کہ کھلتے نہیں پھول اب حضور ﷺ رہتے ہیں لوگ اپنے بدن کے شراب میں

(ریاض حسین چودھری)

ماوِیت کے اس پُرفتن دور میں دیں کا اٹاشہ ہم سے لٹا اور عشقِ رسول ﷺ کی میراث ہم سے چھینی

جاری ہے لیکن خاکِ ستر دل میں شعلہٗ عشقِ رسول ﷺ کی چنگاری دبی ہے ابھی بجھی نہیں، نامِ مصطفیٰ

ﷺ ہماری رگ جاں پہ رقم ہے کوششِ اغیار کے باوجود زمانے کے ہاتھوں چھپا ہے ابھی تک مٹا نہیں،

عشقِ نبی ﷺ کی آبرو شہیدانِ ناموس رسالت ﷺ کے دم سے قائم ہے۔۔۔ آقائے دُوجہاں ﷺ کی عزت و ناموس پہ مر مٹنے والوں سے ابھی دنیائے رنگ و بو خالی نہیں ہوئی۔۔۔ خاکم بدہن اگر میرے حضور ﷺ کی حرمت و تکریم پہ کہیں حرف آرائی ہو تو کوئی دیوانہ غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی صدائے بازگشت بن کر اپنی جاں کا نذرانہ پیش کرنے سے کبھی گریزاں نہیں ہوتا جسم سے جاں کے جدا ہونے کا منظر عشقِ رسول ﷺ کے دیا کی ٹمٹماتی ہوئی لو میں تاحشر چراغاں کر جاتا ہے۔ جس کی روشنی میں عشاق کا قافلہ سخت جاں فکرمند و زیاں سے بے نیاز سرگرم سفر رہتا ہے۔

ہستی مسلم کا ساماں ہے فقط عشقِ رسول ﷺ۔۔۔۔۔ ہاں یہی ہے ہستی مسلم کا ساماں

آج بھی وہ فاقہ کش مسلمان جو صدیوں پہ محیطِ عہدِ نارا کے صدمات چھیلتا چلا آ رہا ہے محرومیوں، ناکامیوں اور غمخیزوں کی دستاویز، جس کے دونوں ہاتھوں میں تھما دی گئی ہے۔ جس کا جسم ہی نہیں رُوح بھی زخموں سے پُور ہے۔ بے توقیری کی فصلیں کاٹنا جس کی جو انسلوں کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ عظمت و تمکنت اور وقار جیسے الفاظ جس کی لغتِ عمل سے حذف کر دیے گئے ہیں۔ جو آئینہ خانہ میں خود اپنے آپ کو شناخت کرنے سے قاصر ہے، عظمتِ رفتہ کی بازیابی کی آرزو بھی جس کے سینے میں دم توڑ چکی ہے جو صُوکھے ہوئے پتوں کی طرح تیز و تند ہواؤں کے رحم و کرم پر ہے، وہ مسلمان جس کی سُوچوں کے تمام گواڑ مُقفل کر دیئے گئے ہیں۔ بے عملی و بے جہتتی کا ہر جس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا ہے۔ جو اپنی عظیم روایات سے رشتہ توڑ کر گریہ کے گہرے اندھیروں میں گم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ مسلمان جس کے سارے ثقافتی اثاثے لُٹ چکے ہیں اور جو سراٹھا کر چلنے کی خوئے دل نواز کو جمودِ مسلسل کے برف زاروں میں دفن کر چکا ہے وہ مسلمان اپنی تمام تر محرومیوں کو تاحیوں کے باوجود ایک جذبے کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے اور ابلیسی سازشوں کے اثرِ دہام میں اُس نے جس چنگاری کو بجھنے نہیں دیا وہ عشقِ صلی اللہ علیہ وسلم کی چنگاری ہے جو ازل سے اُس کے سینے میں سُکھ رہی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے رُوحِ محمد ﷺ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دُشمنانِ اسلام اپنی تمام تر علمی خیانتوں تحقیقی لغزشوں اور فکری مغالطوں کے باوجود اس فاقہ کش مسلمان کے جسم سے رُوحِ محمد ﷺ نکالنے میں ناکام رہے ہیں۔

دوری کا یہ عالم کہ ورائے حدِ قربت کی یہ حالت کہ قریبِ رگِ جاں

بلاشبہ حضور ﷺ کی محبت ہمارے دلوں میں سانس بن کر دھڑک رہی ہے اور رگوں میں خون

بن کر دوڑ رہی ہے۔ بلکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں!

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ است

آبروئے مازِ نامِ مصطفیٰ ﷺ است

حضور ﷺ سے والہانہ محبت اور ثنائے رسول اُسی رُوحِ محمد ﷺ کے جمالیاتی اظہار اور شعری پیکر کا نام ہے۔ آخر شب تصورِ محبوبِ کبریا ﷺ میں آنکھیں جن موتیوں سے لبریز ہو جاتی ہیں دامنِ آرزو جن آنسوؤں سے بھیک جاتا ہے اور پلکوں پہ ستاروں کے ٹھہرٹ سے اُتر آتے ہیں وہی موتی وہی آنسو اور وہی ستارے اُس منظر کی عکس بندی کی داستاں ہیں یہ وہ کہانی ہے جو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے شروع ہو کر ذاتِ مصطفیٰ ﷺ پہ ختم ہوتی ہے۔

منزلیں گم ہوئیں راستے کھو گئے زندگی ریت کی جیسے دیوار ہے

خود ہی رُوحِ محمد ﷺ تو کر فیصلہ آج کتنی مدد تیری درکار ہے

بعینِ قدسی مقالِ اقبال اپنی ملت کا دردِ اَلَمِ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عقیدت کے آنسو کے ساتھ اجمالاً ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

اے رُوحِ محمد ﷺ!

شیرازہ ہوا مِلّتِ مرحوم کا اَبتر اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمد آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

حضور ﷺ کے ایک شاگرد پروفیسر محمد اکرم رضا کے الفاظ میں ”حضور ﷺ پر نُو رکا فیضِ نبوتِ ابد کی انتہا تک محیط ہے۔ ہر زمانہ آپکا زمانہ ہے۔ ہر صدی آپ ﷺ کے تذکار سے آباد اور ہر دور آپ کی رفعتوں کا امین ہے۔ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے اہل ایمان کو فکری توانائی میسر آتی ہے۔ آپ ﷺ کمزوروں کے مجاہد و ماوا ہیں، دُکھ درد کے ماروں کے مُعین و غم گسار ہیں۔ ہائی بے کساں اور سایہ بے چارگاں ہیں۔ دُکھی دلوں کا حوصلہ اور بے نواؤں کا وَلولہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے نعت گو شعرا آپ ﷺ سے استعانت و دستگیری کے لیے آپ کی رحمت کا سوال کرتے ہوئے دلوں کے داغ آپ کی نذر کرتے چلے آئے ہیں۔ آج کا شاعر بھی اس حقیقت سے دوسرے ادوار کے شعرا سے کچھ کم بہرہ ور نہیں ہے۔ یہ بھی عرض حال کرتے ہوئے دل میں یہ احساسِ سحابائے رکتا ہے کہ رحمتِ انس و جان ﷺ کی چشمِ کرم ہی قادرِ مطلق کی رحمت بے کراں کا بہانہ بن سکتی ہے اسی لیے وہ مُختلف اَسالیب کا سہارا لیکر دربارِ مصطفویٰ ﷺ کی طرف مُلتی نگاہوں سے لپکتا ہے، مایوسیوں کے سیل بیکراں میں آپ ﷺ ہی کی ذاتِ قدسی صفات کو شمعِ اُمید و نشاط سمجھتے ہوئے وہ اپنی ذات کو مِلّت میں گم کر کے

مٹی مسائل و مشکلات کی فریاد کرتا ہے۔ نگاہوں میں اُمید کے فائوس جلانے وہ آپ کی طرف رُو حافی فکری رہبری و رہنمائی کا اُمیدوار بنتا ہے۔ آشوبِ ذات یا آشوبِ دہر کے حوالے سے صدمہ اجتماعی ہو یا انفرادی وارداتِ غم ذاتی حوالے سے ہو یا مٹی ناطے سے، کسی ایک مسلمان کا نشیمن جلے یا پوری ملت بیضاتباہی و بربادی کا شکار ہو ہنگامِ آلام میں سب کی نگاہیں اُسی مہجبا و مآواہی ﷺ کی طرف ہی اُٹھتی ہیں جو بے یار و مددگار کا مددگار ہے، جو عرصہ محشر میں ڈگمگاتی اُمت کے لیے پیامِ لطف و کرم اور بے سایہ و سائبانِ عالم ہے۔ جو جھٹکتے دلوں میں اُمید کی کرن بن کر طلوع ہوتا فکری لحاظ سے پس ماندہ دماغوں کو ذوقِ یقین بخشتا اور آنکھوں میں صورتِ شمع کی آگہی جگمگاتا ہے۔ جس کا لطف بے پناہ اور جس کی رحمت بے پایاں حدودِ عقل و خرد سے ماورائی ہے، جو اپنی اُمت کی خستہ حالی پہ مسلسل نگران اور جس کی رحمت دستِ غم و آلام میں بے کنار ہے۔

اب حاصلِ کلام یہ کہ مدحت و نعتِ مصطفیٰ ﷺ کا جو سلسلہ ازل کی حسیں ساعتوں میں شروع ہوا تھا آج بھی اُسی جذبہٴ خلوص و عقیدت کے ساتھ اپنے عہد کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا ہے۔ جس کی بدولت غلاموں کو اپنے آقا ﷺ، بے نواؤں کو اپنے فریادرس، مظلوموں کو اپنے مہجبا و مآواہی اور عشاق کو اپنے مظہرِ عقیدت کے حضور عرضِ حال کا حوصلہ مہیئر آتا ہے۔ وہ کپکپائے ہوئے ہونٹوں اور فطرطِ عجز و انکسار سے لرزتی ہوئی زبان سے نعت کو ہی وسیلہٴ اظہارِ مدعا بناتا ہے۔ پس احوالِ ملت کے حوالے سے میں بھی اپنے دل کا سارا درد اور اپنی روح کا سارا غم ریاضِ رسول کے ایک بلبلِ خونِ واکی زبان میں حضور کی مے کافت کے آیاغ میں اُنڈیل دینا چاہتا ہوں۔

یہ وارداتِ قلب یہ رودادِ درد و غم

تیرے بغیر سید عالم ﷺ کسے کہیں

حریمِ محبوبِ کبریا ﷺ میں

حضور ﷺ خون کے چھٹے ہیں جس کے آنچل

تھیلیوں پہ وہی خاک لے کے آیا ہوں

حضور ﷺ آپ کی چوکھٹ پہ سر کے بل چل کر

میں اپنا دامن صد چاک لے کے آیا ہوں

میں عرضِ حال دلِ زار کیا کروں آقا ﷺ!

نگاہِ دل میں پشیمانیوں کا طوفاں ہے

مرا تو شرم و ندامت سے سر نہیں اُٹھتا
کہ اپنے ہاتھوں میں اپنا لہو فروزاں ہے
یہ خاک و خوں میں لپٹے ہوئے مناظر سے
سکون و امن کی کوئی صدا نہیں آتی
مرے وطن کے گلستاں سے آپکو آقا ﷺ!
مجھے یقین ہے ٹھنڈی ہوا نہیں آتی
چراغِ بجھائے ہیں آندھیوں نے حضور ﷺ!
ہر ایک سمت شبِ غم کی حکمرانی ہے
دعا یہ خوفِ مسلسل میں لب سے نکلی ہے
قدمِ قدم پہ نیرت کا سبز منظر ہے
سُگلتنی دھوپ کے اس بے اماں جزیرے پر
غبارِ وادیِ بطحا کی سر پہ چادر ہو
یہ جور و جبر کا موسم بدل نہیں سکتا
مجھے تو کوئی بھی صورتِ نظر نہیں آتی
حضور! آپ ہی چارہ گری کریں اب تو
ادھر عروسِ بہار سحر نہیں آتی

(ریاضِ حسین چودھری)

دمِ رخصت ع

خدا مجھے نفسِ جبریل (علیہ السلام) دے تو کہوں

اے کہ ترے ﷺ وجود سے کون و مکاں کی آبرو

اے کہ ترے ﷺ ظہور سے حُسنِ جہاں کی رنگ و بو

ترے ﷺ جمال کا شہودِ ذرہ سے تابہ آفتاب

ترے ﷺ کمال کا نہیں کوئی کبھی کہیں جواب

ترے ﷺ جلال کے حضور دیر و کنشتِ سرنگوں

تری ﷺ نظر کے سامنے چل نہ سکا کوئی
 پست و بلند زیت پر ابر بہار تیری ﷺ ذات
 ذات سے تیری ﷺ منعکس حضرت حق کی سب صفات
 اسود و احمر ایک ہیں چشمِ عطا کے سامنے
 زُہد و گنہ کا فرق کیا دستِ سخا کے سامنے
 بحرِ عرب کے نا خدا، نا و عجم کی بھی بچا
 ٹوٹ چکے ہیں بادباں ، تہہ ہے ہر طرف ہوا
 موج اٹھی وہ کفر کی ، تختہ بکھر گئے ہیں سب
 ٹوٹ گئی ہیں ہمتیں ، کوئی نہیں ، کوئی کہیں مفر
 کیسے بچیں کہاں بچیں کوئی نہیں ، کہیں مفر
 موج پہ موج ہر طرف ، حدِ نگاہ تک بھنور
 ظلمتِ شب نل گئی زُہرہ و ماہ و مشتری
 روشنی کیا ، کہ اب نہیں ، روشنی کی اُمید بھی
 ڈوب چکی ہے رُوح تو جسم ہیں سطحِ آب پر
 جسم بھی ڈوب جائیں گے تو نے اگر نہ لی خبر
 جذبہ بیکراں پھر اب ڈوبے ہوؤں کو کر عطا
 کارِ فنا سے پھر نکال ، بادِ مراد پھر چلا
 جبر کی بدلیاں چھٹیں ، جور کی آندھیاں تھمیں
 راستہ پھر ملے ترا ، ذہنوں میں شمع وہ جلیں
 لالہ و گل کی آبرو ، صحنِ چمن میں لٹ گئی
 بادِ سموم وہ چلی ، غنچوں کی سانس گھٹ گئی
 پھر وہ بہار دے انھیں ، جس کو خزاں کا ڈرنہ ہو
 پھولوں پہ جس کے پھر کبھی ، دھوپ کا کچھ اثر نہ ہو
 موسمِ گل کو کر عطا ، خار بھی سب مہک اٹھیں
 شوکھ چکے جو دھوپ سے ، غنچے وہ سب چمک اٹھیں

مملکتِ نگاہ و دل ، پھر سے گداؤں کو ملے
 پھر وہی گرمیِ نفس ، برفِ نواؤں کو ملے
 دولتِ جسم و جاں ہر اک تجھ ﷺ سے ہی سب کو ہے ملی
 کر دے عطا انھیں پھر اب ، لَمِ وِمل کی خسروی
 (خسروی)



قاضی محمد رفیع فاتح پوری (راجستھان)

ناعت پر فیضانِ منعموت

حامد اومصلیٰ نعت جیسے عبادتی موضوع پر خامہ فرسائی کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش بھی عبادت کے زمرے میں ہی آتی ہے۔ کیوں کہ نعت کہنا، سننا، نعت کی محفلیں سنانا محبت و عقیدت سے کلام نعت پڑھنا، سننا سمجھنا اور نعت کے لئے دل میں عقیدت رکھنا یہ سب عبادت کی قبیل سے ہیں۔

تاہم رسماً وروایتاً ایسا کرنا شاید عبادت کے زمرے میں نہ ہو۔ جو کبھی کبھی پڑھے لکھے اور نا سمجھ عوام میں کہیں کہیں مشاہدے میں آتا ہے۔ مگر اس سے نفس امر ”نعت شریف“ پر حرف گیری نہیں کی جا سکتی۔ کیوں کہ عوامی افعال و اقوال دین میں حجت نہیں ہو سکتے۔ عوام تو کیا خواص بھی اگر اپنی لاعلمی اور نا سمجھی سے ایسا کرتے ہوں تو ان کے قول و فعل کو بھی حجت بنا کر نعت شریف پر منفی اثرات مرتب نہیں کیے جاسکتے۔ کیوں لاعلم و کم عقل خواص و عوام کی نسبت صاحبانِ علم و ادراک، فہم و بصیرت، تقویٰ و طہارت۔ سکونِ قلب اور قرارِ جان کے لیے محبت و عقیدت میں محو و مستغرق ہو کر، نعت کہ کر، نعت کی محفلیں سجا کر۔ راحت حاصل کرنے کے لیے مدحت رسول ﷺ کے قدسی ترانے سننے اور سنانے کا التزام فرماتے ہیں۔ لہٰذا ان کی نسبت یہ حضرات زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے اور بالفرض محال کرہ ارض پر جہاں کہیں بھی نعت شریف کہی، سنی یا پڑھی نہ جا رہی ہو تب بھی نعتیں ”نعت“ پر کوئی اثر نہیں ہوگا کہ کسی عبادت کا نہ کرنا اس پر نقص اثر نہیں ڈال سکتا۔ جبکہ نعت شریف تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا وظیفہ اور معمول ہے۔ اگر کوئی اس عظیم عبادت سے مستفید و مستفیض نہ ہو رہا ہو تو اس کی اپنی قسمت ہے۔ مگر نعت شریف کے عبادت ہونے کا انکار نہیں کر سکتا۔ کہ اس کی اساس و بنیاد خود کلمہ طیبہ ہے جو دو جڑوں پر مشتمل ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جزاؤں ”لا الہ الا اللہ“ ہے۔

جس میں توحید و وحدانیت کا ذکر ہے۔ اور جز ثانی ”محمد رسول اللہ“ جس میں نبوت و رسالت کا تذکرہ و بیان ہے۔ تو کیا ”لا الہ الا اللہ“ کے بیان، اس کی توضیح و تشریح پر عبادت کا اطلاق

نہیں ہوگا؟ خواہ نظماً ہو یا نثرأ۔ ”اور کیا یہ عبادت تطوع“ یعنی نقلی عبادت میں شمار نہ ہوگا؟ شریعت مطہرہ کے مزاج اور ادلہ اربع، کو سمجھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ راضی و خوش ہو وہ عبادت ہے اس پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ تو جب کلمہ طیبہ کے جزاؤں پر اجر و ثواب مرتب ہوگا تو جز ثانی پر کیوں نہیں؟

یعنی محمد رسول اللہ پر کیوں نہیں۔ اس کی قلمی لسانی، توضیح و تشریح اور اس کے بیان پر کیوں نہیں؟ جبکہ نعت شریف میں اسی جز ثانی کا بیان، اور اسی کی توضیح و تشریح ہوتی ہے۔ اور نعت کہنے والا (حدیث میں اقرار من اللسان و تصدیق بالقلب، زبان سے اقرار دل سے تصدیق) کی جو شرط ہے اسی شرط کی بجا آوری میں زبان سے اقرار کے طور پر نعت شریف کے قدسی ترانے سنانا ہے۔ اور جب حمد باری تعالیٰ پر عبادت کا اطلاق ہوتا ہے تو نعت نبی ﷺ کا انکار کیوں کر کیا جاسکتا ہے۔ جو بقول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ضمّ الہ اسم النبی باسمہ انّ قال فی الخمیس المودّٰن اشہد

اللہ تولیٰ نے نبی ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ایسا ملایا ہے جس کی گواہی مودن پانچ وقت اذان میں دیتا ہے۔ تو جو کام خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ گرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہو اس کے عبادت ہونے سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟

یہاں ضمنائیں یہ بھی عرض کر دوں کہ اردو ادب میں ”نعت“ کو مقید و محصور کیا گیا ہے۔ ورنہ تو نعت کے معنی۔ خوبیاں، اوصاف، صفات و خصائل بیان کرنا ہے۔ اس میں (نظم) و نثر کی کوئی قید نہیں۔

چنانچہ ”تہذیب السیر ابن حشام“ میں بعنوان ”صفة رسول اللہ“ کے تحت ہے کان علی بن طالب علیہ السلام اذا نعت رسول اللہ ﷺ قال لہ یکن بالطویل المبغط، والا القصر التردد، وکان ربيعة من القوم..... من راہ بدیہۃ صابہ و من خالطہ آحبہ، یقول ناعنتہ لہا رقبہ ولا بعدا مثله ﷺ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی ”نعت یعنی صفت بیان کی تو فرمایا۔ آپ ﷺ تو بہت دراز قامت تھے کہ برے لگیں، اور نہ ٹھگنے کے دیکھنے والے کو تردد ہو۔ آپ ﷺ لوگوں میں میانہ قامت تھے۔۔۔۔۔ واقعے کی آخر میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ جو آپ ﷺ کو پہلی مرتبہ دیکھتا وہ آپ ﷺ سے مرعوب ہو جاتا۔ اور جو آپ ﷺ سے ملتا رہتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی آپ ﷺ کی نعت یعنی صفت بیان فرتے تو کہتے نہ میں نے آپ

ﷺ سے پہلے آپ ﷺ جیسا دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس دعویٰ کی تصدیق حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے کی۔

و اجمل منك لم ترق قط عيني و احسن منك لم تلد النساء

خلقت مبدأً من كل عيب كانك قد خلقت كما تشأ

اور اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ سے خوبصورت میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ (کیوں کہ) آپ ﷺ سے خوبصورت کسی عورت نے پیدا ہی نہیں کیا آپ ﷺ تو تمام عیوب سے (ایسے) پاک پیدا کئے گئے گویا کہ آپ ﷺ خود اپنی مرضی سے پیدا ہوئے ہیں۔

یعنی آپ ﷺ اپنی مرضی سے جس حسن و جمال، قد و قامت کے ساتھ پیدا ہونا چاہتے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ویسا ہی پیدا فرمایا۔

اور ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کی تائید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے یہ اس طرح فرمائی۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جاناں
حاصل گفتگویہ کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدہ امّ معبد و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ”نثر“ میں آپ ﷺ کے جو شمائل و خصائل بیان کئے وہ بھی اور سیدنا حسان بن ثابت سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے ”نظم“ بیان کئے وہ بھی نعت ہی ہے۔ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تو نعت کے حوالے سے ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے کہ۔

ما ان مدحت محمداً بمقالتي لكن مدحت مقالتي بمحمد

آپ ﷺ کے اوصاف و شمائل بیان کر کے ہم آپ ﷺ کی تعریف نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ سے نسبت دیکر ہم اپنے کلام کو قابل تعریف و ستائش بناتے ہیں۔

مدعا یہ کہ ”نثر“ میں جو بات کی جائے وہ بھی ”نعت“ ہے۔ جیسے محدثین کرام، علماء و با حضرات اور مسلمانان عالم باہم آپ ﷺ کی ذات مبارک سے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور نظماً شعراً کرام جو بات کرتے ہیں وہ بھی نعت ہی ہے۔ اور اب تو یہ امر اور بھی مبرہن و واضح ہو گیا ہے کہ شعراً کرام بھی آزاد نظم کی طرز پر قافیہ و ردیف سے عاری نعتیں کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ نعت کے لیے قافیہ و ردیف نہیں بلکہ آپ ﷺ کا تعلق، آپ ﷺ کا عشق اور آپ ﷺ کی محبت شرط ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد اب میں اصل موضوع یعنی ”ناعت پر فیضانِ منعموت“ کی طرف رجعت کرتا ہوں۔ چنانچہ انسانوں میں سب سے پہلی نعت ابوالبشر خلیفہ ارض حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے یہ کہہ کر کہی ”بحق محمد ألا غفرت لی“ اے اللہ تجھے محمد ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تو اب بھی مجھے معاف نہیں کرے گا؟ یہ تھی زمین پر پہلی نعت ”بحق محمد“ جو زمین کے پہلے انسان نے کہی تھی، جو انسان ہی نہیں، ایک نبی ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں، تمام نبیوں اور رسولوں کی بنیاد، جڑ اور باپ تھے۔ جنہوں نے باعث تخلیق کائنات ﷺ کی نعت کہی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نعت کا طویل و مختصر ہونا معنی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا مفہوم اور صاحب نعت کی قدر و منزلت کا اظہار معنی رکھتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ناراضگی کا اظہار فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور معاف کر دینے کے لیے بہت آہ و زاری و گریہ کیا کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر کے راضی ہو جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی ”ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنكونن من الخاسرين“ بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ اس دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو معاف فرمادیا۔ مگر اس کے بعد والی آیت ایسا ماننے میں نخل ہو رہی ہے۔ اس آیت میں ہے اھبطو بعضکم لبعض عدو و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین۔ تم سب اترو (یعنی جنت سے) (کیونکہ) تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک مخصوص مدت تک زمین ہی ٹھکانہ اور زندگی گزارنے کی جگہ ہے۔ او کہا قال اللہ تعالیٰ۔

تو اگر آدم علیہ السلام کو اس دعا ربنا ظلمنا انفسنا ... سے معافی مل گئی تھی تو یہ آیت اس بات کا اعلان کرتی۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ۲۳ جو چاہے ملاحظہ فرمالے کہ یہ آیت مبارکہ سمعنا و غفرانا کے بجائے غضب و عتاب کے تیور ہی پیش کر رہی ہے۔ اس آیت سے تو اللہ تعالیٰ کے تیور جیوں کے تیور نظر آ رہے ہیں جبکہ بخشش و مغفرت کا انداز تو کچھ اور ہی ہونا چاہئے تھا جو یہاں نظر نہیں آ رہا ہے۔ چنانچہ محالہ یہ تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ آدم علیہ السلام نے ربنا ظلمنا انفسنا ... دعا مانگی مگر اس سے بات بنی نہیں۔ تب آدم علیہ السلام نے باعث تخلیق کائنات ﷺ کا واسطہ دیا اور بحق محمد ألا غفرت لی۔ والی نعت کا وظیفہ پڑھا۔ چنانچہ یہ حدیث قدسی اس کے راوی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے سن کر اپنے سینوں میں نعت رسول ﷺ کی نعت شریف کی شمع فروزاں فرمائی لے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ لما اذن رب آدم الزنب الذی اذنہ رفع راسه الى السماء فقال بحق محمد آلا غفرت لی فاوحی الله الیه من محمد؟ فقال تبارک اسمک لما خلقتنی رفعت راسی الى عرشک فارافیه مکتوب "لا اله الا الله محمد رسول الله" فعلمت انه لیس احدا عظم عندک قدراً عن جعلت اسمہ مع اسمک فاوحی الله الیه یا آدم انه آخر النبیین من ذریئتک ولولا هو اما خلقتک۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے وہ لغزش ہوئی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا اے اللہ تجھے محمد ﷺ کا واسطہ کیا تو مجھے معاف نہیں کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کیا جانتا ہے محمد ﷺ کون ہیں؟ تو آدم علیہ السلام نے عرض کی۔ برکت والا ہے تیرا نام اے رب جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے اپنا سر تیرے عرش کی طرف اٹھایا تھا تو میں نے وہاں لکھا ہوا دیکھا تھا "لا اله الا الله محمد رسول الله" تو میں جان گیا تھا کہ محمد ﷺ ایسے ہیں کی عظمت و بندگان میں تیرے نزدیک دوسرا ان کے سوا کوئی نہیں جن کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ اے آدم وہ تیری اولاد میں سے نبیوں کے آخر میں ہوگا اور اگر میں انکو پیدا نہیں فرماتا تو تجھے بھی پیدا نہیں کرتا۔

وہ آیت ربنا ظلمنا انفسنا ---- کے بعد والی آیت اللہ تعالیٰ کے تیسرے غضب و عتاب کو پیش کر رہی ہے۔ اور یہ حدیث جس میں آدم علیہ السلام نے جب حضور ﷺ کا تعارف اور مقام بیان فرمایا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے نرمی، رحمت و رافت اختیار فرماتے ہوئے فرمایا۔ ہاں محمد ﷺ کا مقام میرے نزدیک ویسا ہی ہے جیسا تم نے سمجھا ہے۔ ہاں اگر انہیں پیدا کرنا نہ ہوتا تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ ربنا ظلمنا انفسنا ---- والی آیت کا نتیجہ اس کے بعد والی آیت بیان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جاہ و جلال کچھ بھی کم نہیں ہوا جو ان کا توں برقرار رہا۔ اور اس حدیث کے الفاظ سامنے ہیں اس پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کے تیسرے رحمت و رافت سے مملو نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے دعا مانگی مگر جب اس سے بات نہیں بنی تو "بحق محمد آلا غفرت لی" والی نعت پڑھی۔

جواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نوازے حق بلند فرماتے ہوئے آواز سے آواز ملائی اور اس طرح آدم علیہ السلام کو پھر خدائے قدیر کی رحمت و رافت نصیب ہوئی۔

معلوم نہیں کیوں کچھ لوگ اس حدیث اور اس واقعے سے متفق نہیں ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس حدیث کے تعلق سے بھی کچھ بات ہو جائے کہ جو نہیں جانتے وہ جان جائیں اور جو جانتے ہیں انہیں مزید

تتقن حاصل ہو جائے۔ یوں تو یہ کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جس سے صاحب علم واقف نہیں ہیں۔ اکثر علماء، شعراء، ادبا نے اس موضوع کو بیان کیا ہے اور بہت سلیقے سے بیان کیا ہے۔ مگر بقول سید ضمیر جعفری ۔

ایک افسر نے جو موچیں چھوڑ دیں محکمہ سارا مچھندر ہو گیا

اس کی اردو میں تھی انگریزی بہت لوگ سمجھے کہ افسر ہو گیا

چنانچہ کسی عالم، شاعر، ادیب نے اس مضمون پر بسم اللہ کی ہوگی کہ بس اس کی اتباع میں جانے اور نہ جاننے والے ہر قسم کے لوگوں نے اس موضوع و مفہوم کو فروغ دینا شروع کر دیا بلکہ بعض شعرا نے اتنے خوبصورت طریقے سے یہ موضوع اٹھایا ہے کہ یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ یہ انہیں کا حصہ ہے مثلاً یہ شعر ملاحظہ فرمائیں ۔

اگر نام محمد را نیا وردے شفیق آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نھینا

ہاں مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ اپنی اپنی بصیرت و بصارت کی بات ہے۔ اگر کوئی شخص حدیث شفاعت کا مطالعہ رکھتا ہے تو یہ شعر اس کے نزدیک بالکل بجا و برحق ہے ورنہ کوئی نظر ایسے اشعار سے چوکتے ہیں جیسے کوئی انہونی بات ہو۔

ابھی حال ہی میں ڈاکٹر نذیر صاحب فتح پوری مدیر "سہ ماہی اسباق، پونہ" نے ایک واقعہ بتایا کہ انہوں نے مصرع

"محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا"

پر نعت کہہ کر ایک رسالہ کو بھیجی۔ مدیر رسالہ نے نذیر صاحب سے کہا کہ اگر یہ مصرع "محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا" نکال دو تو میں یہ نعت چھاپ دوں گا۔ جواب میں نذیر صاحب نے یہ کہہ کر اپنی نعت واپس طلب فرمائی کہ میری نعت کی بنیاد یہی مصرع ہے تو اسے نکال کیسے سکتا ہوں۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر مدیر مانع مصرع اس حدیث کی واقفیت رکھتے تو بلا چوں چرا وہ نعت شریف اپنے رسالے میں شامل فرما لیتے۔ اور اگر مدیر اسباق ڈاکٹر نذیر صاحب فتح پوری کو مکالمہ اس حدیث سے واقف ہوتے تو مدیر مانع کو دندان شکن جواب یہ حدیث شریف پیش کر کے دیتے۔ لہذا ضروری ہے کہ جب یہ حدیث پیش کی ہے تو اس پر قدر تفصیل سے گفتگو بھی کر لی جائے۔

۱۔ اس حدیث کو کن کن محدثین کرام نے اپنی کتب حدیث میں روایت کیا ہے۔ یہ جاننا جائے۔

۲۔ ناقدین حدیث میں سے کس کس ناقد نے کیا کہا یہ جان لیا جائے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام پر غضبناک ہونا۔ ۲۔ آدم علیہ السلام کا خائف ہونا۔ ۳۔ آدم علیہ السلام کا عاجز ہونا۔ ۴۔ آدم علیہ السلام کا عاجز ہو کر آپ ﷺ کا واسطہ دینا۔ ۵۔ آپ ﷺ کے واسطے سے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا رحمت و رافت اختیار فرماتے ہوئے ان پر ملققت ہونا وغیرہ۔

دوسری بات یہ کہ جن کا واسطہ دیا گیا، جن کو وسیلہ بنایا گیا بارگاہِ خداوندی میں وہ اتنے وجیہ ہیں؟ کیا انکی وجاہت بارگاہِ خداوندی میں کامیاب ہونے کا استحقاق رکھتی ہے؟ اور کیا وہ خدا کے نزدیک اتنے محبوب و مقبول ہیں کہ انکا واسطہ، وسیلہ اور انکی وجاہت بارگاہِ خداوندی میں کسی کے لیے رحمت و رافت، غفران و مغفرت کا ذریعہ بن سکے؟

ان سوالوں کے جوابوں کے لیے جب ہم قرآن مقدس پر نظر ڈالتے ہیں تو جواب۔ ہاں۔ میں ملتا ہے اور ایک ہی نہیں متعدد مقامات پر۔ ہاں۔ اور تصدیق ملتی ہے۔ مثلاً سورہ نسا آیت ۶۴ ملاحظہ فرمائیں وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولَ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔ اور جب ان لوگوں نے اپنی جان پر (نافرمانی خداوندی کے سبب) ظلم کیا تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور آپ ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت مانگتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان اور رحیم پاتے۔

اللہ تعالیٰ ہر جگہ، ہر موقع اور مقام پر موجود ہے۔ مغفرت و بخشش اللہ تعالیٰ جب اور جہاں چاہے فرما سکتا ہے۔ مگر جب بارگاہِ رسالت کی بات ہو تو معاملہ قدر مختلف ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش و مغفرت، عطاؤں کا معاملہ زیادہ قوی بلکہ اقویٰ ہو جاتا ہے۔ یہی اعلان یہ آیت کریمہ کر رہی ہے۔ اور یہی اعلان وہ حدیث قدسی کر رہی ہے جس میں سیدنا آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ کبریٰ میں نعت نبی پڑھتے ہوئے معافی کی درخواست عرض کی۔ اور پھر بطفیل منعموت نعت خواں سیدنا آدم علیہ السلام کو معاف فرما کر دامن مراد بھر دیا گیا۔ اور یہ ایسی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جس پر چوں چرا کی جائے قرآن آپ نے سن لیا۔ اس آیت کریمہ کے علاوہ بہت سی آیتیں ہیں جو اس مفہوم و موضوع کا اثبات فرماتی ہیں اور حدیثیں بھی لاتعداد و لاتخصوہ ہیں۔ صحاح ستہ کے علاوہ بھی حدیث کی شاید ہی ایسی کوئی کتاب ہو جس میں اس حدیث قدسی ”بحق محمد الا غفر لی“ کے شواہد و نظائر موجود نہ ہوں۔

دیگر احادیث مبارکہ اگر تلاش کرنا مشکل ہو تو ”سنن دارمی شریف“ کا شروع کا مطالعہ ہی کافی ہوگا کہ سنن دارمی شریف کی ابتدا ہی فضائل و خصائل محمدی ﷺ سے کی گئی ہے۔ و نیز حدیث شفاعت جو تمام کتب احادیث میں موجود ہے اگر اسکا مطالعہ کیا جائے تو بھی اس حدیث قدسی کی تائید و توثیق کے

لیے کافی ہے۔ تبرکاً میں یہاں ترمزی شریف سے وہ حدیث شفاعت اختصار کے ساتھ نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ حدیث کہ ابتدا یوں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا اس میں سے آپ ﷺ نے دست اٹھایا جو آپ ﷺ کو بہت مرغوب تھا، اسے آپ ﷺ نے دانتوں یا داڑھ سے توڑ کر کھاتے ہوئے فرمایا میں قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا کیا تم جانتے ہو کہ کیوں؟ اس لیے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہموار میدان میں جمع فرمائے گا سب ایسے اکٹھے ہوں گے کہ پکارنے والے کی پکار سن سکیں اور دیکھنے والا دیکھ سکے۔ اور سورج ان کے قریب کر دیا جائے گا تو لوگ ایسے کرب و الم میں ہوں گے جس کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور نہ وہ اس کا تحمل کر سکیں گے۔ چنانچہ تمام لوگ ایک دوسرے سے اپنی پریشانی بیان کریں گے اور کہیں گے کہ کیا تم یہ ناقابل برداشت دکھ نہیں دیکھتے؟ کسی شفا رشی کی تلاش کیوں نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ سے شفا رشی کرے کہ جلد حساب و کتاب کر کے ہمیں اس میدانِ حشر کی گرمی سے نجات دے۔ اس پر وہ سب ایک دوسرے سے کہیں گے کہ؟ آدم علیہ السلام کے پاس چلو۔ چنانچہ تمام لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اس نے آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا۔ آپ ہماری شفا رشی کریں تاکہ جلد حساب کر کے ہمیں اس میدانِ حشر کی گرمی سے نجات دے۔

کیا آپ ہماری یہ مصیبت نہیں دیکھ رہے ہیں جس میں ہم مبتلا ہیں کہ کہاں تک پہنچ گی ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام ان سے کہیں گے۔ میرا پروردگار آج اس قدر غضبناک ہے کہ اتنا غضبناک نہ آج سے پہلے کبھی ہوا۔ اور نہ بعد میں ہوگا۔ اس نے مجھے ایک درخت سے منع کیا تھا مگر مجھ سے خطا ہو گئی تھی اس لیے مجھے اپنی فکر ہے اور نفسی نفسی کریں گے اور کہیں گے ”اذھبو الی غیبری“ مجھے چھوڑ دو اور کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔۔۔ نوح علیہ السلام بھی نفسی نفسی کہیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے۔۔۔ وہ بھی نفسی نفسی کہیں گے اور یہی کہیں گے مجھے اپنی پڑی ہے۔ تم میرے سوا دوسرے کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے۔۔۔ وہاں سے بھی وہی جواب ملے گا جو آدم تا ابراہیم سے ملا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام بھی وہی جواب دیں گے کہ آج کے دن میرا رب اتنا غضبناک ہے کہ اتنا غضبناک نہ آج سے پہلے ہوا اور نہ بعد میں ہوگا۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ تم مجھے چھوڑ دو اور میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ فیا تون

حَمْدًا أَفَيِّقُونَ يَا حَمْدُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَغَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اشفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ“

تو تمام محمد ﷺ کے پاس آئیں گے (اور حضور ﷺ کی نعت) کہیں گے کہ اے محمد ﷺ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ پر نبوت ختم ہوئی اور آپ ختم نبوت کی مہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے آپ ہی خدا سے ہماری شفا بخش کیجئے!۔ نیز حدیثوں میں ہے جب شفا بخش کے لیے لوگ انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے تو تمام انبیاء علیہم السلام معذرت کرتے ہوئے فرمائیں گے۔ ”أَنَا لَيْسَ لَهَا“ میں اس کام (شفاعت) کے لائق نہیں ہوں۔ اذهبوا إلى غيري۔ مجھے چھوڑ دو اور میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ نفسی نفسی۔ مجھے اپنی پڑی ہے۔۔۔ مگر یہی لوگ جب بارگاہِ محمدی ﷺ میں حاضر ہو کر آپ کی نعت کے ترانے پڑھنے لگے اور آپ ﷺ کی صفات بیان کرنے لگے تو دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح آپ نے یہ نہیں فرمایا انا لیس لھا۔ میں اس لائق نہیں ہوں۔ بلکہ آپ نے فرمایا انا لھا، انا لھا۔ اس کام کے لیے میں ہوں۔ بالفاظِ دیگر اس کام کے لیے میں ہی ہوں! مطلب یہ کہ جو کام مخلوق خدا میں کسی سے نہیں ہو سکا اس کام کے لیے میں ہوں چنانچہ

فَأَتَى تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَخَّرَ اسَاجِدًا لِرَبِّي ثُمَّ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ مِنْ فَحَامِدِهِ وَحَسَنَ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَيَّ أَحَدٌ قَبْلِي ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تَشْفَعْ۔ فَارْفَعْ رَأْسِي فَأَقُولُ يَا رَبِّي أُمِّي يَا رَبِّي أُمِّي فَيَقُولُ يَا مُحَمَّدُ ادْخُلْ أُمَّتِكَ مَن لَّا حَاسِبَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْإِيْمَنِ مَن۔ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فَيَمِينُ سِوَايَ ذَٰلِكَ مِنَ الْبَابِ

حضور ﷺ نے فرمایا میں عرش الہی کے نیچے آ کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا اپنے رب کے لیے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی ثنا اور تعریف کے ایسے ایسے کلمات و الفاظ میرے دل اور ذہن میں القا کرے گا جن سے میں اس کی تعریف کروں گا اور وہ الفاظ و کلمات مجھ سے پہلے کسی کو بھی نہیں بتائے گئے ہیں (اور جب میرا سجدہ بہت طویل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ رحمت و رافت میں تبدیل ہو جائے گا) تو وہ فرمائے گا اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ مانگو، دیا جائے گا۔ شفاعت کروں گا قبول کی جائے گی۔ تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا اے رب میری امت۔ اے رب میری امت۔ اے رب میری امت۔ یعنی اے پروردگار میری امت کی حالت پر رحم فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد ﷺ تیری امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں انہیں جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے جنت میں داخل

کر دے۔ جبکہ وہ جنت کے دوسرے دروازوں سے بھی جنت میں جانے کے قبول کی جائے گی تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا اے رب میری امت، اے رب میری امت، اے رب میری امت یعنی اے پروردگار میری امت کی حالت پر رحم فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے محمد ﷺ تیری امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں انہیں جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے جنت میں داخل کر دے جبکہ وہ جنت کے دوسرے دروازوں سے بھی جنت میں جانے کے لیے لوگوں کے شریک ہیں چاہے جس دروازے سے جنت میں داخل ہو جائیں۔

راقم مضمون کا خیال ہے کہ وہ آیت مقدسہ اور یہ حدیث لکھنے کے بعد اولوالباب اور صاحب ایمان کے لیے اس حدیث قدسی کی مزید تائید و توثیق کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ اس حدیث قدسی کے رد و قبول میں جو بات مانع ہو سکتی تھی اس کی وضاحت کافی و شافی ہو چکی ہے!

اس حدیث قدسی میں جو باتیں سامنے آئیں جن کا ذکر پچھلے صفحات میں ہوا۔ مثلاً

۱۔ اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام پر غضب ناک ہونا۔

۲۔ آدم علیہ السلام کا خائف و عاجز ہونا۔

۳۔ آدم علیہ السلام کا عاجز ہو کر ”بحق محمد الا غفرت لی“ کہنا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے واسطے دینا۔

۴۔ آپ ﷺ کے واسطے سے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا رحمت و رافت کا نرم رویہ اختیار فرماتے ہوئے آدم علیہ السلام پر ملتفت و متاب ہونا۔ و نیز۔

۱۔ یہ کہ کیا حضور ﷺ اتنے وجیہ ہیں کہ بارگاہِ خداوندی میں آدم علیہ السلام نے آپ کا واسطہ دیا۔

۲۔ اور کیا آپ ﷺ اتنے محبوب ہیں کہ وجاہت بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ دیئے جانے کا استحقاق رکھتی ہے؟

۳۔ اور کیا آپ ﷺ خدا کے نزدیک اتنے محبوب ہیں، اتنے مقبول ہیں کہ انکا واسطہ، وسیلہ اور انکی وجاہت بارگاہِ خداوندی میں کسی کے لیے رحمت و رافت، الطاف و غفران، اور مغفرت کا ذریعہ بن سکے؟

ان تمام باتوں کا جواب اس آیت مقدسہ۔ اور اس حدیث شفاعت میں موجود ہے۔ دیکھنے والے کی آنکھ اور دل پر منحصر ہے کہ اسے کیا نظر آتا ہے؟

اس حدیث شفاعت میں انبیاء علیہم السلام سے لیکر تمام بنی آدم کا۔ (۱) پریشان (۲) مجبور (۳) عاجز (۴) خائف اور اللہ تعالیٰ کا غضب ناک ہونا نظر آ رہا ہے۔ (واضح رہے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ ظالم، جابر

بادشاہوں اور انسانوں سے غضب ناک ہو کر فرمائے گا۔ ”لمن الملك اليوم“ آج حکومت، بادشاہت، امارت کس کے لیے ہے؟“

اور پوری خلق خدا ہر نبی رسول کو بارگاہِ خداوندی میں واسطہ وسیلہ بنا رہی ہے۔ (یہ بات الگ ہے کہ اس دن خود انہیں ذاتِ محمدی ﷺ کے واسطے، وسیلے کے سوا چارہ نہیں) اور ہر نبی رسول خود غور و خوض اور عاجز نظر آ رہے ہیں۔ ہر نبی رسول مخلوق خدا کو اپنے سے بعد والے نبی رسول کی طرف بھیج رہا ہے کہ میں تو شفاعت میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ شاید میرے بعد والا تمہاری کوئی مدد کر سکے۔ شاید میرے بعد والا نبی بارگاہِ خداوندی میں تمہارا واسطہ وسیلہ بن سکے۔ انجام کار محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا واسطہ، وسیلہ، آپ ہی کی وجاہت بارگاہِ خداوندی میں رحمت و رافت، الطاف و غفران کا ذریعہ بنی۔ اور آپ ﷺ کی ذات ہی غضب الہی کو فرو کرنے کا سبب اور وسیلہ بنی۔ آپ کہ ہی وجہ سے آدم علیہ السلام تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سکون و راحت بھری سانس لے سکے۔ اور آپ ہی کی وجہ سے تمام بنی نوع انسان اس دن کی ہولناکی سے گلو خلاصی کر پائے۔ اتنا سب کچھ نظارہ قیامت اور شانِ محمدی ﷺ اس حدیث شفاعت کے ذریعے دیکھنے کے باوجود بھی کوئی نہ مانے اور یقین نہ کرے کہ وہ حدیث قدسی ”بحق محمد الا غرفت لی“ تسلیم نہ کرے تو یہ اسکی اپنی قسمت! آخرت میں روز قیامت تو ابو جہل اور ابولہب بھی مان لے گا کہ یہ دنیا ”آخرت“ احوال قیامت، جنت و دوزخ، جزا و سزا، کا مقصد و مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو شانِ محمدی ﷺ تمام خلایق کو دکھانا مقصود ہے و بس۔ مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔ دنیا میں ماننا۔ اور بغیر دیکھے ماننا ہی مفید و منفع ہے۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ اور غالباً اسی حدیث شفاعت اور ایسی ہی حدیثوں اور آیتوں کے پیش نظر امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا یہ ہے ناعت پر فیضانِ منعموت۔ جس کی ابتداء دنیا میں آدم علیہ السلام نے یہ نعت ”بحق محمد الا غرفت لی“ کہہ کر کی۔ اور جواب میں فیضانِ منعموت کے طور پر من جانب اللہ رحمت و رافت، الطاف و غفران کی نعمت سے فیضیاب ہوئے۔ اور اسی حدیث شفاعت کے بموجب؟ آخرت میں بھی نعتِ محمدی ﷺ ہی فیض یابی، کامیابی اس دن کی ہولناکی اور دخولِ جنت کا سبب، ذریعہ اور واسطہ وسیلہ ہوگی۔ کیوں۔

تیری نعلینِ مقدس سے رسولِ عربی

بیضہ بوم بھی پھوٹے تو ہما پیدا ہو



سید اقبال حیدر (ہیوسٹن)

انسانِ کامل ﷺ کا ذکر خیر

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے محمد ﷺ پر قرآن پاک نازل کیا اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ اسے ہر اعتبار سے درست بنایا تاکہ وہ ﷺ اللہ کے شدید عذاب سے ڈرائیں اور ان مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری دیں کہ ان کے لیے بہت اچھا اجر (جنت) ہے۔ اور درود و سلام ہو اس ذاتِ ستودہ صفات پر جو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ جو اللہ سے ڈرنے والوں کے امام اور اس کی سیدھی راہ پر چلنے والوں کے لیے رہبر اور نشانِ راہ ہیں۔ درود و سلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے واضح دلائل، قطعی حجتیں اور روشن نشانیاں دیکر بھیجا جنہوں نے سوئی ہوئی مخلوق کو جگایا اور لوگوں کو ان کی گم راہی سے آگاہ کیا جنکی رسالت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اندھی آنکھوں کو روشنی دی۔ بہرے کا نور کو قوت سماعت دی اور بند دلوں کو واکیا جن کی رسالت کے ذریعے زمین پر پڑھو رہی اور دلوں میں الفت پیدا ہوئی جنکی دعوت ان اقطارِ عالم تک پہنچی جہاں آفتاب کی روشنی پہنچی اور جہاں دین وہاں تک پہنچا جہاں لیل و نہار کی گردش پہنچی۔

اللہ تعالیٰ نے رسالت کا بار گراں اٹھانے کے لیے آپ ﷺ کو جسمانی، عقلی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مکمل نمونہ بنایا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ مومنوں! اللہ کے رسول ﷺ تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ یعنی زندگی کے کسی بھی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے اہل ایمان کو نبی کریم ﷺ کی ذات سے ہی روشنی حاصل کرنی چاہیے کیوں کہ ہمارے آقا محمد ﷺ کے اندر وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم پائی گئیں جن کے پائے جانے کے بعد ہی کسی کو ”انسانِ کامل“ کہا جاسکتا ہے۔ یعنی وہ جسم اور شکل و صورت، حسن سلوک، اخلاقِ حمیدہ، اونچے اقوال، پاکیزہ گفتگو اور پاکیزہ اعمال و کردار تمام کے اعتبار سے کامل ہیں اس بارے میں علامہ ماوردی کے کلام سے استفادہ کر کے رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات اور کمالات سے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) کمالِ شکل و صورت اور کمالِ جسمانی کے لیے چار اوصاف کا اعتبار ہوتا ہے۔

۱۔ چہرہ ایسا پرسکون اور پُر اطمینان ہو کہ دیکھنے والے پر پہلی نظر ہی میں ایسی ہیبت طاری ہو جائے

کہ وہ احترام و تعظیم کے لیے اپنے آپ کو مجبور پائے۔ آپ ﷺ سراپا تواضع اور نرم خوانسان تھے۔ لیکن کسریٰ کے قاصدوں کے دل آپ کی ہیبت سے ہل گئے اور انکی آنکھیں آپ ﷺ کے رعب و دبدبے سے جھک گئیں۔

۲۔ چہرے پر محبت و بشاشت کے ایسے آثار ہوں جو چہرے والے کے لیے خلوص و محبت اور صدق و صفا کی دعوت دیں۔ نبی کریم ﷺ نہایت ہر دل عزیز اور محبوب شخص تھے۔ آپ ﷺ کے صحابی نے آپ سے دوری اختیار نہیں کی۔

۳۔ صورت اتنی جاذب نظر اور دل پزیر ہو کہ اس پر جسکی بھی نظر پڑے اس کا اسیر و تابع فرمان بن جائے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دلوں پر ایسا اثر کرتا تھا کہ آپ ﷺ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی دل ہار بیٹھتا اور آپ ﷺ کی مصاحبت اختیار کر لیتا تھا۔ اس نعمت سے وہی محروم رہتا تھا جسکی آنکھوں پر حسد و عناد کا دبیز پردہ پڑا ہوتا تھا اور جس کے لیے بدبختی لکھ دی گئی ہوتی تھی۔

۴۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر لوگوں کے دل از خود پیروی کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور باوجود تکلیفوں اور صعوبتوں کے پچھڑنے کا کبھی بھی نہیں سوچیں۔ صحابہ کرام کی مثال سامنے ہے۔

(ب) کمال اخلاق کریمانہ کے لیے چھ چیزوں کا اعتبار ہوتا ہے۔

۱۔ آدمی بڑی عقل، گہری فکر، صحیح رائے اور سچی فراست رکھتا ہو۔ نبی کریم ﷺ میں یہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ کبھی کوئی دشمن آپ ﷺ کو غافل کر کے دھوکہ نہیں دے سکا۔

۲۔ آدمی مصائب و شدائد میں ثابت قدمی۔ صبر۔ کبھی قدموں میں لغزش نہ آئے اور ہمت نہ ہارے۔ آپ ﷺ اس کی مثال آپ تھے۔

۳۔ آدمی دنیا کی لالچ سے دور اور زہد و قناعت کی دولت سے مالا مال ہو۔ آپ ﷺ دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں کے بھی اسیر نہیں ہوئے۔ طویل علاقے زیرنگیں آئے لیکن ان سے حاصل اموال آپ ﷺ کے لیے بے وقعت تھے۔ چنانچہ نہ آپ نے انہیں جمع کیا نہ ہی کوئی مال و متاع اولاد کے لیے چھوڑی۔ تاکہ وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد دنیاوی عیش و آرام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے ساری زندگی تنگ دستی میں بسر کی۔

۴۔ آدمی ارد گرد کے لوگوں سے تواضع سے پیش آئے آپ ﷺ کا صحابہ کرام سے سلوک ایسا ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فطرت ہی ایسی بنائی تھی کہ اخلاق کریمانہ اور عظیم شرافت نفس کی تمام باتیں آپ ﷺ کے مزاج میں رچی بسی تھیں۔

۵۔ آدمی نہایت پر وقار اور حلیم و بردبار ہو جو ہمارے آقا ﷺ تمام و کمال تھے۔ آپ طیش میں کبھی آپ سے باہر نہیں ہوتے تھے۔ آپ اپنی امت کے لیے نہایت مہربان اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لیے سچے ہمدرد تھے۔

۶۔ نبی کریم ﷺ میثاق کی شدید پابندی کرتے تھے اور وعدہ وفا کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ دوسرا فریق جب عہد توڑتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو بھی انہیں جیا معاملہ کرنے کی اجازت ملی۔ (ج) بلند اقوال اور پاکیزہ گفتگو والا ہونے کے لیے آٹھ باتیں ضروری ہیں۔ جو تمام آپ ﷺ میں تھیں۔

۱۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی شخص یا مدرسے میں کوئی کتاب نہیں پڑھی اور نہ کوئی علم سیکھا لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حکمت و دانائی سے نوازا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ دنیا والوں کے سامنے علوم حکمت کے خزانے لٹائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صاف ذہن، کشادہ سینہ اور کھلا دل عطا کیا تھا۔ آپ ﷺ وہ تمام باتیں کہیں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی انبیاء و کرام اور اقوام عالم کی خبریں بتائیں اور پوری امانت کے ساتھ من و عن دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت عطا کی اسے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ ۴۔ صلہ رحمی آپ ﷺ اور کمزوروں اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی و مہربانی کا برتاؤ آپ ﷺ کی عادت کریمانہ تھی کیونکہ آپ ﷺ تہذیب و شائستگی اور اخلاق حمیدہ کی بلند یوں پر فائز تھے۔

۵۔ آپ ﷺ ہر سوال کا نہایت سلیحہا ہوا اور واضح جواب دیتے اور بحث و مجادلے میں کوئی آپ ﷺ کو عاجز نہیں کر سکتا تھا۔

۶۔ آپ ﷺ اسلام آنے سے پہلے جوانی میں ہی صادق اور امین کے نام سے مشہور تھے۔ چنانچہ اسلام آنے کے بعد آپ کی تکذیب بہت مشکل تھی مگر صرف حسد اور عناد کی بنیاد پر کی گئی۔

۷۔ آپ جامع الکمل تھے نہ گفتگو لمبی فرماتے نہ ایسی ناقص کہ مقصد واضح نہ ہو سکے۔

۸۔ آپ سب سے زیادہ فصیح تھے۔ بات ہمیشہ جامع، مختصر اور تکلف و تصنع سے پاک ہوتی تھی۔

(د) اچھے افعال اور عمدہ کردار کے لیے بھی آٹھ صفات کا اعتبار ہوتا ہے۔

(۱) آپ ﷺ نے حسن سیرت اور سچی سمجھ اور صحیح تدبیر کے ذریعے دنیا کے عرب کے پرانے محاورات و اطوار تبدیل کئے اور جاہلیت کی ظلمتوں سے نکال کر اسلام کی روشنی دکھائی۔

(۲) قبائل عرب کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لیے نہایت حکمت، بالغ نظری سے کام لیا اور دعوت کو لیکر آگے بڑھے۔ شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہوا۔ اور دین اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

(۳) آپ ﷺ نے ہمیشہ اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کیا اور کہا کہ اسی میں امت مسلمہ کی بھلائی ہے۔

(۴) آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نہ محض دنیا داری کی تعلیم دی اور نہ صرف تارک الدنیا ہونا سکھایا بلکہ دنیا اور آخرت دونوں میں توازن اختیار کرنے کے لیے دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا طریقہ سکھایا۔ ”فرمایا دنیا بہترین سواری ہے تم اس کے ذریعے سفر بناؤ تاکہ یہ تمہیں آخرت کی کامیابی تک پہنچا دے۔“

(۵) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جن احکام و شرائع کا پابند بنایا ہے آپ ﷺ نے امت کو پوری وضاحت سے بیان کر دیئے۔ اور ایسے اصول و ضوابط واضح کر دیئے جو رہتی دنیا تک انسانوں کی شرعی ضرورت پورا کریں گے۔

(۶) آپ ﷺ نے دشمنانِ اسلام کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور اسلام کے زیر نگین علاقوں میں شریعتِ اسلامیہ اللہ کی تائید و نصرت سے نافذ کی۔

(۷) آپ ﷺ شجاعت میں اپنی مثال تھے۔ خود بھی جنگوں میں شریک ہو کر دشا شجاعت دیتے تھے۔

(۸) آپ ﷺ جود و سخا میں سب سے آگے تھے، بخل جیسی عادت سے یکسر عاری تھے۔ آپ ﷺ نے رب کی رضا کے لیے ہر چیز اسکی راہ میں خرچ کر دی۔ کوئی چیز اپنے لیے باقی نہیں رکھی۔ وفات پائی تو آپ کا ذرہ ایک یہودی کے پاس تین کلو جو کے عوض رہن رکھا تھا۔

ان نکات سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے اندر وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جن کی بنا پر کسی کو انسانِ کامل کہا جاسکے۔ چنانچہ آپ ﷺ بلا شک و شبہ ”انسانِ کامل“ تھے۔

کاش ہم زندگی کے ہر میدان میں ان کی ذات سے روشنی حاصل کر کے فلاح دارین حاصل کریں۔ آمین اس تحریر کے لیے استفادہ امام محمد بن القیم الجوزی کی کتاب ”جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام“ کے اردو ترجمہ ”رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام“ کے مضامین سے لیا گیا ہے۔ جس کے مترجم محمد فضل الرحمن ندوی ہیں۔



ڈاکٹر عزیز الحسن (کراچی)

مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ

حمدیہ شاعری کا قدیم دور بیانیہ شاعری کا دور تھا جس میں رب ذوالجلال والا کرام کی حمد و ثناء کو مظاہر کائنات کی روشنی میں منظوم کر دیا جاتا تھا یا عجز بیان کا تاثر ابھارا جاتا تھا۔ تصوف کی روایت سے منسلک شاعری میں البتہ دوروں بینی کی روش عام تھی جس میں بندے کا تعلق مع اللہ کا احساس جلوہ گر ہوتا تھا۔ پھر بھی تمام متصوفانہ شاعری کو حمد کا نام دینا ذرا مشکل ہوتا تھا۔ اللہ رب العزت کی تعریف ویسے بھی انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے بیشتر شعراء تو حیرت و استعجاب میں ڈوب ڈوب جاتے تھے۔ مثلاً خسرو نے کہا:

ما ایم و تخیر و خموشی و آفاق ہمہ بگشتگویت

ہم تو حیرت و استعجاب کے زیر اثر خاموش ہیں جبکہ تمام کائنات تیری ہی گفتگو (یا تذکرہ) کر رہی ہے۔ اردو میں ایسی شاعری جس میں شاعرانہ اپیل بھی ہو، ادبی اسلوب بھی ہو اور تفہیم یا ابلاغ کے زاویے سے سہل بھی ہو بہت کم ہوئی تھی۔ مروج شعری رویوں اور عصری تقاضوں سے ہم رنگ شاعری تو حمدیہ شعری کاوشوں میں خال خال ہی ہو سکتی تھی۔

مظفر وارثی کا حمدیہ شعری مجموعہ ”الحمد“ بہر حال ایسی شاعری پر مشتمل ہے جس میں بیشتر حمدیہ شاعری، جدید لب و لہجہ، منفرد آہنگ اور متنوع خیالات کی وجہ سے مافیہ و اسلوب (Content and Style) دونوں اعتبارات سے قابلِ قدر اور لائقِ توجہ ہے۔

مظفر وارثی کی شاعری میں مترنم بحروں، صوتی مناسبتوں، لفظیاتی نمسگی کے التزام اور معنوی بوقلمونی سے ایک صحیفہ عقیدت بھی وجود میں آیا ہے اور رنگ رنگ فنی نگار خانہ بھی۔ مظفر کے ہاں عظمت رب کائنات کا ادراک، حمد و ثناء، شکر و سپاس، تعلق مع اللہ، احساس عجز، کاسمک وژن اور متصوفانہ تفہیم توحید کے مختلف رنگوں کے ساتھ ظاہر ہو کر ایک طیف (Spectrum) بنا رہا ہے۔

حمدیہ شاعری اس لیے مشکل ہوتی ہے کہ شاعر کے سامنے صرف مظاہر کائنات اور دین کی عطا

کردہ معلومات تو ہوتی ہیں لیکن محبوب حقیقی کا سراپا نہیں ہوتا۔ سراپا ہو بھی کیونکر کہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات تشبیہ سے پاک ہے۔ اگر کوئی سراپا تصور کی گرفت میں آجائے تو وہ تشبیہ کی صورت میں ہوگا جو بندے کا خالق نہیں بلکہ اس کی مخلوق ہوگا جو تصورِ تنزیہ کے سراسر منافی بھی ہے اور شرک تشبیہ سے آلودہ بھی۔ مظفر وارثی خالقِ ہستی کے ادراک سے اس طرح اظہارِ عجز کرتے ہیں۔

مقام اس کا شعور و مثال سے بھی پرے

وہ ہے رسائی لفظ و خیال سے بھی پرے

شاعر کا اپنا ایک ذہنی کلچر ہوتا ہے جس کے سہارے وہ اپنے لاشعور میں پوشیدہ تہذیبی اور ثقافتی سرمائے کی روشنی میں صوت و صدا اور حرف و نوا کی زبان میں تمثالِ آفرینی سے مجرد (Abstract) خیال کو تجسسی (Concrete) شکل دے دیتا ہے جس سے بیان میں خوبصورتی اور ابلاغ میں سہولت ہو جاتی ہے۔ تمثالِ آفرینی (Imagery) کا یہ عمل مجرد خیالات کو شعری پیکر میں متشکل کر دیتا ہے۔ مظفر وارثی حمد کہہ رہے ہیں تو ان کے تحت الشعور سے مسجد کی تمثال شعور میں آئی اور ایک خوبصورت امیج بنا گئی۔

مسجد الفاظ میں بھی دے رہا ہوں میں اذال

میرا فن، میرا ہنر، میرا ادب تیرے لیے

مظفر وارثی کی شاعری میں ایک کا سمک وژن (Cosmic Vision) بھی ملتا ہے۔ یہ کا سمک وژن سائنسی کا سمک وژن سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ سائنس داں اور شاعر کا فرق یہی ہے کہ سائنس داں کائنات کا وجود، مادے کی جزئیات کے ساتھ دائرہ تحقیق میں لاتا ہے اور کائنات میں کارفرما مختلف قوانین کو سمجھتا ہے لیکن مادی کائنات کو مابعد

الطبیعیاتی پیمانوں سے نہیں دیکھتا جبکہ شاعر کائنات کی تمام جزئیات کو احساسات کی سطح پر دریافت کر کے اس میں مابعدالطبیعیاتی عنصر شامل کرتا ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو زبان دے دیتا ہے۔ مظفر وارثی کی امیجری اور ان کے کا سمک وژن کی صاحت درج ذیل شعری نمونوں میں ملاحظہ فرمائیے:

دنیاے رنگیں کی دہن جاتے لحوں کی ڈولی میں

شبِ نیم کی ابرق پھولوں پر موتی دریا کی جھولی میں

یہ کس کی مینا کاری ہے! کون ایسی خوبیوں والا ہے؟

بندو! اللہ تعالیٰ ہے

زمین تیرہ کے منہ سے لگا دیا تو نے

مہ و نجوم بھرا آسمان کا پیالہ

مظفر وارثی کا کا سمک وژن ان کو مظاہر کائنات کا اس طرح مشاہدہ کرواتا ہے کہ ہر نفس رب ذوالجلال کی قدرت و عظمت کا اثبات ہونے لگتا ہے۔

کوئی مقصود نہیں تیرے سوا خوشبوئیں روشنیاں رنگ ہوا

خامشی قہقہے الفاظ نوا چاندنی دھوپ ستارے شبِ نیم

زندگی حسن نظارے موسم فانی چیزوں کی طلب فانی ہے

اک تری ذات ہے برحق مولا تو ہے بس عشق کے لائق مولا

کوئی مقصود نہیں تیرے سوا

.....یا.....

یہ بستیاں یہ صحرا یہ کوہ یہ سمندر

رنگوں کا یہ تقسم ہریالیوں کے اندر

فطرت کے ہیں نمونے

کیا کیا بنائے تو نے

نقش و نگار عالم

پروردگار عالم

ہر سحر پھوٹی ہے نئے رنگ سے

سبزہ و گل کھلیں سینہ سنگ سے

گوں جتا ہے جہاں تیرے آہنگ سے

جس نے کی جستجو مل گیا اس کو تو

سب کا تو رہ نما اے خدا اے خدا

رنگ خوشبو روشنی صحرا سمندر کو ہزار

لالہ و گل ماہ و انجم برق و باراں برگ و بار

تیری صنایع کے شاہد تیری قدرت کے امین

یا شفیق و یا روفیق نحن من کل یقین

گل میں خوشبو تری سورج میں اجالا تیرا
پائے ہر شے میں تجھے ڈھونڈنے والا تیر
ذہن و دل سے اک پردہ سا ہٹتا جائے
اوراقِ روز و شب وقت پلٹتا جائے
پڑھتا جاؤں قدرت کا رنگین مجلہ

اللہ ہی اللہ

ہے بس یارو

اللہ ہی اللہ

دنیا اک شہکار ہے مولا کی ندرت کا
کرتے ہیں اعلان سبھی اس کی قدرت کا
مٹی پانی آگ ہوا پھل میوے غلہ

اللہ ہی اللہ

ہے بس یارو

اللہ ہی اللہ

درج بالا شعری مثالیں ایک طرف تو کاسمک وژن کی شاعرانہ تمثال نگاری کی اچھی مثالیں ہیں
دوسری طرف صوتی حسن اور حروف کی منبت کاری کا نمونہ بھی ہیں۔

مظفر وارثی چوں کہ ایک سلسلہ تصوف سے منسلک ہیں۔ اس لیے خاصی حد تک وحدت الوجودی
فکران کے نگار خانہ شعر میں منعکس ہو رہی ہے۔ اللہ رب العزت کی ذاتِ کائنات کی تخلیق اور ذی روح
مخلوقات کی پیدائش سے بھی قبل موجود تھی اور اُس کی ذات میں کلیت کے تمام سامان موجود تھے۔ وجود
آدم و کائنات اللہ رب العزت کی ذات سے باہر نہ قبل از ظہور تھا نہ بعد از ظہور ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی
ذات کل کو محیط تھی، ہے اور رہے گی اور اُس کی ذات میں کوئی خلاء نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی
ذات میں خلا تسلیم کر لیا جائے تو تصور رب ناقص ٹھہرتا ہے۔ کائنات تمام مخلوقات کے ساتھ، اپنا وجود
پانے (یا ظاہر کرنے) سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ تھی اور ظاہر ہو کر بھی اسی ذات میں سمائی ہوئی
ہے۔ اگر یہ تصور کیا جائے کہ کائنات کو مکان (Space) فراہم کرنے کے لیے اللہ رب العزت نے کوئی
خلاء پیدا کیا اور پھر اس کائنات کو وہاں رکھ دیا تو یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ نعوذ باللہ یہ کائنات اپنے

خالق کے احاطہ قدرت سے باہر آ گئی۔ یہ تصور خالق کائنات کا ناقص تصور ہے۔ امرکن سے تو اللہ رب
العزت نے ان صورتوں یا اشیاء کو، جو ان کے علم میں تھیں (اعیان ثابتہ یا صُورِ علمیہ) حکمِ اظہارِ تشخص دیا
تھا۔ اپنے اپنے وجود کے ساتھ ظاہر ہونے کا اشارہ فرمایا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں ذرا درج ذیل شعری
حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

ملک عدم موجود ہے اس میں
ہر اک حد محدود ہے اس میں
یہ کثرت یکتا کے لیے ہے
ہر اول سے پہلے ہر آخر کے بعد
جتنا ظاہر ہے اتنا پوشیدہ ہے
ماورائے عدم و ہست ہے ہستی تیری
بے نشانی میں بھی تیرا ہی نشان دیکھا ہے
اے خدا اور بھی پختہ ہوا ایماں میرا
نگہ غور سے جب سوئے جہاں دیکھا ہے
دیتا ہے اپنے عشق کی توفیق بھی وہی
گم ہیں جو اس کی ذات میں مظہر اسی کے ہیں

اللہ تعالیٰ کے محیط کل ہونے کا یقین مظفر وارثی کے اشعار میں جگہ جگہ جلوہ نما ہے:

نہ میں نکل سکوں تری حدود سے نہ کر سکوں جدا عدم وجود سے

ہر ایک شے ہے جب فنا کی منتظر میں عرصہ بقا کہاں سے لاؤں گا

کائنات کے آئینے میں اللہ رب العزت کی ذات منعکس ہے لیکن مظاہر کائنات کی کثافت ہی آئینے
میں نظر آ رہی ہے۔ جو ہر آئینہ کو عام زندگی میں بھی نہیں دیکھا جاتا ہے۔ محض آئینے میں نظر آنے والی اشیاء
اور صورتیں ہی دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس نکتے کو مظفر وارثی نے کس خوبی سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے:

کون مظفر دیکھ سکا آئینے کو

جو کچھ آئینے میں ہے وہ دیکھا ہے

علامہ رزی جے پوری مرحوم نے ایک مرتبہ مجھے بتایا تھا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے عدد کی
تعریف یہ کی ہے کہ ”عدد اپنے طرفین کے مجموعے کا نصف ہوتا ہے۔“ مثلاً ایک اور تین کا مجموعہ چار ہوا

اور دو ان کے درمیان آیا چنانچہ ایک اور تین کے مجموعے کا نصف دو ہو گیا۔ اس طرح دو ”عدد“ ہے۔ میں نے عرض کیا جناب اس تعریف کی رو سے تو ”ایک“، عدد کے ذیل میں آتا ہی نہیں۔ فرمایا یہی نکتہ تو سمجھنا مقصود تھا کہ ”ایک“، عدد نہیں ہے لیکن تمام اعداد میں شامل ہے۔ وحدت الوجودی فکر کے صوفیاء اس نکتے کو اپنے مسلک کی تشریح کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ اس پس منظر میں ذرا درج ذیل شعر ملاحظہ فرمائیے:

خدا ہے ایک مگر ایک کی بھی حد میں نہیں

اکائی اس کی کسی زمرہ عدد میں نہیں

مظاہر کائنات کا مشاہدہ کر کے توحید کا اثبات کرنے اور کاسمک وژن کے سہارے شعر کہنے کی اہمیت اور جمالیات اپنی جگہ لیکن اس قسم کی شاعری میں شاعر کی ذات کا تداخل اتنا نہیں ہوتا جتنا اس شعری میں ہوتا ہے جو شاعر اپنی ذات کے عرفان کے ساتھ کرتا ہے۔ شاعر جب اپنی ذات کے تناظر میں رب کائنات کی عظمتیں سمجھنا چاہتا ہے تو شعر میں اس کے شدید احساسات کا برجستہ اظہار (بقول ورڈز ورتھ Spontaneous overflow of powerful feelings) ممکن ہوتا ہے، مثلاً مظفر وارثی کہتے ہیں:

اس برف سی جاں کو بھی گھٹلتے ہوئے دیکھوں

دریوزہ گر شعلہ دیدار ہوں مولا

ہر ایک سانس سے آواز آرہی ہے تری

مرادھڑکتا ہوا دل پیام تیرا ہے

رات کے پچھلے پہر جب بھی کروں یاد تجھے

اپنی تنہائیوں کو روشنی کرتے دیکھوں

کیسے ہو سکتا ہے مجھ سے مخرف اک سانس بھی

وقف میں نے کر دیا ہے خود کو جب تیرے لیے

شاعر کو جب رب کائنات کی عظمتوں کا ادراک ہوتا ہے اور خود اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کی عنایتوں اور بے کراں الطاف کا احساس ہوتا ہے تو اس کے لبوں پر شکر و سپاس کے کلمات آنے لگتے ہیں۔

جو ملے حیات خضر مجھے اور اسے میں صرف ثنا کروں

ترا شکر پھر بھی ادا نہ ہو ترا شکر کیسے ادا کروں

ترے لطف کی کوئی حد نہیں گنوں کس طرح کہ عدد نہیں
نہیں کوئی تیرے سوا مرا کسے یاد تیرے سوا کروں

کیوں بارگاہ حق میں نہ ہوں سر بسجود ہم

احسان جس قدر بھی ہیں ہم پر اسی کے ہیں

مظفر وارثی کی شاعری میں تمبیحات کا برجستہ استعمال ان کی روایت آگاہی کی دلیل بھی ہے اور شعری جمالیات سے ہم آہنگ ہنرمندی کی عکاس بھی مثلاً:

اک سوت کی انٹی مرے سانسوں کا اثاثہ

اور یوسف ہستی کا خریدار ہوں مولا

اسی طرح مظفر کے ہاں غزل کی بھرپور روایات جھلک رہی ہیں۔ غزل کا ٹیکھا پن محبوب سے براہ راست یا بالواسطہ نسیم صبح کے لہجے میں تنہا طرب، ایمانیت، احساس کی نرمی، لفظوں کی صباحت، تراکیب کی برجستگی، توانی کا بر محل استعمال، جذبات کی شدت اور لفظیات کی طرفگی، مظفر وارثی کی حمدیہ غزلوں میں نمایاں ہیں۔

یہ آب و گل یہ خلق یہ منظر اسی کے ہیں

اس کی جسے طلب ہے مقدر اسی کے ہیں

دیتا ہے اپنے عشق کی توفیق بھی وہی

گم ہیں جو اس کی ذات میں مظہر اسی کے ہیں

چشم ظہور، تحت اشعور ہو نور نور تجھ سے

تیرا نصاب، حکمت مآب، رحمت صفات تیری

لیل و نہار پت جھڑ بہار سجود گزار تیرے

یہ رنگ روپ یہ تیز دھوپ یہ چاند رات تیری

ٹانکے سے لگاتا ہے ترے عفو کا ریشم

ہر دامن عصیاں کا رفو بول رہا ہے

مرے ایک دامن عمر میں ہیں نہ جانے کتنی ندائیں

مرا خاتمہ بھی بخیر ہو یہی رات دن میں دعا کروں

آج کی شعری لغت میں بہت معمولی اور بظاہر غیر شاعرانہ الفاظ اس قدر شعری قوت اور بنت کی نفاست کے ساتھ استعمال ہو رہے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ مظفر وارثی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنی شعری لغت کی ندرت و حمد و نعت میں بھی ظاہر کرتے ہیں، مثلاً:

سیاہی غم دل میں چمک کا طالب ہوں

ہر احتیاج میں اس کی کمک کا طالب ہوں

کمک کے قافیے کا تناظر ملاحظہ فرمائیے کس جہان سے کس جہان کی تخلیق میں یہ لفظ مد ہوا ہے:

سپائی وردی طاقت کی نیکی پگڈنڈی جنت کی

سجدہ سیزھی ہے رفعت کی تقویٰ ہے پگڑی عظمت کی

دھن سے ہو کب اونچا بندہ اے مالک میں تیرا بندہ

نظم کے اس بند میں ”وردی“، ”سیڑھی“ اور ”پگڑی“ جیسے الفاظ کا برجستہ استعمال اور پھر شاعرانہ کمال ملاحظہ فرمائیے کہ الفاظ اپنی انفرادی حیثیت سے جدا ہوئے بغیر معنوی سطح پر مہبت کاری کے ہنر کی طرح ابھرا بھر کر سامنے آ رہے ہیں۔

اچھوتے توانی بنانا اور ان میں معنوی چکا چوند پیدا کرنا مظفر وارثی کے ہنر کا خاصہ ہے۔

تاریخ بھی میری نہیں پہچانتی مجھ کو کیسا میں یہ جغرافیہ بردار ہوں مولا

جغرافیہ بردار کی ترکیب میرے خیال میں حمدیہ شاعری میں صرف مظفر نے استعمال کی ہے۔ اس شعر میں بردار قافیہ ہے۔ جغرافیہ کے ساتھ بردار کا قافیہ ایسے آیا ہے جیسے کسی نے گلوب سر پر اٹھا رکھا ہے۔ شعر میں تاریخ اور جغرافیہ کے الفاظ ایک ساتھ آنے سے جوفظی اور معنوی مناسبت پیدا ہوئی ہے اس کا احساس تو شعر کی قرات (Reading) ہی سے ہو جاتا ہے لیکن قافیہ بیانی کی ندرت کے ساتھ دیکھئے معنوی حوالے سے شعر کس قدر بلیغ اور وسیع المفہوم ہو گیا ہے۔ اس وقت کہ ارض پر مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے متجاوز ہے اور یہ مسلمان کئی چھوٹے بڑے ملکوں میں بستے ہیں۔ یہ ہے وہ جغرافیائی حقیقت جسے مظفر نے شعری لینڈ اسکیپ کے لیے منتخب کیا ہے۔ مسلمانوں کے جغرافیائی نقشے میں کتر بیونت بھی ہوتی رہتی ہے اور اس جغرافیہ کو دیگر اقوام عالم کی طرف سے ہمیشہ خطرات بھی لاحق رہتے ہیں۔ یہ خطرات اس لیے زیادہ گہمیر ہوتے جا رہے ہیں کہ مسلمان اپنی تاریخ (روایات، عظمت رفتہ، ماضی کی سی ایمانی قوت اور تاریخ میں نظر آنے والا جذبہ جہاد وغیرہ) سے اتنے مختلف ہیں کہ تاریخ کے آئینے میں دیکھا جائے تو مسلمان، مسلمان لگتے ہی نہیں۔

اس طرح ایک شعر کے کینوس میں قافیہ کی ندرت، تاریخی تناظر کی وسعت، حال کی شکایت اور ماضی کی شوکت سب ہی کچھ تو آ گیا ہے۔ عصری آشوب کی جھلک میں طنز کی شرکت نے ایک الگ فضا پیدا کر دی ہے۔ اس طرح حمد ہی میں ملی درد کی شمولیت نے عصر حاضر کے مسلمانوں کو آئینہ تاریخ کے روبرو لا کھڑا کیا۔ امت کو آئینہ تاریخ کے روبرو کھڑا کرنے کا عمل مظفر کے ہاں جا بجا نظر آتا ہے۔ مثلاً:

تنخ و تبر و خود و زرہ تھے مرا زیور

اب شیفۂ جبہ و دستار ہوں مولا

پھر سے مرے اسلاف کی جانب مجھے لے چل

میں لمحہ آئندہ کو درکار ہوں مولا

تشکیک کا مرض اور لادریت کا سرطان دنیا کو اپنی پلیٹ میں لے چکا ہے۔ الحاد کا عفریت پہلے بھی تھا لیکن آج کی دنیا میں اس الحاد نے مختلف صورتیں اختیار کر رکھی ہیں۔ حمد گزاری کے عمل میں آج کا شاعر ایسی مسموم فضاؤں کو بھی دھیان میں رکھتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر کے نابکار انسان پکار اٹھتا ہے ”پڑھ کلمہ لا الہ الا انسان“ (نعوذ باللہ) مظفر وارثی نے بھی تشکیک کے اثر در مارنے کے لیے دلائل کا عصا دست سخن میں دے دیا ہے:

کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے۔ وہی خدا ہے

دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے۔ وہی خدا ہے

وہی ہے مشرق وہی ہے مغرب سفر کریں سب اسی کی جانب

ہر آئنے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے۔ وہی خدا ہے

نظر بھی رکھے سماعتیں بھی وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی

جو خانہ لاشعور میں جگمگا رہا ہے۔ وہی خدا ہے

سفید اس کا سیاہ اس کا نفس نفس ہے گواہ اس کا

جو شعلہ جاں جلا رہا ہے، بجھا رہا ہے۔ وہی خدا ہے

قبضہ ہے جس کی چنگی کا شہ رگ پر ہم انسانوں کی

وہ جس کے آگے جھک جائے پیشانی نافرمانوں کی

ہر منظر جس کا پر تو ہے ہر اک تحریر حوالہ ہے

بند و اللہ تعالیٰ ہے

مظفر کی شاعری میں لفظوں کی ہم آہنگ موسیقی (Symphony) کا تاثر شعری عمل میں Under-current کے طور پر داخل ہے۔ شاعر لفظوں کے داخلی آہنگ اور صوتی نغمگی سے جو ردھم (Rhythm) پیدا کر دیتا ہے وہ شعر اور موسیقی کے سنگم سے صوتی جمال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ شعر میں معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اگر صوتی نغمگی بھی ہو تو شاعری کا درجہ بہت بلند ہو جاتا ہے (جب کہ حمد کا مقام تو اپنے موضوع (Content) کی وجہ سے ویسے ہی بلند ہوتا ہے شاعری میں یہ حسن کوشش سے پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ ”الحمد“ کے شاعر کی شعری کاوشوں میں نغمگی کے انداز ملاحظہ ہوں:

دریا، صحرا، سورج، چاند ستارے اس کے

منظر اور رتیں اس کی ہم سارے اس کے

اپنی پونجی اک پیشانی ایک مصلیٰ

اللہ ہی اللہ

ہے بس یارو

اللہ ہی اللہ

نور ہی نور بکھرا ہے کالک نہیں

دوسرا کوئی حد گماں تک نہیں

تیری وحدانیت میں کوئی شک نہیں

لاکھ ہوں صورتیں

ایک ہی رنگ میں

تو ہے جلوہ نما

اے خدا اے خدا

مہکار جدا جدا آواز جدا

دھن اپنی اپنی ساز جدا

چہرے سے نہیں ملتا چہرہ

ہر پیکر کے انداز جدا

شہکار بنانے میں جس نے

ہاں وہ فن کار نرالا ہے

بندو اللہ تعالیٰ ہے

نہ صدف نہ ماہِ منیر دے

مجھے روشنی ضمیر دے

مجھے پیار دے تو کثیر دے

میں ہوں نقطہ مجھ کو لکیر دے

ترے ہاتھ ہے مری آبرو

تری شان جل جلالہ

سینہ ہو مرا شیشے کی طرح

اور بینائی جھرنے کی طرح

آواز بھی ہو شعلے کی طرح

چمکوں میں سدا ہیرے کی طرح

مجھے لگنے نہ پائے زنگ خدا

مجھے اپنے رنگ میں رنگ خدا

☆

قدم قدم تجھے صدا نہ دوں اگر تو کیسے طے کروں گا عمر کا سفر

جو دیدہ گماں سے دیکھتا رہا یقیں کا ذائقہ کہاں سے لاؤں گا

☆

چراغِ ذہن، ضیائے نگاہ، نورِ جنیں

جمالِ عشق، وقارِ خودی، اساسِ یقیں

متاعِ صبر و رضا لا الہ الا اللہ

کسی بھی شعری مجموعے میں ایسی نغمہ ریز شاعری کے نمونے اس بات کے ضامن ہو سکتے ہیں کہ شاعر کو لفظیاتی موسیقی اور داخلی آہنگ کا گہرا شعور ہے۔ اور یہ کہ شعر میں نغمگی پیدا کرنے کا یہ ملکہ اکتسابی نہیں وہی ہے۔

مظفر وارثی کی حمدیہ شاعری میں ہنرمندی کے متنوع پہلو اور نغمہ پرداز کی بوقلموں انداز اس بات کے شاہد ہیں کہ مظفر کو مبداءِ فیاض سے شاعری کا جو ملکہ حاصل ہوا ہے وہ اس کو حمد رب ذوالجلال والا کرم کے لیے وقف کر کے جریدہ عالم پر اپنے دوام کی مہر ثبت کر رہے ہیں۔ ❀❀❀

محسن اعظم محسنِ ملیح آبادی (کراچی)

لسانِ الحسان طاہرِ سلطانی کے نعتیہ کلام

”نعتِ روشنی“ کا تنقیدی مطالعہ

عہدِ حاضر میں نعت لکھنے والوں کے حوالے سے ایک معتبر نام طاہرِ حسین طاہرِ سلطانی بھی ہے۔ اُن کی نعتیہ شاعری کا دورانیہ تقریباً چالیس برسوں پر محیط ہے۔ اُن کا تیسرا نعتیہ مجموعہ ”نعتِ روشنی“ بھی حضورِ ختمی مرتبت ﷺ سے محبت و عقیدت کا شفاف آئینہ ہے۔ جس میں طاہرِ سلطانی کا قلب دھڑکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اُن کی نعتیں رمی نہیں۔ اُن میں عشقِ رسول کریم کی تڑپ محسوس ہوتی ہے۔ اُن میں بے حد والہانہ پن ہے۔ وہ حضورِ ختمی مرتبت کے اُسوہ حسنہ کا جمال بے مثال دکھاتے ہیں۔ اُن کی نعتوں میں شامِ نبی کریم ﷺ کم ہیں۔ کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن میں نسبتِ رسولِ مصوٰ رملتی ہے۔ طاہر صاحب کی نعتوں کا معنوی تجزیہ کیا جائے تو بے حد ایسے شعر ملیں گے جن میں قرآن کریم کی بیان کردہ شخصیتِ رسول کا عکس ملتا ہے۔ اُن کے طرزِ اظہار میں سلیقہٴ شاعرانہ ہے۔ وہ عقیدت و محبت خاتم النبیین میں حمد و نعت کے فرق کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اُن کی نعتیں مقام و مرتبہٴ رسول کریم ﷺ سے تجاوز نہیں کرتیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں جذباتِ عشق تو ہیں، مگر اس کی زمامِ عقل کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ وہ حصارِ ادب سے باہر نہیں آتے۔ وہ عبد و معبود کے نازک ترین فرق کی حد پار نہیں کرتے۔ یہ چند باتیں اُن کے سرمایہٴ نعت کی اہم خصوصیات ہیں۔ میں ان کے مجموعہٴ نعت ”نعتِ میری زندگی“ کے مبسوط مقدمے میں انتقادی تناظر میں اُن کی شاعری کا تجزیاتی جائزہ پیش کر چکا ہوں۔ اب ان کا تیسرا مجموعہٴ نعت ”نعتِ روشنی“ میرے پیش نظر ہے۔ میں نے اسے بھی بالاستیعاب پڑھا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے۔ ان کا سفرِ شاعری آگے بڑھا ہے اور یہ سفر بیدار دماغی اور دیدہ وری کے ساتھ ہے۔ وہ اپنے عشقِ رسولِ ختمی مرتبت ﷺ کو بقلموں انداز میں شعری چہروں میں سادگی کے ساتھ دکھاتے ہیں اور اُن ﷺ کی تعلیمات و عمل کو پیش کرتے ہیں۔ اُن کی تمام نعتیہ شاعری حضور ﷺ کے عشق و عمل کا آئینہ خانہ ہے جو اُن کے قلبی جذبات و احساسات کو پیش کرتا ہے۔

”نعتِ روشنی“ میں جذبات سے زیادہ فکر و آگہی کی روشنیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ میرے خیال میں حضور کریم ﷺ کی تعلیمات بیان کرنا اُن کی سب سے بڑی توصیف ہے۔ اُن ﷺ کے اُسوہ حسنہ پر عمل کرنے سے انسان کی زندگی سنور جاتی ہے۔ اُسے جینے کا ہنر آ جاتا ہے۔ انبیاء و رسل کے آنے کا اصل مقصد تو یہی ہوتا ہے، کہ بنی نوع انسان زندگی گزارنے کے آداب سے عملی طور پر واقف ہو جائے۔ ربِّ عالم نے جس طرح حکم دیا ہے اُسی طرح حیات کو ڈھال لیا جائے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ تو خاتم النبیین ہیں۔ اُن کی زندگی اور اقوال قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ پورے قرآن کریم کا مطالعہ و تلاوت غور سے فرمائیے۔ اطاعتِ خدا، اور اطاعتِ رسول ﷺ ہی پر سب سے زیادہ زور ہے۔ اسی تناظر میں جناب طاہرِ سلطانی کا مافی الضمیر مندرجہ ذیل اشعار کی صورت میں ملاحظہ فرمائیے جو عام فہم ہونے کے ساتھ شعریت کے آئینہ دار بھی ہیں۔

سرورِ دین کا اگر سامنے کردار رہے
مہکا مہکا ہوا پھر اپنا بھی گلزار رہے

☆

ہر حال میں اُنہی کی اطاعت ہو عمر بھر
پیشِ نظر نبی ﷺ کی ہدایت ہو عمر بھر

☆

پیروی سرکارِ ﷺ کی ہے بندگی کا ارتقا
یہ عطا کرتی ہے روشن زندگی کا ارتقا
باعثِ روشن خیالی کیوں نہ ہو ان کا پیام
اُن کی سیرت ہے سراسر آدمی کا ارتقا

☆

سیرتِ خیر البشر ہے، شرحِ قرآنِ عظیم
پڑھتا رہ قرآن، یہ ہے زندگی کا ارتقا

☆

اُن ﷺ سے نسبت ہو، جو محکمِ زندگی ہو آئینہ
اُن ﷺ کی سیرت پر چلیں تو ہر گھڑی ہو آئینہ

اطاعت ربِّ عالم کی فقط اُن کی اطاعت ہے

وہی بعد از خدا افضل، انہیں حاصل یہ عظمت ہے

محولہ بالا اشعار، حضور ﷺ کی اطاعت کا پیغام دے رہے ہیں۔ ایک ہی بات کو مختلف خوبصورت رنگوں میں شعری کینوس پر بکھیر دیا ہے۔ یہ شعر ایجاز و اختصار کے حُسن سے بھی مزین ہیں اور ابلاغ کا حُسن بھی ہے۔ سرِ بلج التاشیری سے بھی متصف ہیں۔ طاہرِ سُلطانی نے، میر انیس کے بقول ۔

اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باندھوں

شاعر موصوف بات کو بیان کا ڈھنگ جانتے ہیں۔ شعری نشتریت سمونے کی سعیِ بلوغ اُن کے نعتیہ اشعار میں محسوس ہوتی ہے۔ اُن کے نعتیہ اشعار خیال آرائی سے زیادہ حقیقت نمائی کی خوبی سے آراستہ ہیں۔ حضور ختمی مرتبت کی حیات طیبہ، علوم ظاہری و روحانی کا خزن ہے۔ ہر شخص بہ قدرِ ظرف عشق و محبت حاصل کر سکتا ہے۔ نسبتِ عشق جس قدر قوی ہوگی۔ اُس سے روشنی بھی اتنی ہی زیادہ حاصل ہوگی۔ ہر انسان کے حوصلہ و ظرف پر اس کا دار و مدار ہے۔ اسی ضمن میں مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

آپ ﷺ کی نسبت سے ہم کو روشنی مل جائے گی

آپ ﷺ کے علم و عمل سے آگہی مل جائے گی

جو غلامِ سیدِ ابرار دل سے بن گیا

اُس کو رحمت سے مزین زندگی مل جائے گی

میں سطور بالا میں تحریر کر چکا ہوں، شاعر موصوف حضور ختمی مرتبت کی اتباع پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو نمونہٴ عمل بنا کر بھیجا ہے۔ وہ راہِ حیات میں سب سے روشن ترین منارِ نور و شعور و عمل ہیں۔ اُن سے زبانی، کلامی محبت و عقیدت کا اظہار، ذریعہٴ نجات نہیں بن سکتا ہے۔ جب تک ان کی زندگی کو پوری طرح اپنی زندگی کا محور نہ بنالیا جائے، نجات ممکن نہیں۔ نتیجہٴ عمل میں پوشیدہ ہوتا ہے، محض زبانی اظہار محبت میں نہیں۔ کامیابی اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

رہنما اُن ﷺ کو بنا لو کہہ رہا ہے کبریا، اتباعِ مصطفیٰ ﷺ ہے کامیابی کی دلیل

تھی صحابہؓ کی زباں پر بھی یہی واحد صدا، اتباعِ مصطفیٰ ﷺ ہے کامیابی کی دلیل

دل کے آئینے کو بھی شفاف رکھنا چاہیے آپ ﷺ کے رستے پہ چل کر رب سے ملنا چاہیے

سرورِ کونین ﷺ کی تقلید ہی کرنا صدا، اتباعِ مصطفیٰ ﷺ ہے کامیابی کی دلیل

آپ ﷺ کی سیرت کلامِ پاک کی تفسیر ہے، آپ ﷺ کا ہر اک عمل ایمان کی تنویر ہے

آپ ﷺ کے صدقہٴ ملی ہے دین و دنیا کی ضیا، اتباعِ مصطفیٰ ﷺ ہے کامیابی کی دلیل

حضور کریم ﷺ کی ذات صدا ہا و اوصافِ جمیل سے متصف ہے اور جس صفت کی طرف بھی غور کیجیے، وہ گلِ سرسبد محسوس ہوتا ہے۔ طاہرِ سُلطانی نے اپنے بہت سے نعتیہ اشعار میں حضور ﷺ کی صفات کا ذکر کیا ہے اور انہیں شعریت میں سمو کر پیش کیا ہے۔ چند ایسے ہی اشعار مندرجہ ذیل ہیں ۔

نعمۂ وحدت سب کو سنایا، رنگ و نسل کا فرق مٹایا

آپ سراپا جانِ رحمت، اللہ اللہ اللہ

حق کی جانب موڑنے والے، سچ سے رشتہ جوڑنے والے

سب کے لیے ہے آپ کی شفقت، اللہ اللہ اللہ

آپ کی ملک ہیں سارے خزانے، آپ کا رتبہ مولا جانے

پیٹ پہ پختھر اور مشقت، اللہ اللہ اللہ

ایک طرف ہے کفر کا ریلہ، دوسری جانب صدق اکیلا

پیکرِ صبر و شکر و قناعت، اللہ اللہ اللہ

محولہ بالا اشعار میں ”رحمت۔ شفقت۔ مشقت اور صبر و قناعت“ سید المرسلین کی صفات ہیں۔ اُن کی ہر صفت بے مثال، اوصافِ فاصلہ میں سیکڑوں خوبیوں کا ذکر ملتا ہے، لیکن وہ اوصاف کسی ایک عام انسان میں جمع نہیں ملتے ہیں۔ تمام اوصاف کی جامع صرف انبیاء و مرسلین کی ذات ہوتی ہے۔ ہمارے رسول ختمی مرتبت تو تمام انبیاء و رسل کے امام ہیں، اُن میں جملہ اوصافِ حمیدہ بہ تمام و کمال جمع ہیں۔ اُن کی ضیائے بے مثال کا جواب کسی کے پاس نہیں، اگر کائنات میں کوئی ہے تو ہمارے رسول ہیں۔ اُن کی جامعیت و اکملیت وحدت رکھتی ہے۔ ہر شخص میں، موجود خوبیاں، اس کے ظرف و حوصلہ، مقام و مرتبہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس کے حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی، وجدانِ سلیم اور چھٹی حس اس کی استعداد کے مطابق اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ ربِّ کائنات نے خاتم النبیین ﷺ پر اپنا خاص فضل کیا ہے۔ اُن کو تمام انبیاء و رسل کا سردار بنا کر اُن کے مقام و منزلت کے مطابق تمام میں ممتاز کر دیا ہے۔ جس کا اظہار شاعر موصوف نے اکثر اشعار میں کیا ہے۔

طاہرِ سُلطانی کا یقین جب حق الیقین کی منزل پر آتا ہے تو وہ اس طرح گویا ہوتے ہیں۔ ملاحظہ

فرمائیے ۔

خداے جل و علا کا ، کلام کافی ہے پھر اُس کے بعد محمد ﷺ کا نام کافی ہے
محولہ بالا شعر میں ”محمد ﷺ کا نام کافی ہے“ بہت پر معنی جملہ ہے ”نام“ کا لفظ بہت بڑی تفصیل کا
اجمال ہے۔ اگر تفصیل کا تھوڑا سا تعارف کر دیا جائے تو وہ یہ ہے کہ تصویرِ توحید پر ایمان لانے کے بعد یعنی
اقرارِ باللساں اور تصدیقِ بالجنان کے، جو اللہ ربُّ العزت نے بذریعہ وحی متلو (قرآن) میں فرمایا ہے،
اُس کی مجسم شکلِ عمل و اقوال کی صورت میں صرف اور صرف حضور ختمی مرتبت کی ذاتِ طیبہ ہے۔ ”نام کافی
ہے“ کی تفصیل کا اجمال مختصر اُس طور بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ نہایت ماقول و دل فقرہ ہے۔

طاہرِ سلطانی عہدِ حاضر کے نعت نگاروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ چالیس بیالیس
برس کا عرصہ، اس دشت کی سیاحی میں گزر گیا ہے۔ وہ شعری دُنیا کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف
ہیں اور مزید آگاہی، اس جاری سفر سے حاصل ہوتی رہے گی۔ اعلیٰ اور دل کی دھڑکنوں والی شاعری کسی
موضوع کی ہو، تجربہ و تواتر سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں نکھارِ ریاضت و و مزاولت سے آتا ہے۔ میں
اُن کے پہلے مجموعہ ”نعت میری زندگی“ کے مبسوط مقدمے میں لکھ چکا ہوں کہ وہ اس امر کی بے حد
کوشش کرتے ہیں کہ روح کی آواز شعر کی صورت اختیار کر لے، اُن کی انفرادی عقیدت و محبت اجتماعی
آہنگ و حسیت کی شکل اختیار کر لے۔

شاعر موصوف توحید پرستی، حضور ختمی مرتبت کے پیام سے سیکھنے کا درس دیتے ہیں۔ جسے زندگی
کہتے ہیں اس کے گزارنے کا صحیح درس عملاً صرف حضور ﷺ ہی سے ملے گا۔ اس بات کو کس طرح بیان
کیا ہے ملاحظہ فرمائیے ۔

کیسے ہو رب کی بندگی، سیکھو رسول ﷺ سے جیتے ہیں کیسے آگہی سیکھو رسول ﷺ سے
اُن ﷺ کے عمل سے کارواں اپنا حسین بناؤ! کیسے کرو گے رہبری سیکھو رسول ﷺ سے
انسانیت کے سارے ہنر آپ ﷺ نے دیے دُنیا میں بندہ پروری سیکھو رسول ﷺ سے
مندرجہ بالا تینوں اشعار میں سے آخری شعر میں فقرہ ”بندہ پروری“ اگرچہ صفت صرف اللہ ربُّ
العزت کی ہے، وہ انسانوں کو پالتا ہے۔ صفتِ ربانیت اُسی کے لیے مخصوص ہے، مگر اللہ نے یہ صفت مجازی
طور پر بہت سے لوگوں کو عطا کی ہے، جیسے ماں باپ مجازی رب ہیں۔ حضور ﷺ نے بنی نوع انسان کو
درس دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ! اُن کے دُکھ درد میں کام آؤ۔ یہ سب عمل بندہ
پروری کی تعریف میں بطور مجازی بولے جاتے ہیں۔ حضور ختمی مرتبت کی عظمت اُن کی سیرت میں جگمگا رہی
ہے۔ جب بھی اُن کا ذکر ہوگا، اُن کی سیرت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ علماء کرام سیرتِ مصطفوی ﷺ کو

روحِ دین سے تعبیر کرتے ہیں۔ طاہرِ سلطانی کے علم میں بھی یہ بات ہے۔ وہ مختلف بیان کی صورتوں میں
سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو شعری پیکر میں ڈھالتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ۔
بالیقیں ہے ہمارے لیے رہنما، سیرتِ مصطفیٰ ﷺ مرحبا مرحبا
ہے سبھی کے لیے اک منارِ ہدا، سیرتِ مصطفیٰ ﷺ مرحبا مرحبا



اُن ﷺ کی طاعت سے ملی ہے مجھے ہر اک نعمت
اُن ﷺ کی طاعت سے ہوا قلبِ منور اپنا
کتنے خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنا
رہنما آپ ﷺ کی سیرت کو بنا رکھا ہے
یہ فطرتِ انسانی ہے جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اُس کے تعلق سے اس سے نسبت رکھنے
والی ہر شے سے محبت ہو جاتی ہے۔ شاعر موصوف، حضور کریم ﷺ کے روضہ مبارک کے قبضہ الخضرؑ
سے متاثر ہو کر خوبصورت علامتوں کے تناظر میں گنبدِ سبز کی دلکشی کو شعری پیکر میں ڈھالتے ہیں۔ مندرجہ
ذیل اشعار دیکھیے ۔

فضلِ رب سے ہے منور، سبز گنبد آپ ﷺ کا
نور و نکبت کا ہے مظہر، سبز گنبد آپ ﷺ کا
یا الہی! یہ گلِ تر کی طرح تازہ رہے
ہر گھڑی آنکھوں کے اندر سبز گنبد آپ ﷺ کا
دونوں عالم کی بہاریں، سبز گنبد پر ثار
ہے ہر اک منظر سے بڑھ کر، سبز گنبد آپ ﷺ کا

گنبدِ خضریٰ کو حضور ﷺ سے نسبت ہے، اس لیے ایک عاشقِ رسول ﷺ کی نظر میں جو اس
کا حُسن و جمال ہے وہی جانتا ہے۔ شاعر موصوف بھی قبضہ الخضرؑ کی نسبتِ رسول ﷺ کی روشنی میں
دیکھ کر فرماتے ہیں ۔

تُو مجھ کو بڑا پیارا لگا گنبدِ خضرا
کیوں دل میں نہ لوں تجھ کو بسا گنبدِ خضرا

نسبت ہے تجھے اُن ﷺ سے جو ہیں رحمتِ عالم

کیا خوب تجھے رُتبہ ملا گنبدِ خضرا

مدینہ طیبہ حضور کریم ﷺ کا شہرِ ہجرت ہے۔ حضور کریم ﷺ کی نسبت کے سبب سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ حضور کریم ﷺ نے اس سرزمین میں دس سال گزارے۔ اس کے گلی کوچے آپ ﷺ کے قدموں سے مس ہوئے۔ آپ ﷺ کے انفاس کی نکالوں سے مہک گئے۔ اسلامی ریاست کا مرکز ہونے کا مرتبہ حاصل ہوا، پھر سب سے بڑا رُتبہ یہ حاصل ہوا کہ حضور ختمی مرتبت کا جسمِ اطہر اس سرزمین کی آغوش میں آرام فرما ہے۔ اس نسبت سے مکہ معظمہ کے بعد مدینہ الرسول ﷺ دُنیا کے تمام شہروں سے عظیم اور مبارک ہے۔ ایک عاشقِ رسول ﷺ کے لیے سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے کہ وہ فریضہ حج ادا کرنے جائے اور مدینہ الرسول ﷺ کی زیارت کرے۔ وہاں رسول کریم ﷺ کا روضہِ اطہر ہے۔ اس زمین سے محبت لازمی ہے۔ جس نے حج کیا اور مکہ معظمہ میں دن گزارے اور مدینہ مبارک بہ نفسِ نفیس نہ دیکھا اور بغیر دیکھے آگیا، وہ بد بخت ہے۔ ایک عاشقِ رسول ﷺ کی نظر میں اس کا حج بے رُوح کا ایک جسم بن جاتا ہے۔ طاہرِ سلطانی رسمی نعتیہ شاعری نہیں کرتے۔ ان کی نعتیہ شاعری حقیقی ہے، اس میں عشقِ رسول ﷺ بھی شامل ہے، لہذا حضور ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے وہ محبت کرتے ہیں۔ مدینہ تو ان سب میں مرکزیت رکھتا ہے۔ اس منظر میں وہ مجھ کو کفر مانتے ہیں۔

دل مدینے کی زندگی مانگے

اُن ﷺ کے روضے کی چاکری مانگے

جو اڑا کر مدینے لے جائے

قلبِ مضطر وہ رہبری مانگے

سنگِ در اُن ﷺ کا مل گیا جس کو

وہ نہ دُنیا کی سروری مانگے

☆

کعبے کی بہاریں لیے ہم قلب و نظر میں

اے شہرِ مدینہ! ترے گلزار میں پہنچے

محسوس ہوا ہم کو، نئی زیست ملی ہے

جس وقت دیارِ شہِ ابرار میں پہنچے

☆

حاضری دے کر حرم کی، جاؤں دربارِ نبی ﷺ

میرے دل کی یہ تمنا یہ دُعا ہے رات دن

☆

آیا ہے جو مدینہ و مکہ کو دیکھ کر

پہنائیں عظمتوں کے اُسے ہار نکلتیں

تاریخِ اسلام میں واقعہِ معراج اہم ترین انعام ہے جو خالقِ دو عالم نے حضور کریم ﷺ کو عنایت کیا۔ معراجِ رسول کریم ﷺ، بنی نوعِ انسان کے لیے سب سے بڑا نفع ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے اور خوب ہے۔ اسی حقیقت کو طاہرِ سلطانی نے قالبِ شعر میں ڈھال دیا ہے۔

سرورِ کونین ﷺ کی معراج کا تھا جو سفر

تھا حقیقت میں شعورِ بندگی کا ارتقا

☆

معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے تو ثابت یہی ہوا

انسانیت کے مرتبے رب نے بڑھائے ہیں

دستِ بستہ ہیں کھڑے، حور و ملک اے طاہر!

رب سے ملنے کے لیے شاہِ اُمم ﷺ آتے ہیں

طاہرِ سلطانی نے نعت کے اُن تمام مروجہ موضوعات کو اپنے نعتیہ کلام میں سمویا ہے جو آج کل کے معتبر نعت نگار شعراء لکھ رہے ہیں۔ بہت کم ایسے شعراء ہیں جو نعت کے موضوعات میں تنوع کی طرف مائل ہوں۔ وہ خواہ روایت پرست نعت گو ہوں یا نیم جدید انداز میں نعت لکھنے والے۔ دراصل بات یہ ہے کہ نئے نئے موضوعات نعت گو شعراء اس لیے بہت کم لاتے ہیں کہ انہیں قبولِ عام حاصل نہیں ہوتا۔ سامعینِ روایتی موضوعات کی نعتوں کے عادی ہیں، مگر طاہرِ سلطانی نے اس مجموعے میں بہت سے ایسے نعتیہ اشعار کہے ہیں جو روایتی انداز سے الگ ہیں۔ جن سے ان کی نعتوں میں تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس مجموعہ دوم کی نعتیہ شاعری، پہلے مجموعہ نعتیہ کی شاعری سے آگے بڑھی ہے۔ اُسلوب بھی بدلا ہے، فکر و خیال میں تازگی آئی ہے، بعض نعتوں میں ایسے اشعار بھی آگئے ہیں جن میں خوبصورت علامتوں اور اشاریوں کے ذریعے، بڑی گہری اور پُر مغز باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ اُن اشعار میں بڑی خوبصورت

شعری زندگی جگر جگر کرتی نظر آتی ہے۔ اُن کے نعتیہ شعر محض منظوم سطرین نہیں۔ اُن میں شعری نشتریت بھی ہے۔ زبان و بیان کا حُسن بھی ہے اور ایجاز و اختصار کی خوبی بھی ہے۔ کچھ اشعار طاہرِ سلطانی کو ایسے اُن کی طبع شاعرانہ نے عطا کر دیے ہیں، جن میں بلا کا انشائی حُسن ہے۔ اُن اشعار سے اُن کی شاعری کی جہت تبدیل ہوئی ہے۔ یہ تبدیلی بڑی خوش آئند ہے۔ شاعر جب اپنے شعروں میں انشائی جمال سمیٹنے لگے، جذبات میں شعور و فکر کو بھی شامل کرنے لگے تو اس کی شاعری اُس منطقہ میں پہنچ جاتی ہے جہاں لفظ سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ انہیں نفسِ ناطقہ مل جاتا ہے۔ دراصل شاعر کی نگاہ فکر و شعر کو انتخاب الفاظ کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔ شاعر لفظوں کے صوری و معنوی اور اُس کے صوتی و تاثراتی جمال کو دیکھنے لگتا ہے۔ میرے خیال میں، طاہرِ سلطانی میری بیان کردہ بہت سی شعری حقیقتوں کے نبض شناس ہو چکے ہیں۔ کسی کو اللہ کی طرف سے یہ خوبی حاصل ہو جانا خدا کا بڑا انعام ہے۔ میں چاہتا ہوں مندرجہ بالا بیان کردہ خوبیوں کی شہادت میں کچھ اشعار پیش کر دوں۔

ملاحظہ کیجیے ۔

حُبِّ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کا صدقہ یہ ہے
وَا ہُوا معرفتِ ذات کا جوہر اپنا
☆

اُس بارگاہِ ناز میں اخلاص چاہیے
دل میں کھلیں گے روشنیوں کے ہزار پھول
☆

اُمّت کو اپنے سائے میں رکھتی ہے، ہر نفس
رحمت سے نورِ زہا ہے رِدا حجرہ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
☆

کب بلاوا آئے گا، طیبہ میں دُوں گا حاضری
میرے دل میں ایک مدت سے ہے ارمانِ عرب
☆

نسبت ہے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم آپ کی سرمایہِ ایمان
ایمان مرا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہیں اے جانِ مدینہ

شاعر موصوف نے مندرجہ بالا اشعار میں جو مضمون اشعار میں ڈھالے ہیں۔ اُن میں نہ زبان کا جھول ہے، نہ بیان کا سقم ہے۔ نہ روانی کم ہے۔ شکفتہ و شستہ انداز میں بات کو پیش کر دیا ہے۔ عروضی و فنی طور پر بھی ان کا تمام کلام درست اور صاف ہے۔ شعروں میں زندگی ہے۔ ابہام و اہمال و اضمحلال سے پاک ہیں۔ انتقادی تناظر میں نعت کے معتبر شعراء میں ان کا شمار ہوگا۔ اُن کا سرمایہ نعت اگرچہ بہت زیادہ نہیں، مگر جتنا بھی ہے وہ قابلِ قدر ہے، ادبِ عالیہ میں ایک اضافہ ہے۔ اس حقیقت سے انحراف نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے اب تک ادب کے خزانے کو کچھ دیا نہیں ہے۔ میں اپنے ذاتی تاثر آپ کو اس لیے بیان نہیں کروں گا کہ ناقد کے تاثرات کو اس کی ذاتی پسند یا ناپسندیدگی کو انتقادی تناظر میں کوئی مقام نہیں ملتا۔ میں نے علم نقد کی روشنی میں کوشش کی ہے کہ ان کی شاعرانہ خوبیوں کو بیان کر دیا جائے۔ وہ میں نے نذر قارئین کردی ہیں۔ اب یہ ان کا فرض ہے، وہ فیصلہ کریں کہ میرے انتقادی تاثرات سے وہ کتنے مطمئن ہیں۔

طاہرِ سلطانی نے کچھ نعتیہ نظمیں بھی تخلیق کی ہیں جو اچھا تاثر چھوڑتی ہیں۔ اُن منظومات میں جو آزاد انداز میں ہیں وہ کافی دلکش ہیں۔ ”معراج کی تصدیق، اتباعِ رسول، محسنِ انسانیت، رسولِ خدا، افضل الانبیاء، آپ جیسا کوئی نہیں، ذاتِ رسول، اے غارِ حرا“ میں وہی انداز ہے جو عہدِ حاضر میں رائج ہے۔ موضوع اور بیان کے اعتبار سے اُن میں خوبصورتی ہے، گہری معنویت ہے۔ طاہر صاحب نے کچھ دوہے بھی کہے ہیں، یہ نعتیہ دوہے زبان و بیان کے اعتبار سے اچھے ہیں۔ مثلاً چند دوہے ملاحظہ فرمائیے ۔

کرپا ہو بھگوان کی مجھ پر، میں سُندر ہو جاؤں
مالا جپوں میں ہر دم اُن کی یادوں میں کھو جاؤں
راج تمہارا ہر اک من پر، تم ہو بڑے مہاراج
کرپا مجھ پر کرنا ہمیشہ، رکھنا موری لاج
پیٹ پہ پتھر، طائف کے دُکھ، روشن نام تمہارا
جس نے پریت لگائی تم سے، اس کا چمکا تارا

شاعر موصوف نے دوہے ”سرسی چھند“ یعنی ستائیس (۲۷) ماترے والی بحر میں کہے ہیں اور کچھ دوہے ”سار چھند“ یعنی اٹھائیس (۲۸) ماترے میں بھی کہے ہیں، جو دورِ حاضر کے دوہا نگاروں سے معیار میں کم نہیں۔ راقم الحروف (محسن اعظم ملیح آبادی) نے بھی پانچ ہزار سے زیادہ دوہے، اصل بحر ”دوہا چھند“

(چوبیس ماترے والی) اور ”سرسی چھند“ (ستائیس ماترے والی) میں لکھے ہیں۔ جنہیں چار مجموعوں میں تقسیم کر دیا ہے، یعنی ”دوہا پرندہام، دوہا آشرم، روپِ ندھان، دوہا ادیان“ یہ کلیات کی شکل میں ”دوہا آرام“ کے نام سے ”جہانِ حمد پبلی کیشنز“ سے شائع ہوں گے۔

طاہرِ سلطانی نے جو دوہے کہے ہیں اُن میں بڑی شاعرانہ نشتریت اور حسن ہے۔ میں چاہوں گا وہ مزید دوہے کہیں۔ دوہوں سے اُن کا مزاج کافی ہم آہنگ ہے۔ مشق و ریاضت سے وہ ایک پائے کے دوہا نگار ہو سکتے ہیں۔

شاعر موصوف نے کچھ ہائیکو بھی کہے ہیں، ان کے یہ نعتیہ ہائیکو بھی بہت عمدہ اور پُر تاثیر ہیں۔ چند ہائیکو دیکھیے۔

آئے جب سرکارِ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں رہبر

ساری بزمِ عالم میں اللہ کے محبوب ہوئے

پھیل گئے انوار نبیوں کے سرور

☆.....☆.....

نسبتِ پختہ کر کہتا ہے قرآن

فیضِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی غلامی میں آجا

دامنِ اپنا بھر راضی ہو رحمان

جناب طاہرِ سلطانی کے زیرِ نظر مجموعہ نعت دوم ”نعتِ روشنی“ کو میں نے بالاستیعاب تنقیدی کسوٹی کے ساتھ پڑھا ہے۔ اُن کی نعتیہ شاعری مجموعی طور پر معتبر ہے۔ اس میں روحِ استحسان پوری طرح موجود ہے۔ ان کی شاعری زندہ رہنے والی اور سفر کرتی رہنے والی ہے، شاعر موصوف ہر فرد کے شاعر محسوس ہوتے ہیں۔ اُن کی نعتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و عقیدت صادق ہے۔ وہ عہدِ حاضر کے صاحبِ اعزاز و ممتاز شعراء کی صف کے شاعر ہیں۔ اُن کا مجموعہ کلام سلیم الحواس قاری پر ایک خوش آئند تاثر چھوڑنے کی خوبی رکھتا ہے۔

میری نظر میں تو طاہرِ سلطانی یوں بھی معتبر ہو گئے ہیں، کہ اُن کو ”لسانِ الحسان“ کے نام سے نوازا گیا ہے۔ اس کی شہادت میرا ایک خواب جو میں نے ایک صبح صادق کو دیکھا تھا۔ وہ پہلے مجموعے ”نعتِ میری زندگی“ کے مقدمے میں لکھ دیا ہے۔



طاہرِ سلطانی (کراچی)

حمد اللہ علیہ وسلم دومدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ)

غیر منقوطہ شاعری مشکل صنف ہے۔ اس کو برتنے کے لیے پتے کو پانی کرنا پڑتا ہے اور جب

بات ہو حمد و نعت کی تو پھر شاعر کو سوسو بار سوچنا پڑتا ہے۔ بقول عرفی ۔

بے برگئی من داغِ نہد بر دلِ ساماں

بے مہری من زرد کند روئے درم را

عرفی مشتاب، ایں رہِ نعت است، نہ صحرا

آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

اللہ عزوجل کے برگزیدہ رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیب و طاہرہ کسی تحریر کی محتاج نہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں، عاشقوں اور غیر مسلم عقیدت مندوں نے ہر دور میں آپ کی سیرت طیبہ پر اپنی اپنی بساط بھر لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ کام نہ ہوا ہو۔ یاد رہے سیرت مبارکہ پر کتابیں نثر و نظم دونوں طرح لکھی گئی ہیں۔ کلام منظوم کے حوالے سے عربی میں فیضی کی تفسیر قرآن ”سواطع الالہام“ (غیر منقوطہ) شاندار نمونہ ہے مگر یہ کام مکمل نہیں ہو سکا۔ فیضی کے بعد حفیظ جالندھری کا ”شاہ نامہ اسلام“ علامہ سیما ب اکبر آبادی کی کتاب ”وحی منظوم“ گہرا عظمیٰ کی تصنیف ”ہادیٰ برحق“ نمایاں ہیں۔

صنفِ غیر منقوطہ میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس حوالے سے مولانا ولی رازی کسی تعارف کے محتاج نہیں انہوں نے ۸۰ کی دہائی میں ”ہادیٰ عالم“ غیر منقوطہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکھ کر شہرت دوام حاصل کی ان کی اس کوشش و کاوش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ دوسری طرف ہمارے شعرائے کرام نے بھی غیر منقوطہ شاعری کے حوالے سے طبع آزمائی کی۔ سردست ہمارا موضوع حمدیہ و نعتیہ غیر منقوطہ شاعری ہے۔ مذکورہ شاعری کے حوالے سے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کے

کئی مجموعے راقم کی نظر سے گزرے۔ جن میں مولانا ولی رازی کا ذکر اور اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ مولانا ولی رازی کی کتاب ”ہادی عالم“ کو پڑھ کر غیر منقوطہ حمد یہ نعتیہ کا جذبہ ابھرا..... میری دانست میں مولانا ولی رازی صاحب کے لیے یہ بڑی سعادت و اعزاز کی بات ہے۔ جب کوئی مجموعہ حمد و نعت (غیر منقوطہ) میری نظر سے گزرتا ہے کہ خوش گوار حیرت ہوتی ہے۔ راقم نے توے کی دہائی میں غیر منقوطہ حمد یہ نعتیہ انتخاب مرتب کرنے کا کام شروع کیا تو معاً خیال ہوا کہ ایک حمد اور ایک نعت راقم بھی کہے۔ الحمد للہ یہ خواہش تو پوری ہو گئی مگر اس کام کو مکمل کرنے میں مجھے وقت بہت لگا۔ یہ بات تو تھی ایک حمد اور ایک نعت کی اس کے برعکس خوش بخت شعرائے کرام نے پورے پورے مجموعے لکھ کر شائع کرائے جو ان کے عشق رسول اور علم و فن سے آگہی کے بھرپور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ تقسیم ہندوستان کے بعد مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی تعمیر و ترقی کے مراحل سے گزرتا رہا مملکت خدا داد کی ترقی میں ادیب و شعراء نے بھی اپنا اپنا کردار ادا کیا، اس کے ساتھ ساتھ ملک کے مختلف شہروں میں فروغ حمد و نعت کی کوششیں بھی جاری رہیں۔ ایک وقت تھا کہ شاعر تبر کا ایک حمد یا ایک نعت کہہ لیتا تھا۔ بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ حمد و نعت کا ایک ایک شعر ہی کتاب میں شامل کیا گیا۔ الحمد للہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک وطن عزیز میں حمد و نعت پر اتنا زیادہ کام ہوا ہے کہ جس کی مثال فخر سے پیش کی جاسکتی ہے۔

غیر منقوطہ حمد یہ نعتیہ شاعری کے حوالے سے چھپنے والے مجموعوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ یوں تو بیسیوں شعرائے کرام نے غیر منقوطہ حمد و نعت لکھی ہے۔ ان ہی شعراء میں چند خوش بخت شعرائے کرام کے غیر منقوطہ مجموعہ حمد و نعت منظر عام پر آئے ہیں۔ ان ہی ملک کے معروف شاعر، شریعت و طریقت کے باعمل راہی، ممتاز نعت گو عالم دین، سید محمد امین علی شاہ نقوی ہیں کہ جن کے دو نعتیہ مجموعے (غیر منقوطہ) شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کا مجموعہ ”اول“ محمد ﷺ ہی محمد ﷺ (اردو میں نعتیہ شاعری غیر منقوطہ۔ ۱۹۸۵ء)..... دُنیا نے نعت گوئی میں شاندار و یادگاہ کا اضافہ کرتے ہوئے انہوں نے عربی زبان میں غیر منقوطہ نعتیہ مجموعہ ”محمد رسول اللہ ﷺ“ تخلیق کیا۔ یاد رہے یہ کتاب عربی ادب کی اوّل اور واحد کتاب ہے جس میں کوئی نقطہ استعمال نہیں ہوا۔ ایک سو باسٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو ربیع الاول ۱۴۱۰ھ / اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بزم باب الہدی فیصل آباد نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ کتاب میں ۳۳ منظومات، تین سوتیرہ اشعار بارہ حمدوں اور اکیس نعتوں پر مشتمل ہے۔ سید محمد امین علی نقوی کی اس کاوش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ قارئین کرام یہاں ہم نقوی صاحب کی ایک تحریر نذر عقیدت کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں۔

”ایک فقیر اپنے امیر مولائے کائنات تاجدارِ اہل اُمتی، مشکل کشا، شیر خدا، نفسِ مصطفیٰ ﷺ و رُوحِ اولیاء، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ عالم پناہ میں افضل الذکر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ“

کا ورد کرتے ہوئے دست بستہ سر خمیدہ، پابرہنہ، دم کشیدہ اور اناجیت کا سر قلم کر کے، قلم کے قدم کے ذریعے سے حاضری کا شرف حاصل کر رہا ہے۔“

سید محمد امین علی نقوی صوفی باصفا شاعر تھے، آپ کو عربی، فارسی، اردو اور پنجابی زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا، سو آپ نے ان تمام زبانوں میں شاعری فرمائی۔ آپ کا عربی زبان میں اولین نعتیہ مجموعہ (غیر منقوطہ) ”حُسنِ محمد ﷺ“، اردو ادب کی تاریخ میں پہلی کتاب جس میں صرف الف استعمال نہیں ہوا، شائع ہوئی۔ ان کتابوں سے پہلے اردو زبان میں غیر منقوطہ نعتیہ مجموعہ ”محمد ﷺ ہی محمد ﷺ“ ۱۹۸۵ء کو شائع ہوا۔ ”کلمہ اول“ کے عنوان سے صاحب کتاب کا دو صفحات پر مشتمل مضمون ہے، وہ فرماتے ہیں:

”کرڑوں حمد ہوں سارے عالم کے مالک و مولیٰ اور حاکم اعلیٰ کے لئے کہ اس کی امداد و عطا سے سرکارِ دو عالم سرورِ اولادِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے مدح سراؤں سے اوّل اس لا علم اور معمولی آدمی کو اس رسالے کی لکھائی کا حوصلہ ہوا کہ اس کا ہر کلمہ اور ہر مصرع اردوئے معرا سے مسطور اور مہر و ولایے رسول سے معمور ہے۔

کردے وہ مٹی کو گوہر گر اُٹھے

اس کے در سے رحم و احساں کی گھٹا

کرڑوں درود و سلام ہوں ہر دو عالم کے مکرم رسول اور اللہ وحدہ کے واصل و موصول اور سارے رسولوں کے سردار و مولیٰ اور ہر دو عالم سے اعلیٰ و اولیٰ کے لئے کہ اس کے واسطے سے ہر علمی کمال سے عاری اس رسالے کے لکھاری کو امر محال کی راہ کے کوہ گراں سی ہر مہم سہل ہوئی اور ہر کڑا کڑا کوٹ کا حصار کھڑا ہوا اور اک ماہ کے عرصے کو اس کی ہر سطر اردوئے معرا سے لکھی گئی اور سارے مراحل اسی کے اسم سے طے ہوئے۔ دُعا ہے کہ اللہ وحدہ رسول اکرم سلام اللہ علیہ روحہ والہ کے واسطے سے اس رسالے کے لکھاری کو ہر دو عالم کا سرورِ کامل عطا کرے اور اس رسالے کو عالم اسلام کے لیے عطا و ہدیٰ کا واسطہ کرے اور اسے سارے لوگوں کے لیے کار آمد کر کے دوام و سلام سے محکم رکھے اور ہر عالم سے سوال ہے کہ اگر اس کو محرر کی کوئی علمی کمی اور عملی سہو دکھائی دے، وہ اس کی اصلاح کر کے، اس کے محرر کو اطلاع دے اور اس کی دُعا سے دلی حاصل کرے۔

اس رسالے کو اگر کوئی کہے
وہ محسر کے لیے کر دے دُعا

(مہر و لا کار، ابی علی)

”حمد الہی“ صفحہ ۱۴ تا ۲۶، دعائے علی، ۳۲ تا ۳۵، مدح رسول ﷺ کا آغاز صفحہ ۳۵ تا ۱۵۱، آل محمد ﷺ کا ذکر مبارک ۱۵۳ تا ۱۶۸، ”عسکرِ اسلام“، ۱۶۹ تا ۱۷۴، ”عالمِ اسلام سے کلام“، ۱۷۵ تا ۱۹۳، ”سرکارِ مکی“، ۱۹۴۔ مئے کدہ ۱۹۵۔ ”گلہائے معطر“، ۱۹۶۔ ”لکھائی کاحل“، ۲۱۰۔ ”آل رسول کا سلسلہ“، ۲۱۸۔ ”اہل علم کی رائے“، ۲۲۱۔ کتاب میں شامل کلام کی تفصیلات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ سید محمد بن علی نقوی کی کہی ہوئی خوبصورت حمد کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

حمد اس کی ہر گھڑی ہر دم کہو اس کے ہے رحم و کرم کا در کھلا
ہوں کروڑوں حمد اس کے واسطے اک وہی ہر دور کا ہادی ہوا
ہے وہ اللہ مالک و مولائے گل حکم ہے اس کا اسی کے مہر و مہ
ہے مرادِ آدم و حوا وہی ہے رسولوں کے اصولوں کی صدا
وردِ عالم ہے سرورِ اہل دل ہر مسلمان کا وہی ہے اک الہ
لا الہ الا اللہ کی ردیف میں پُر اثر حمد کے کچھ شعر دیکھیے۔

صدائے دورِ عطا ، لا الہ الا اللہ لوائے راہ ہڈی ، لا الہ الا اللہ
کلامِ مہر و ولا ، لا الہ الا اللہ حسامِ ملک الہ ، لا الہ الا اللہ
وہی ہے عالمِ امکاں کا مالک و مولیٰ دوائے دردِ ولا ، لا الہ الا اللہ
اسی کے در کا سہارا ہے سارے عالم کو رُسل کا ورد ہوا ، لا الہ الا اللہ
ولادت رسول اعظم ﷺ کے حوالے سے شعراء کرام نے انتہائی عقیدت و محبت سے لکھا ہے۔ اسی تناظر میں نقوی صاحب کا طرزِ بیان ملاحظہ ہو۔

ہادیٰ راہِ مولیٰ الوری آگئے سارے عالم کے صدرِ اعلیٰ آگئے
ہو کے اللہ کے محمود و حامد مگر دہر کے دردِ دل کی دوا آگئے
اصلِ آدم رسولِ الہ الوری ماہِ اسلام و مہرِ عطا آگئے
مرسلوں کے امام و حسامِ الہ سرورِ گل ، دلِ دوسرا آگئے
ملکِ مولیٰ کے دُہلا ، ام کے ولی حاملِ حالِ صلہ علی آگئے

اللہ ربُّ العزت نے ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ کہہ کر رسولِ محتشم آنحضرت ﷺ کا ذکرِ مبارک کو بلند کر دیا ہے۔ سواب کس کی مجال کہ لب کشائی کرے۔ لیکن اُن کے غلاموں کی عقیدت و محبت ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی فکرِ رسا کو بروئے کار لاتے ہوئے مدحِ رسول اکرم ﷺ کرتے ہیں۔ سید محمد امین نقوی جو اپنا تخلص علی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

محمد ﷺ مصدرِ علم و عطا ہے محمد ﷺ سرورِ ہر دوسرا ہے
محمد ﷺ والی و مولائے عالم محمد ﷺ عالمی مہر و ولا ہے
محمد ﷺ داعیِ امرِ الہی محمد ﷺ ساعیِ ہراک گدا ہے
محمد ﷺ حاکمِ اولادِ آدم محمد ﷺ عالمِ راہِ ہدیٰ ہے
محمد ﷺ مکی و عالی مکارم محمد ﷺ ہی الہ کا مدعا ہے
محمد ﷺ حامیِ اسلام مولیٰ محمد ﷺ مائیِ مکرِ عدا ہے
محمد ﷺ سالکِ راہِ معلیٰ محمد ﷺ مالکِ ملکِ سما ہے

قارئین محترم سید علی نقوی کی غیر منقوطہ نعتیہ شاعری میں حسن ہے نہ ندرت ہے۔ فکر کی گہرائی و گیرائی موجود ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعتیہ شاعری میں پُر کیف اثر موجود ہے۔ دُعا ہے اللہ ربُّ العزت سرورِ انبیاء مقصود کائنات آنحضرت ﷺ کے طفیل سید محمد امین نقوی کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

راغب مراد آبادی مرحوم نے ”مدح رسول ﷺ“ کے نام سے کتاب ۱۹۷۹ء میں تصنیف کر لی تھی۔ بوجہ کتاب ۱۹۸۳ء کو شہرِ حمد و نعت کراچی سے شائع ہوئی۔ کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخری نوصحات، فرہنگ کے لیے مختص ہیں۔ اردو غیر منقوطہ نعتیہ مجموعوں میں ”مدح رسول ﷺ“ کو اولیت حاصل ہے۔

نمونہ کلام:

عدل ، صمد ، دودود ، مودود اللہ روحِ سمکٹِ مہم داود اللہ
اک سرِّ صدا اسرارِ اساسِ عالم عالمِ عالم کا اصلِ معبود اللہ

☆.....

محمد ﷺ کو، مراد و مدعا لکھ دو عالم کا سہارا ، آسرا لکھ
محمد ﷺ ، راکح و ہمنادِ مولا اٹھا کلک اور رُودادِ چرا لکھ

راغب مراد آبادی کی زود گوئی کے چرچے زبانِ زد عام ہیں۔ انہوں نے شاعری کی تمام اصناف

میں شاعری کی ہے۔ اُردو حمدیہ و نعتیہ ادب کو دو شاہکار کتابیں پیش کر چکے ہیں۔ آپ کا اُردو حمدیہ رباعیات پر مشتمل مجموعہ اُردو حمدیہ ادب میں اولین کوشش و کاوش ہے۔ مذکورہ کتاب پر بھرپور تبصرہ میری کتاب ”اُردو حمد کا ارتقاء“ شائع ہو چکا ہے۔ راغب صاحب کی دوسری کتاب ”مدح رسول“ ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد قلم یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ یہ کتاب نہ صرف علم و فن سے مزین ہے بلکہ راغب صاحب کا عشق رسول واضح طور پر کتاب کے ہر صفحے پر جگمگا رہا ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے لکھا ہے کہ: ”مدح رسول ﷺ کی نعتوں اور رباعیوں میں بہت کم ایسے مقامات ہیں۔ جہاں صنعت غیر منقوہ اظہار جذبہ اور اُردو کے مزاج پر غالب آئی ہو وہاں بیشتر مقامات پر یہ مشکل صنعت حجاب درمیان نہیں بنی ہے بلکہ وسیلہ انکاس جذبہ و خیال کے طور پر سامنے آتی ہے۔“

ڈاکٹر شان الحق حقی کی تحریر ملاحظہ فرمائیے: ”جناب راغب مراد آبادی ہمارے عہد کی اُن چند باکمال ہستیوں میں ہیں جن کے سامنے میرا سر نیاز جذبہ عقیدت اور وفور تحسین سے جھک جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اُستاد نہیں کہلوا یا، مگر اُستاد کا لقب اُنہیں زیب دیتا ہے۔ راغب صاحب کی نعتوں میں کہیں بھی کوئی بات ثقاہت یا معقولیت سے ہٹی ہوئی نہیں ملے گی۔ اظہارِ محبت و ارادت ہے، جیسا کہ چاہیے مگر پوری احتیاطوں کے ساتھ جو ان کے خلوص کلام کی شاہ ہیں۔ یہ مجموعہ اُردو ادب کے جواہر خانے میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور یقین ہے کہ فارسی میں فیضی کی ”سواطع الاہام“ کی طرح راغب صاحب کا یہ کارنامہ بھی اُردو میں منفرد رہے گا۔ جزا اللہ خیر الجزا ہمارے اس امولے کوئی کے عہد اعلیٰ احلیٰ کلام کی کہ رسول ﷺ کی مدح میں ہے کوئی داد کہ کامل کہلا سکے اس کم سواد کو محال معلوم ہوئی دو سطور ہی سے کھل گیا کہ اس کڑی مہم میں اس کی ہمسری محال ہے اور اس سے آگے راہ محدود و مسدود۔ والسلام“ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ راغب مراد آبادی نہ صرف یہ کہ وہ ایک بڑے شاعر تھے بلکہ وہ ایک اچھے انسان بھی تھے۔ ان کے چند اشعار آپ کے ذوق نعت کی نذر

دل کا ہو و رد اگر رسد اصل علی محمد
دور ہو گرد ما رسوا صل علی محمد
دام و درم کا دائرہ اور مرا ہو مدعا
گوہر مدعا مرا صل علی محمد

☆.....

دو عالم کا حاصل محمد ﷺ محمد کا حامل محمد ﷺ
عکمدار، اسم اخذ کا وہ علام کامل محمد ﷺ

☆.....

سرور دوسرا دُرود و سلام ماہِ دارِ حرا دُرود و سلام
محرّم سرّ لا و الا اللہ حرم مدعا دُرود و سلام
راغب مراد آبادی کا مجموعہ نعت ”مدح رسول“ (غیر منقوہ) اہل علم و اہل دل کے لیے اک خزینہ ہے اور حضرت راغب مراد آبادی کے لیے ذریعہ نجات ہے۔

شاعر لکھنؤی مرحوم ایک باعمل مسلمان اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ ان کا شمار ممتاز صاحب طرز نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ شاعر لکھنؤی کی منقوہ و غیر منقوہ نعتیہ شاعری، نعت گو شعراء بالخصوص نو آموز شعرا کے لیے قابل تقلید ہے۔ شاعر لکھنؤی کی نعتیہ شاعری کا پرچم نعتیہ ادب کے آسمان پر لہراتا اور جگمگاتا رہے گا۔ روزِ محشر حضور پُر نور، سرورِ انبیاء، مقصودِ کائنات، آنحضرت ﷺ، شاعر لکھنؤی سے فرمائیں گے ”شاعر! کوئی نعت سناؤ“ تو شاعر لکھنؤی کہیں گے

ہم غلام آپ کے تھے، آپ کے ہیں بس یہی نام و نسب ہے آقا
شاعر لکھنؤی کی کتاب ”روح الہام“ (غیر منقوہ حمد و نعت و رباعیات و قطعات) یہ کتاب انہوں نے غالباً ۱۹۷۷ء میں مکمل کر لی تھی۔ ان کا انتقال ۱۹۸۹ء میں ہوا۔ کتاب ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔ شاعر لکھنؤی کی غیر منقوہ شاعری کے حوالے سے ہم یہاں پروفیسر سحر انصاری کے مضامین سے اقتباس پیش کرنا چاہیں گے۔

”شاعر لکھنؤی اگرچہ غیر منقوہ نعتیہ رباعی اور قطعات کے نہ موجد ہیں اور نہ پہلے شاعر لیکن اس وصف میں اور اس میدان میں وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے۔ وجہ یہ ہے کہ اس ”میکانکی“ پابندی کے باوجود ان کا کلام کہیں سپاٹ، جو جھل، ادق اور بے روح نہیں ہونے پایا۔ یہ بات میں نے بطور خاص اس لیے کہی ہے کہ بعض دوسرے شعرا کے ہاں غیر منقوہ کلام میں وہ شکستگی اور بے ساختگی نہیں ملتی جو شاعر صاحب کے حصے میں آئی ہے۔ اُن کی یہ رباعی دیکھیے

ہر گرد سے روح و دل کو سادہ کرلو
ہر لمحہ درود کا اعادہ کرلو
حائل ہو کوئی و سوسہ دہر اگر
سرکار کی مدح کا ارادہ کرلو

اس میں اس قدر شکستگی اور شیفگی ہے کہ پڑھتے وقت یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی کڑی فنی شرط کے تابع ہو کر کہی گئی ہے۔ دراصل کلام اپنی تاثیر کا حسن اسی وقت ظاہر کرتا ہے جب اس میں جذبے کے ساتھ ساتھ فنی اور جمالیاتی اوصاف اس طرح آمیز ہو جائیں کہ کسی قسم کی فنی شرط یا پابندی خارج سے مسلط کی ہوئی نہ محسوس ہو۔ شاعر لکھنؤی کی نعتیہ رباعیات اور قطعات کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے جو

انہیں اس میدان میں سب سے ممتاز و مہتر ہوا ہے۔

”روحِ الہام“ کے غیر منقوطہ قطعات اور رباعیات کے بعض مصرعے الفاظ کے انتخاب اور درو بست کا ایک ایسا حسن رکھتے ہیں جس کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔

کلام محمد ﷺ، کمال محمد ﷺ

یا

سرکار سے ہر لمحہ سروکار رہا

کلام اور کمال، سرکار اور سروکار کے اس طرح استعمال میں محض استادانہ مہارت ہی نہیں بلکہ لطفِ ادا اور ندرتِ بیان بھی ملتی ہے۔ مدحیہ شاعری میں اس طرح کی لفظی و معنوی جدتیں بڑا حسن پیدا کر دیتی ہیں۔“

پروفیسر حسن اکبر کمال رقمطراز ہیں:

”اُردو غزل کی لطافتوں، نزاکتوں اور معنی آفرینی کے حوالے سے ”زخمِ ہنر“ جیسے خوبصورت شعری مجموعے کے خالق جناب شاعر لکھنوی نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور قادر الکلامی کا ایک زمانے کو قائل کر لیا تھا۔ جب انہوں نے مداحی سرور کو نین ﷺ میں اپنے ہنر اور علم کے خزانے کو بروئے کار لانے کا ارادہ کیا تو بارگاہِ ایزدی سے توفیق مزید عطا ہوئی اور شاعر لکھنوی صاحب نے بے پناہ تاثیر و تاثر سے معمور نعتیں، رباعیات اور قطعات تخلیق کر کے اُردو کے شعری سرمائے میں بیش بہا اضافہ کیا۔ زبان و بیان، قلمی اسرار و رموز اور تخلیقِ حمد و نعت کے مراحل میں حدِ ادب و احتیاط کے معیار اور تقاضوں کا مکمل لحاظ رکھنے کا ثبوت، شاعر لکھنوی صاحب کا یہ مجموعہ حمد و نعت و رباعیات ہے جو فنِ سخن طرازی کی نہایت مشکل صورت یعنی صنعتِ غیر منقوطہ کا شاہکار ہے خود پر عائد کردہ اس پابندی اور عرضِ مدحت میں تکنیکی حدود متعین کر لینے کے باوجود شاعر لکھنوی نے کہیں بھی پیرایہٴ اظہار کو، لطافت، حسنِ بیاں، عقیدت و شیفتگی، زباں دانی میں مہارت اور الفاظ کے در و بست کے التزام میں سلیقہ و ہنر کاری سے عاری نہ ہونے دیا۔ شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں اور خاص طور پر نوجوان شعراء کے لیے ”روحِ الہام“ جیسے شعری مجموعے، رموزِ شعر گوئی، زبان و بیان پر عبور اور حمد و نعت جیسی مقدس اصنافِ ادب کی تخلیق کے ضمن میں ایک مثالی مکتب اور رہنما ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاعر لکھنوی مرحوم کے سعادت مند صاحب زادے ایاز پاشا لائق تحسین و تشکر ہیں کہ انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کے شعری سرمائے کو ادبی حلقوں تک پہنچانے کے لیے جناب طاہر سلطانی کے ادارے ”جہانِ حمد پبلی کیشنز“ کے تعاون سے اس

وقیع مجموعہ حمد و نعت و رباعیات کی اشاعت کا اہتمام کیا۔“

جناب خواجہ رضی حیدر ”روحِ الہام“ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”ماضی قریب کی شعر و ادب کی تاریخ کے ایک اہم شاعر مرحوم شاعر لکھنوی جہاں اپنے غزلیہ آہنگ کی بنا پر ممتاز رہے، وہاں انہوں نے مذہبی شاعری پر بھی بھرپور توجہ دی۔ ایسی توجہ جس نے اُن کے احساس میں حمد و نعت کے حوالے سے ایسے ذرّہ کر دیئے، جن سے تاقیامت ”خوشبوئے حنّان“ آتی رہے گی۔ اُن کا نعت پاک کے حوالے سے ایک مجموعہ کلام ”روحِ الہام“ شائع ہو رہا ہے جس میں غیر منقوطہ حمد، نعت پاک اور قطعات موجود ہیں۔ غیر منقوطہ قطعات کی تعداد ۶۳ ہے۔ یہ تعداد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے منسوب ہے۔ جس سے شاعر لکھنوی کی عقیدت کا اظہار تو ہوتا ہی ہے لیکن ساتھ ہی اُن کی فنی استطاعت بھی ظاہر ہے۔ یہ صنفِ نعت میں ایک اہم کام ہے۔ ایسا کام جو دیگر نعت گو شعراء کی اظہاری صلاحیتوں کو مہیز کرتا رہے گا، یعنی شاعر لکھنوی آنے والے زمانوں میں دیگر ایسے شعراء کے ثواب میں بھی حصّہ دار رہیں گے جو غیر منقوطہ نعت گوئی میں اپنی اظہاری صلاحیتوں کو صرف کریں گے۔ اللہ تعالیٰ، شاعر لکھنوی کے درجات کو بلند کرے اور ہم کو بھی صالحِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔“

لطیف اثر زود گوشا عرتھے۔ ان کی تیرہ کتابیں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔

- (۱) ”حصارِ انا“ (مجموعہ غزل) ۱۹۸۳ء (۲) ”سبیلِ تمنا“ (مجموعہ غزل) ۱۹۸۴ء (۳) ”صحیفہ حمد“ (مجموعہ حمد) ۱۹۸۸ء (۴) ”صحیفہ نعت“ (مجموعہ نعت) ۱۹۸۸ء (۵) ”مرے آئینے“ (مجموعہ غزل) ۱۹۹۲ء (۶) ”صحیفہ ذات“ (مجموعہ حمد) ۱۹۹۲ء (۷) ”صحیفہ نور“ (مجموعہ نعت) ۱۹۹۲ء (۸) ”بساطِ کرب“ (قصائد شہدائے کربلا) ۱۹۹۳ء (۹) ”چراغِ راہِ حرم“ (مجموعہ نعت) ۱۹۹۴ء (۱۰) ”سرکارِ دو عالم“ (مجموعہ نعت غیر منقوطہ) ۱۹۹۵ء (۱۱) ”شائع محشر“ (مجموعہ نعت) ۱۹۹۵ء (۱۲) ”اللہم“ (مجموعہ حمد غیر منقوطہ) ۱۹۹۶ء (۱۳) ”طلوعِ حمد“ (مجموعہ حمد) ۲۰۰۰ء

غیر منقوطہ مجموعہ حمد ”اللہم“ خصوصی اہمیت افادیت کا حامل ہے کہ اس سے پہلے کسی شاعر کا غیر منقوطہ حمد یہ مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ ۶۶ حمدوں پر محیط، مذکورہ مجموعہ حمد میں ڈاکٹر ابو الخیر کشفی علامہ محمد ولی رازی کے مضامین کے علاوہ لطیف اثر کا حرفِ سپاس بھی شامل ہے۔ حضرت لطیف اثر نہ صرف ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ بلکہ وہ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ راقم پر تو بہت زیادہ کرم فرماتھے۔ آپ نے میرے حمدیہ مجموعے ”حمد میری بندگی“ کے لیے مضمون بھی سپرد قلم فرمایا تھا۔ جو میرے لیے کسی سعادت و اعزاز سے کم نہیں۔ راقم نے شہر حمد و نعت کراچی کے جن صاحب کتاب نعت گو یاں اُردو کے انٹرویو کیے

ہیں۔ اُن میں حضرت لطیف اثر بھی شامل ہیں۔ انشاء اللہ انٹرویو پر مبنی کتاب جلد شائع ہوگی۔ بات ہو رہی تھی غیر منقوطہ مجموعہ حمد ”اللہم“ کی تو کیوں نہ لطیف اثر کے پر پُر اثر حمد یہ اشعار آپ کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں۔

حمد اللہ کی لکھ رہا ہوں لمحہ لمحہ اسی کا ہوا ہوں

☆.....

کس طرح ہوں وہ آسے وہ کہاں ہے کسے کسے معلوم

دل ہمارا ہے واسطے اس کے ہم کو معلوم اور اسے معلوم

☆.....

داور ہے وہ اسی کی ہے ہر گاہ ہم کو اسی کے در کی ملی ہے گدا

گری

☆.....

مالک دوسرا مدد کر دے ہر رحم ہر کرم کی حد کر دے

دل سے اُٹھے صدائے اللہ ہو دل کو گہوارۂ احد کر دے

☆.....

مرہم ہر گھاؤ کا ہے مالک الملک لا دوا کی دوا ہے مالک الملک

مالک دوسرا ہے مالک الملک مایوس سے سوا ہے مالک الملک

عالمِ گل گواہی دے اس کی دردِ دل کی دوا ہے مالک الملک

لطیف اثر کے روح پرور حمد یہ اشعار جن میں کیفیت اور روانی کے ساتھ ساتھ ان کے دل سے نکلی ہوئی صدائیں بھی شامل ہیں۔ اب ہم ڈاکٹر ابوالخیر کشفی اور علامہ محمد ولی رازی کی رائے سے اقتباس پیش کر رہے ہیں:

”جناب لطیف اثر کی نعتیہ اور حمد یہ شاعری کے علاوہ ان کی غزلوں پر میں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر کیا اضافہ کروں یہ دراصل میری فکر کی تنگ دامانی ہے لطیف اثر صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی روح اور طبع رواں صفحہ قرطاس پر جوئے نور کی صورت بہہ رہی ہے میں نے نوریوں عرض کیا کہ ان کا موضوع حمد و نعت ہے اور جو یوں کہا کہ انہیں خود اپنے طبع موزوں پر قابو نہیں رہا۔ بیشتر

شاعر شاعری کو اختیار کرتے ہیں جناب لطیف اثر کو شاعری نے اختیار کر لیا ہے۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے ”شعر و سخن“ کہاں

لطیف اثر صاحب مجموعہ کمالات ہیں ان کی زندگی کا پھیلاؤ اور ان کے اظہار کا تنوع کہیں اور مشکل سے ملے گا“..... (سید محمد ابوالخیر کشفی)

”لطیف اثر صاحب پر اللہ جل شانہ کی ایک خصوصی عنایت یہ ہے کہ حمد گوئی اور نعت گوئی ان کا شوق نہیں رہا۔ معمول بن گیا ہے اور اس میدان کی سیاحت میں لطیف اثر نے نادر طریقے اور نئے راستے تلاش کئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت شعر گوئی کو اتنی رفتار اور قوت عطا فرمائی ہے کہ تقریباً ہر دوسرے مہینے ان کا کوئی نہ کوئی مجموعہ طباعت کے لیے تیار ہوتا ہے آدمی پرانے ہیں مگر ان کی فکر اور شعر گوئی کی رفتار جوان بھی ہے اور تازہ بھی“..... (علامہ محمد ولی رازی)

حضرت لطیف اثر قادر الکلام زود گو شاعر تھے۔ کثیر تعداد میں آپ کے مجموعہ ہائے حمد و نعت شائع ہوئے یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کثیر تعداد میں شائع ہونے والے مجموعہ ہائے حمد و نعت کے حوالے سے سرفہرست شعرائے کرام میں ممتاز نعت گو، ادیب و محقق نعت پر سب سے زیادہ کام کرنے والے جناب راجا رشید محمود ہیں۔ ان کے علاوہ مسرور کیفی، حافظ لدھیانوی کے نام بھی نمایاں ہیں۔ حضرت لطیف اثر کی فن و شخصیت کے حوالے سے راقم کا ایک مضمون ”جہانِ حمد“ میں چھپ چکا ہے۔ سر دست ہمارا موضوع ان کی غیر منقوطہ نعتیہ شاعری ہے۔ لطیف اثر کا غیر منقوطہ مجموعہ ”نعت“ ”سرکارِ دو عالم“ میرے سامنے ہے۔ ایک حمد تریسٹھ نعتوں پر مشتمل یہ مجموعہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء کو راشد لطیف نے شہر حمد و نعت کراچی سے شائع کیا۔ لطیف اثر کی شاعری بڑی وقتی نہیں بلکہ گل وقتی تھی۔ لمحہ لمحہ ان کی فکر کا محور حمد و نعت ہی تھی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

اللہ کے رسول کا کلمہ ادا کروں اور عام دل کے واسطے راہِ ہدٰی کروں

دل کو مرے ملے درِ احمد کھلا ہوا ہر لمحہ مجھِ درسِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رہا کروں

اسی تناظر میں دو شعر اور ملاحظہ فرمائیں۔

گہوارۂ درود مسلسل دُعا سلام سرکار کا کرم ہی کرم اور ہم ہی ہم

صلیٰ علی کا ورد امر ہو گھڑی گھڑی سرکار ہوں ہمارے اور سرکار کے ہوں ہم

آپ ﷺ، رحمۃ للعالمین، شافعِ محشر، ہادیِ عالم، خیر البشر اور مقصود کائنات ہیں۔ آپ کی

ولادت باسعادت اللہ کا خاص کرم و انعام ہے۔ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ عالم انسانیت کے لیے بھی۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے چند اشعار جو بھرپور معنویت اور روانی کے ساتھ اپنا اثر دکھا رہے ہیں۔

کرم ہی کرم لے کے آئے محمد ﷺ دعائے کرم ہے دعائے محمد ﷺ

سکوں سارے عالم کا لائے محمد ﷺ وہ آئے محمد ﷺ، وہ آئے محمد ﷺ

اُسی دم ہوئی رسم الحاد درگور وہ کئے سے آئی صدائے محمد ﷺ

فرمان رسالت مآب ﷺ ہے کہ ”افضل الذکر لا الہ الا اللہ“۔ اللہ عزوجل کا فرمان عالی شان ہے کہ میرے محبوب رسول ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔

جناب لطیف اثر کی نعتیہ شاعری میں صلّ علی کا ورد، توانائی کے ساتھ گونجتا ہے۔ یہ گونج کوئی عام گونج نہیں بلکہ اس گونج کے سفر میں خوشبو اور روشنی بھی ہم سفر ہے۔

طلوع مہر کرم ہوگا مطلع دل سے

امر کو ورد ہے صلّ علی رسول اللہ

☆.....

صلّ علی کا ورد اور راہِ درِ حرم

دل کو عطا ہوا مرے اللہ کا کرم

ہر لمحہ ورود ہے صد حاصل سرور

صلّ علی کا ورد ہے کاسہ رسول ﷺ کا

☆.....

حرم کی راہ آئی اللہ اللہ

صد ہو گئی عام صلّ علی کی

☆.....

عام ہر سو ہوئے سلام و درود

وہ رسول اُمم ہوئے مولود

آپ ﷺ غریبوں، مجبوروں کے طرفدار و غمخوار، بیواؤں، یتیموں اور غمزدوں کا ہر طرح سے خیال رکھنے والے بے مثل رسول معظم کی شان میں لطیف اثر کے دو خوبصورت و اثر انگیز شعر ملاحظہ کیجیے۔

علم اللہ کا ہوا کس کو راہ سالوں ڈھکی رہی دل کو

مرے سرکار کو ہوا محسوس رگ دکھی ہے اگر کسی دل کی

اس نوع کے اشعار کتاب میں جا بجا ملتے ہیں۔ مذکورہ کتاب نعتیہ ادب میں بالخصوص غیر منقوطہ شاعری کے حوالے سے قابلِ قدر اضافہ ہے۔ ہم لطیف اثر مرحوم کے درجات کی بلندی کے لیے دُعا گو ہیں۔ حضرت لطیف اثر کی غیر مطبوعہ تصنیفات کا عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ کو شدت سے انتظار ہے۔ جاوید لطیف، راشد لطیف فرزند انِ لطیف اثر مرحوم سے درخواست ہے کہ وہ اپنے والد مرحوم کی غیر مطبوعہ کتابوں کو شائع کر کے ان کی روح کو آرام پہنچائیں۔ اس حوالے سے راقم خدمت کے لیے تیار ہے نیک خواہشات کے ساتھ۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

معروف ادیب و صحافی مدیر ماہنامہ ”آفاقی“، کراچی سید سخاوت علی الوری کے توسل سے جناب تابش الوری سے رابطے کی سبیل نکلی۔ سید تابش الوری ملک کے معروف سیاست داں و صحافی کے حوالے سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک خوش فکر شاعر بھی ہیں۔

تابش الوری صاحب نے اپنی کراچی آمد کا عندیہ بذریعہ ٹیلی فون دیا تو ہم نے انہیں ”بزمِ جہانِ حمد پاکستان“ کے زیرِ اہتمام منعقدہ ماہانہ طرحی حمدیہ مشاعرہ کی صدارت کی درخواست کی جو انہوں نے قبول فرمائی۔ ممتاز افسانہ نگار، رضوان صدیقی کی رہائش گاہ پر منعقدہ طرحی حمدیہ مشاعرہ کی صدارت آپ نے ہی فرمائی۔ اس مشاعرے میں کراچی کے جن شعرائے کرام نے شرکت کی ان میں خیام العصر محسن اعظم محسنِ ملیح آبادی (مہمان خصوصی)، قادر الکلام شاعر اقبال عالم، پروفیسر حسن اکبر کمال، پروفیسر خیال آفاقی، ذکی عثمانی، ڈاکٹر انیس الحق انیس، عبدالوحید تاج، نشاط غوری، آسی سلطانی، مسعود عالم مسعود، طاہر سلطانی سامعین میں محمود احمد خاں (ساجی شخصیت)، سید سخاوت علی الوری، احسان الحق احسان، میٹرو و ن ٹی وی کی نیچنگ ڈائریکٹر جناب عامر مسعود شیخ کے والد محترم سلطان مسعود شیخ نے بھی شرکت کی۔ شعرائے کرام نے مشاعرے میں روح پرور اور پُر اثر حمدیہ کلام پیش کیا۔ بالخصوص صدر مشاعرہ کا طرحی حمدیہ کلام سامعین اور شعراء نے بہت پسند کیا۔ صدر مشاعرہ نے بزمِ جہانِ حمد پاکستان کی مساعیٰ جلیلہ کو سراہتے ہوئے بزم کے عہداران و اراکین کو مبارک باد پیش کی۔ اس تمہید کا اصل مقصد، تابش الوری کا غیر منقوطہ مجموعہ نعت ”سرکارِ دو عالم“ کا تعارف کرانا مقصود ہے۔ یہ شاہکار کتاب اپریل ۲۰۰۴ء کو منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ کتاب کے ناشر ”مجلسِ ثقافت پاکستان بھاولپور“ ہے۔ کتاب کا انتساب ”خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا“ کے نام کیا گیا ہے۔ ایک سو چھ صفحات پر مشتمل

کتاب میں تین حمدیں، چونتیس نعتیں شامل کی گئی ہیں۔ ملک کے نامور قلم کارں جناب شہزاد احمد شہزاد، جناب امجد اسلام امجد، پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی، پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف کی آرا شامل ہیں۔ مذکورہ کتاب ہمیں بھاولپور کے ممتاز شاعر و ادیب سہیل اختر صاحب نے بھجوائی تھی وہ کتاب نظروں سے اوجھل ہوگئی تو جناب تابش الوری کوفون پر بتایا کہ کتاب درکار ہے۔ سو موصوف نے کتاب بھجوا کر ہمارا کام آسان کر دیا، تابش صاحب آپ کا شکریہ۔ غیر منقوطہ نعتیہ شاعری میں مترنم بحرین اور کلام میں روانی تابش الوری کا خاصہ ہے۔ کتاب میں شامل پہلی حمد سے چند شعر ملاحظہ کیجیے۔

مالک الملک ہے وہ ملک ہے سارا اُس کا
آسمان اُس کا، سمک اس کی ہے صحرا اس کا
لہر در لہر رواں اس کا کرم اس کی عطا
ساحل اس کا ہے، ہوا اس کی ہے دھارا اس کا
سارے عالم کے سہاروں کا سہارا وہ ہے
ہم کو ہے احمد مرسل ﷺ سے سہارا اس کا

تابش الوری کی غیر منقوطہ نعتیہ شاعری سے بھی چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

مرے اللہ مرا ولولہ اعلیٰ کر دے
مرا ہر کام محمد ﷺ کا حوالہ کر دے
ولادتِ رسول اکرم ﷺ کو دلکش پیرایے میں بیان کیا ہے۔
نُرو سے دل لہک رہا ہے درود سے روح کھل اُٹھی ہے
کسی کی آمد کا سلسلہ ہے ہوا مسلسل مہک رہی ہے

مقصود کائنات، سرورِ انبیاء، آنحضرت ﷺ کے اسمِ گرامی کے حوالے سے شعرائے کرام نے خوبصورت اشعار لکھے ہیں۔ تابش الوری کا یہ شعر دیکھیں۔

داؤد کی لے ہے کہ ملانک کی صدا ہے
اک اسمِ گرامی ہے کہ رس گھول رہا ہے

حضور پُر نور سراپا کرم ہیں۔ آپ کا کرم دراصل مولائے کل کا کرم ہے۔ مولائے کل کا فرمانِ عالی شان ہے کہ میں اور میرے ملائکہ رسول آخر پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ کرم اور درود شریف کے حوالے سے دودلکش اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

محمد ﷺ کے دم سے کرم ہی کرم ہے
کرم ہی کرم ہے، کرم ہی کرم ہے
دردوں سے ہر راہ آساں ہوئی ہے
ہر اک دل حرم ہے، کرم ہی کرم ہے
جو شخص یہ کہے۔

درد و دُعا اُسی کے لئے مری ہر صدا اُسی کے لئے
لہو کی طرح رواں اسمِ آں ہوا صدا اُسی کے لئے

مالکِ دو عالم، سرکارِ دو عالم ﷺ کے شاعر تابش الوری اس مدحِ سرائی کو ہم لوگوں کے دُکھوں کا درماں کر دے۔ ہماری ہر صدا میں درود و سلام کی مہک سما دے۔ مولا ہماری اس آس کو مکمل کر دے۔ سارا آسرا مالک الملک کا ہے۔

”سرکارِ دو عالم ﷺ“ جیسی نادر شاہکار کتاب پر تابش الوری کو میرا سلام اور میری جانب سے دلی مبارک باد۔

یہ بات تو طے شدہ ہے کہ فضلِ رب اور رحمتِ عالم ﷺ کی نظر کرم کے بغیر حمد و نعت کہنا ناممکن ہے۔ چہ جائیکہ غیر منقوطہ حمد و نعت۔ یوسف طاہر قریشی کا غیر منقوطہ مجموعہ نعت ”روحِ عالم“ ۱۹۹۷ء کو منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ طاہر قریشی لکھتے ہیں۔

سموتا ہوں محبت کو میں نعتوں میں عقیدت سے
کروں ذکرِ رسول پاک باتوں میں عقیدت سے
لکھوں میں مدحتِ آقا خیالوں کو وضو دے کر
پکڑتا ہوں قلم کو اپنے ہاتھوں میں عقیدت سے

سولہ نومبر ۱۹۸۴ء کا دن تھا۔ مسجد چھتاں والی محلہ لاہوری گیٹ چنیوٹ میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب چشتی اپنی فصیح اللسانی اور شیریں بیانی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ بات ہو رہی تھی حضرت الامام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ اور ان کے فضائل و کمالات کے موضوع پر۔ تو انہوں نے بتایا کہ مشہور مغل بادشاہ اکبر کے نامور تن فیضی عربی میں ایک کتاب لکھ رہے تھے۔ جو تفسیر کے موضوع پر تھی یہ کتاب غیر منقوطہ الفاظ و عبارت پر مشتمل تھی۔ کتاب لکھتے لکھتے ایک لفظ ایسا آ گیا کہ جس کا غیر منقوطہ مترادف فیضی کے احاطہٗ ادراک میں نہیں آ رہا

تھا۔ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو اس ولی کامل نے پوچھا کہ تمہیں اس کے کتنے مترادفات درکار ہیں ایک یا ایک سے زیادہ۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سینہ میں کتنے علوم و فنون کا بحرِ ذخار رکھتے تھے۔ اس موقع پر چشتی صاحب نے مولانا محمد ولی رازی کی سیرت طیبہ پر لکھی ہوئی کتاب دکھائی جو اول سے آخر تک غیر منقوطہ ہے نام ہے ”ہادی عالم“۔

یوسف طاہر قریشی کا قلبِ حُب رسول اکرم ﷺ سے منور ہے، اس بات کی گواہی ہمیں ان کی غیر منقوطہ نعتیہ شاعری سے مل جاتی ہے۔

محمد ﷺ سا کوئی ہے طہ دیکھا دو کسی کا محمد ﷺ سا اُسوہ دیکھا دو
محمد ﷺ کے کھڑے سا کھڑا دیکھا دو محمد ﷺ کے دکھڑے سا دکھڑا دیکھا دو
محمد ﷺ کے وعدے سا وعدہ دیکھا دو محمد ﷺ کے عہدے سا عہدہ دیکھا دو
محمد ﷺ سا کوئی ہے سلطان دیکھا دو محمد ﷺ سا کوئی ہے دارا دیکھا دو
محمد ﷺ کے کلمے سا کلمہ ہے کس کا محمد ﷺ سا اک رحم والا دیکھا دو
محمد ﷺ سا ہے رحل، کوئی آئے محمد ﷺ سا اک حلم والا دیکھا دو
محمد ﷺ سا کوئی دلاور کہاں ہے محمد ﷺ سا کوئی دلارا دیکھا دو
”روح عالم“ میں دو حمدیں اور اٹھتر نعتیں شامل ہیں۔ کتاب ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم یوسف طاہر قریشی کے لیے دعا گو ہیں۔

ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی بلکہ حیرت بھی کہ جناب صادق علی صادق بستوی نے بفضلہ تعالیٰ ایک کارنامہ انجام دیا کہ انہوں نے ”سیرت مبارکہ“ کو صنعتِ غیر منقوطہ میں منظوم کیا۔ صادق صاحب ہم سب کی مبارک باد کے مستحق ہیں یاد رہے کہ کتاب ”داعی اسلام“ اپنی نوعیت کی اولین کوشش و کاوش ہے۔ صادق علی صادق بستوی کا مجموعہ ”داعی اسلام“ ۱۴۱۱ھ کو شہرِ ہمدونیت کراچی سے شائع ہوا۔ صفحات ۱۶۰ ہیں۔ صادق بستوی عالم و فاضل شاعر ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نقشبندی رقمطراز ہیں۔

”محترم صادق دریابادی کی کتاب ”داعی اسلام“ نظر سے گزری جو غیر منقوطہ حروف میں حضور انور ﷺ کی سیرت طیبہ کے کچھ واقعات پر مشتمل ہے۔ بہت سے حضرات نے اس کتاب پر تقریظیں لکھی ہیں۔ راقم الحروف بھی یہ چند سطور لکھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کتاب میں تین فصلیں ہیں: (۱) داعی اسلام کے اول احوال۔ (۲) داعی اسلام کا مکی دور اور (۳) اعلائے اسلام کا

دور۔ ان تمام واقعات کو صرف ۱۲۱ صفحات میں نظم کرنا اور وہ بھی غیر منقوطہ حروف میں محدود کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس سے پہلے مولانا ولی رازی نے ”ہادی عالم“ نام کی کتاب کے ۴۱۲ صفحات میں غیر منقوطہ حروف سے سیرت نگاری کی تھی۔ وہ اپنی جگہ ایک عظیم کارنامہ ہے لیکن صادق صاحب کا بھی یہ کارنامہ لائقِ صد تحسین و تبریک ہے۔ انھوں نے جگہ جگہ وضاحتی حواشی بھی دیے، ہی جن سے کتاب کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔“

قارئین! کتاب کے ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہوئے والد اُدھر ہادی کی آمد سے عدم راہی
رہا رحم و کرم اللہ کا اک ماں کا ہم راہی
سحر ہے سوم کی، ہے ماہ سوئم، ماہ کی دس دو
ہوئی ہادی کل کی آمد مسعود اے لوگو

☆.....

رہی عمرِ کمزں ساتھ کم سو سال داعی کی
جرا کی گود سے آمد ہوئی وحی الہی کی
جرا کی کھوہ در آکر رہے محو دعا ہادی
کہ سردارِ ملائک آئے، لوح وحی لا کر دی
کہا! کر کے سلام، اس کو کہو، امر الہی ہے
کہا! اُمّی ہوں، ڈر کر، حاکم کل کی گواہی ہے

ہم صادق علی صادق بستوی کو ان کی کتاب ”داعی اسلام“ کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

”معلم عالم“ ۹۹ غیر منقوطہ نعتوں پر مشتمل مجموعہ نعت ہے۔ توصیف نگار الحاج پروفیسر ڈاکٹر ظفر ہاشمی قادری الوارثی ہیں۔ کتاب کا سنہ اشاعت ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء ہے۔ ہاشمی صاحب نے کتاب میں کسی کی رائے شامل نہیں کی ہے۔ صرف ایک صفحہ پر عرض شاعر ”روگاہ“ کے عنوان سے موجود ہے وہ لکھتے ہیں۔

”لوگو! ہر لمحہ حمد احد کرو، مدح احمد کرو۔ اس طرح ممدوح عالم کا سہارا حاصل کرو۔ دل کو آمادہ ورد اسمِ ہادِم الحاد رکھو کہ ورد اسم محمد ﷺ و احمد ﷺ ہر درد اور ہر الم کا مداوا ہوگا اور کارِ مدح سرور عالم اہل

اسلام کا ماوا ہوگا۔ ہر عالم کا لم گسار، ہر عہد کا دلدار، ہر دو کا مددگار اور ہر عصر کا کردگار ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول مکرم ہوگا۔ سارا عالم گدا اور ہمارا مہر سدرہ، ماہِ اسرار محو عطا ہوگا۔ ہمارا رسول اوّل واولا، اولادِ آدم کا دادرس ہوگا۔ اہل عالم کا سر ہوگا اور اس کا در ہوگا۔ الحمد للہ! ہمارا دل، مداح طاہر و مدح اس طرح مدح سرا ہوگا کہ رسولِ ارحم واکرم کا رحم و کرم ہر لمحہ سوا ہوگا۔“

شاعر نے اپنے کلام کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصّہ اوّل ”روح المحرم“ نعتیہ غزلیات ”مسک گہر“ منظومات ”صراط المراد“ قطعات ”مکارم مطلا“ مفردات ”العلم“ حل۔ اُردو..... ترتیب کلام کو دیکھنے کے بعد اس بات کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ ظفر ہاشمی کا مجموعہ ”نعت ”معلم عالم“ غیر منقوطہ کو دیگر غیر منقوطہ نعتیہ مجموعوں میں ترتیب کے حوالے سے انفرادیت حاصل ہوگئی ہے۔ ظفر ہاشمی کی غیر منقوطہ نعتیہ شاعری سے کچھ اشعار آپ کی نذر کر رہا ہوں۔

اس طرح اسمِ احمدِ مرسل ادا ہوا ہم کو درِ رسول ملا ، اور کھلا ہوا
محو کرم رسول ملاحم سدا رہا مہر مراد اہل عمل کو عطا ہوا
ٹوٹا طلسمِ سکرِ مسائل کا سلسلہ اور مائلِ کرم وہ مہ دوسرا ہوا

.....☆.....

احمد مرسل صلّ اللہ حامد اکمل صلّ اللہ
عادل ، کامل ، طہ ، طاہر مصلّح اوّل صلّ اللہ
مکرم ، اکرم ، راحم ، ارحم درسِ مدلل صلّ اللہ
مصلّح عادل ، عالم کامل علمِ مکمل صلّ اللہ
ماہِ مکارم مہر مساح سدید اکمل صلّ اللہ
دعا ہے کہ مدح گو کو اللہ اور رسولِ ارحم کا کرم و رحم حاصل رہے۔

ہادیٰ برحق ، ہادیٰ عالم ، اکمل اطہر رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر کام ہر زبان میں اور ہر ملک میں ہوا ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور تاقیامت تک جاری رہے گا۔ فیضی نے عربی میں غیر منقوطہ تفسیر لکھ کر ایک شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن یہ کام مکمل نہ تھا۔ چونکہ فیضی نے تسلسل سے یہ کام نہیں کیا تھا۔ علامہ محمد ولی رازی نے ۱۹۸۳ء کے اوائل میں شاندار و یادگار اور بے مثل کارنامہ ”ہادیٰ عالم“ کے نام سے سرانجام دیا، جس کی اہل علم و ہنر نے دل کھول کر تحسین کی ہے۔ چار سو سولہ صفحات پر مشتمل سیرت طیبہ پر پہلی غیر منقوطہ کتاب جو تاریخ کا ایک سنہرے باب ہے۔ ۲۸ برس میں کسی کو سیرت طیبہ غیر

منقوطہ لکھنے (نثر) کی ہمت یا توفیق تو نہیں ہو سکی ہے۔ البتہ کئی شعرائے کرام نے غیر منقوطہ نعتیہ شاعری کی ہے۔ ان میں چند شعراء کے تو مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ غیر منقوطہ مجموعہ ہائے نعت کے شعراء نے مولانا محمد ولی رازی کی کتاب ”ہادیٰ عالم ﷺ“ کو اپنی غیر منقوطہ نعتیہ شاعری کا محرک قرار دیا ہے۔ علامہ محمد ولی رازی دو ہرے ثواب کے حق دار ٹھہرے کہ ایک تو خود اتنا بڑا کارنامہ بفضلہ تعالیٰ انجام دیا۔ دوسرے ان کی کاوش کی وجہ سے شعرائے کرام کے مجموعہ ہائے نعت اور ایک کتاب منظوم سیرت بھی منظر عام پر آئی ان شعراء کرام کے اسمائے گرامی، شاعر لکھنوی، لطیف اثر، یوسف طاہر قریشی، صادق بستوی وغیرہ

ولی رازی صاحب سے راقم کی دو تین ملاقاتیں رہی یہ بات ۱۹۹۰ء کی ہے کہ راقم حمیدہ انتخاب ”خزینہ حمد“ (۱۰، دس زبانوں کا حمیدہ کلام اُردو ترجمے کے ساتھ) ترتیب دے رہا تھا۔ سو علامہ کی خدمت میں حمیدہ انتخاب کا مسودہ پیش کیا اور درخواست کی کہ آپ اس پر اپنی رائے لکھ دیجیے۔ سو ہماری درخواست منظور ہوئی آپ کی رائے ”خزینہ حمد“ میں موجود ہے۔ علامہ محمد ولی رازی کی لکھی ہوئی۔ اُردوئے معرّا میں مدح رسول اور اطوار محمودہ کی اوّل سعی ہے۔ مولائے کل علامہ ولی کو محکم علو عطا کرے۔ ممتاز شاعر و ادیب جناب رئیس امر و ہوی کی رائے برائے ”ہادیٰ عالم“ پیش کر رہے ہیں:

”خدا شاہد ہے کہ میں شعر و ادب کے کسی نادار اور عجیب شاہکار کو دیکھ کر اس قدر ششدر اور سحرزدہ نہیں ہوا، جتنی حیرت ”ہادیٰ عالم ﷺ“ کے مطالعہ سے ہوئی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے نظر سے گزر رہے ہیں۔ ادب کی بے مثال تخلیقات سے بارہا لطف اندوز ہو چکا ہوں لیکن ادب کا کوئی شہسہ پارہ۔ نثر کا کوئی نمونہ اور شعر کا کوئی گلدستہ اس قدر حیرت آفریں ثابت نہیں ہوا۔ جتنی حیرت جناب محمد ولی رازی کی تصنیف ”ہادیٰ عالم“ کے مطالعہ سے ہوئی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں فصاحت کی زبان گنگ اور بلاغت کے حواس خبط ہو جاتے ہیں۔ زیر نظر ہادیٰ عالم کی مثال اُردو تو اور عربی و فارسی زبانوں تک میں نہیں مل سکتی۔ صنعت غیر منقوطہ میں شعر کہہ لینا چنداں مشکل نہیں۔ جناب محمد ولی رازی نے اس تصنیف میں تخلیقی ولایت کا کمال دکھایا ہے۔“

مشہور شاعر، محقق، نقاد، خاتم العصر جناب محسن اعظم حسن ملیح آبادی کی تحقیق کے مطابق صنعت عاقلہ میں جن شعراء نے کلام کہا ہے۔ اُن میں ایک بڑا نام مولوی قدرت اللہ بیگ راج آبادی کا بھی ہے۔ اُن کا سنہ ولادت اٹھارہ سو ہتر عیسوی (۱۸۷۳ء) ہے۔ سال وفات کے بارے میں انہوں نے امجد حسین خاں امین زئی ملیح آبادی، غالب علی خاں ملیح آبادی اور مرزا عظیم بیگ ملیح آبادی کے حوالے

سے لکھا ہے ”مولوی صاحب کا انتقال پینسٹھ (۶۵) برس میں ہوا تھا“۔

جناب محسن اعظم ملیح آبادی فرماتے ہیں اس روشنی میں اُن کا انتقال سنہ اُنیس سو اڑتیس (۱۹۳۸ء) میں ہوا ہوگا۔ ”رادیخ آبادی اُردو، عربی، فارسی، سنسکرت اور ہندی کے جید عالم تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے بنارس جا کر سنسکرت زبان کی تعلیم حاصل کی اور ہنود کی مذہبی کتب یعنی چاروں ویدوں کا مطالعہ کیا تھا اور اُن پر عبور حاصل تھا۔ طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ وہ اپنے دور کے تجربے کار اطباء میں شامل تھے۔ مگر طب کو مستقل پیشہ نہیں بنایا۔ وہ ”مدرسہ فرقانیہ عالیہ“ واقع علاقہ چوک، لکھنؤ میں فارسی کے اُستاد رہے۔

مولوی قدرت اللہ بیگ رادیخ آبادی کے جد امجد مرزا سیف اللہ بیگ قزلباش، والی اودھ نواب آصف الدولہ کے عہد حکومت میں ناظم سلطان پور بھی رہے۔ وہ اٹھارہ سو سواروں کے رسالدار کے منصب پر بھی فائز رہے۔ مولوی قدرت اللہ بیگ کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ مرزا سیف اللہ بیگ قزلباش مرزا رستم بیگ، مرزا احمد علی بیگ، مرزا محسن بیگ، مولوی قدرت اللہ بیگ راد، مولوی صاحب نھیال کی طرف سے آفریدی پٹھان تھے۔ ان کے جد امجد غزنین کے مشہور قصبہ فتح آباد سے اُتر پردیش میں آئے تھے۔ مرزا قدرت اللہ بیگ راد کے ایک ہی فرزند تھے۔ جن کا نام مرزا غوث بیگ سیفی ہے۔ وہ مشہور عروسی تھے۔ ”آئینہ بلاغت“ اور ”علامت و بلاغت“ نیز آمدنامہ جدید ان کی مشہور تالیفات ہیں۔ وہ شاعر بھی تھے۔ مگر کلام شائع نہ ہو سکا۔ ایک صاحبزادی علاقہ اُلُو پور ملیح آباد کے زمیندار عبدالرب خاں غزنوی کو بیاہی تھیں۔ ایک بیٹی کا دس سال کی عمر میں انتقال ہوا جسے مولوی صاحب بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان کے نام سے اپنی مشہور غیر منقوط مثنوی منسوب کی ہے۔ مولوی صاحب کی علم فلسفہ پر گری نظر تھی۔ اس موضوع پر کئی رسائل بھی تحریر کیے تھے۔ جو چھپنے سے رہ گئے۔ ان کے خاندان کے ایک شخص مرزا عظیم بیگ نے مجھے بتایا تھا ”رادیخ آباد قادر الکلام تھے۔ وہ گاہ گاہ اُردو شعر بھی کہتے اور فارسی میں بھی غزلیں کہی تھیں، مگر وہ اُن کے خاندان والے محفوظ نہ رکھ سکے“۔

مولوی قدرت اللہ بیگ راد کا بڑا کارنامہ اُن کی غیر منقوط الفاظ پر مشتمل فارسی مثنوی ہے۔ جس کا نام ”مطالع الحامد“ ہے۔ اس میں چار ہزار تین سو پچپن (۴۳۵۵) اشعار ہیں۔ اس میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی ہے۔ مثنوی کی صورت میں حضور ﷺ کی سوانح ہے۔ جو صنعتِ تہنیں اور صنعتِ قلب میں ہے اور سو میں سے پچھتر اشعار مذکورہ صنعتوں میں ہیں۔ اُن کی یہ مثنوی صنائع اور بدائع سے بھری ہوئی ہے۔ لکھنوی شاعری کا انداز ہے۔ صنائع بدائع نے مثنوی کے اشعار مشکل کر دیئے ہیں۔ ان میں زبان عربی

کے الفاظ بھی کثرت سے آئے ہیں۔ اس غیر منقوط فارسی مثنوی مطالع الحامد کا ذکر پروفیسر محمد عبدالقوی فانی چشتی استاد لکھنؤ یونیورسٹی اور شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی نے بھی مولوی قدرت اللہ بیگ راد کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ ملیح آباد بنام ”ملیح آباد“ کے مؤلف و مصنف (محسن اعظم محسن ملیح آبادی) کے شاگرد، سرفراز علی خاں رازیخ آبادی نے بھی اُن کا ذکر نہایت مستند حوالوں سے کیا ہے۔ اُن کی مذکورہ غیر منقوط مثنوی اُن کے کسی عزیز کے پاس بوسیدہ حالت میں دیکھی تھی۔ مولوی صاحب کے خاندان سے ایک شخص عثمان خاں غزنوی، جو آج سے بیس سال پہلے کراچی تشریف لائے تھے انھوں نے بھی اُس کا ذکر کیا تھا۔ جوش ملیح آبادی نے اپنی کتاب ”یادوں کی برات“ میں قدرت اللہ بیگ راد کا ذکر کیا ہے۔ جوش صاحب فرماتے ہیں۔ ”مولوی قدرت اللہ بیگ فارسی عربی کے عالم تھے۔ میرے پاس اُن کی ایک مثنوی موجود ہے۔ جو غالباً پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ اس مثنوی کے تمام اشعار ایسے ہیں کہ ایک لفظ بھی نقطہ دار نہیں ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اُن کی بے پایاں، ذخیرہ الفاظ اور فرماں روائی لغات کا..... جناب محسن اعظم ملیح آبادی نے اُس مثنوی سے چند شعر بھی دیے ہیں، جو انھوں نے تاریخ ملیح آباد، بنام ”ملیح آباد“ سے نقل کیے ہیں۔ یہ زیر نظر کتاب ”حمد اللہ و مدح رسول“ میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۳۵ء میں پہلی بار ”مطبع یونی“ لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

خیام العصر جناب محسن اعظم محسن ملیح آبادی عصر حاضر میں صفِ اوّل کے نہایت مستند، قادر الکلام اور منفرد لہجے کے شاعر ہیں۔ میں نے ان سے بھی زیر نظر غیر منقوط مجموعہ نعت کے لیے بطور خاص چند حمدیں اور نعتیں کہلوائی ہیں۔ جو شامل کتاب ہذا ہیں۔ جناب محسن اعظم محسن کا ایک مجموعہ صنعتِ عاطلہ (غیر منقوط الفاظ) میں اُن کی نعتیہ کلیات ”دکری“ میں شامل ہوگا۔ یہ نعتیہ کلیات تقریباً نو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ جلد ہی ”جہان حمد پبلی کیشنز“ سے شائع ہوگا۔ میں جناب محسن اعظم ملیح آبادی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ایک عظیم شاعر مولوی قدرت اللہ بیگ رادیخ آبادی کا کلام فراہم کیا ہے اور ان کے متعلق اپنی تحقیقی تحریر بطور حوالہ عنایت فرمائی جس کے اقتباسات ہم اس مقدمے میں شامل کر رہے ہیں۔

ہُموم مُعلّٰءِ دَوْرِ دَوَّارِ ہِمہ مُم دَر مہر دارِ اَعْلَا
مِجِ آہ ہر کاہِ دَر، دَر دَوَّارِ کَمی دَر آلامِ ہر رَمَلِ صَحْرا
سُرودِ ہوا، حَمْدِ دارِ اَعْلَا دَوَّارِ مِجِ دَاوَرِہ دَوَّجِ ہر سُوئے صَحْرا
سِرِ دہرِ دَر سَلَمَہِ حَکَمِ دَوَّارِ سَمَا رَامِ رَاے اِلَہِ مُعَلّٰ

دگر دال، دالِ مُعلّا ئے مادَح
سَوَعِ راہ و رَسَمِ رسولِ مُعلّا
معِ ماہِ رُوئے رسولِ مَکَرَم
مہامِ مُعلّا ئے دَارِے اَعْلَا
سِرِ رادِ درِ رائے حَمْدِ مُطہّر
کُوائے وِلاِ وسطِ مداحِ دَارا

امر سے اُس کے عوالم کا رواں ہے کارواں
لاگماں ہر ہر مکاں اُس کا کہ ہے وہ لامکاں



وہ محمد ﷺ کا الہ، آل محمد ﷺ کا الہ
حامد و محمود ہے اور اہل ہے ہر حمد کا

☆

حکم اُس کا حکمِ محکم اور امر، امرِ اہل
ہو اگر اُس کا کرم ہر مسئلہ لاحل ہو حل

سبحان اللہ! کیا روح پرور ایمان افروز اشعار ہیں۔ جب آپ مکمل حمد کا مطالعہ کریں گے یقیناً مکاں اور لامکاں کے مالک کی محبت آپ کے دل میں پُر نور ہواؤں، گھٹاؤں کا سماں باندھ دے گی۔ مختار گیلانی کی غیر منقوطہ نعتیہ شاعری میری دانست میں اُردو نعتیہ ادب کے لیے یادگار خزانہ ہے۔

صاحب کتاب چونکہ علوم اسلامیہ میں ایم اے ہیں۔ سو نے پر سہاگہ یہ کہ آپ سید السادات بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری پُر اثر ہے (غیر منقوٰطہ) ان کی شاعری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اعتدال کا خاص خیال رکھا ہے۔ ان کے ہاں غلو نام کی کوئی چیز نہیں ان کی لکھی ہوئی نعتوں کے ایک ایک مصرع ایک ایک لفظ سے حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک محسوس ہوتی ہے۔ قاری کے لیے خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے کہ کلام کے آخر میں مشکل لفظوں کے معنی بھی دیے گئے ہیں۔ راقم الحروف ایک مرتبہ پھر مختار گیلانی کو دل کی گہرائیوں سے اس عظیم کتاب ”محامد وراء المعزّٰا“ کی چوتھی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اس اُمید کے ساتھ کہ وہ آئندہ بھی تائید خداوندی سے مزید بے مثل کارنامے انجام دیتے رہیں گے۔ مختار گیلانی کے چند نعتیہ اشعار عشاقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و غلامانِ محبتی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق نعت کی نذر ہے۔

کوئے احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُٹھی کالی گھٹا
حوصلہ اِس دِل کے صحرا کو ہوا

کہہ رہا ہے ہر کوئی صلّٰی علی
کوئے احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُٹھی کالی گھٹا

☆

احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کالی ردا
دل کے صحرا کے لیے کالی گھٹا
اور گھٹاؤں کی وہ اک کوئل ادا
کاکلِ اسود کا ہر مونے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مورِدِ صَلَّی عَلَیْہِ مَرْسَلِیْہِ سَرْمَدِ آئے
حامد و احمد و محمود و محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے

اُس کی آمد ہے ہواؤں کو معطر کر دو
کھل کے ماحول کے اے لالہ گل مہکاو
لاؤ دلدرا الہی ہے کوئی اور اگر
لاؤ سرکارِ دو عالم ﷺ سا دلارا لاؤ

نعتیہ استغاثہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

اے محورِ رحم و کرم امداد کو آؤ
ہوں دور ہمارے الم امداد کو آؤ ہو گئی ہر اک لسانِ محوِ درد

ٹکڑے ہوا اسلام مسلمان ہوئے رسوا
 اے داعیِ اسلام ہو اللہ سہارا
 اے درد گسارِ حرم امداد کو آؤ
 اے محورِ رحم و کرم امداد کو آؤ
 ہوں دور ہمارے الم امداد کو آؤ

حقیقت تو یہی ہے کہ آج عالم اسلام کا حال انتہائی قابلِ افسوس ہے۔ اللہ عزّوجلّ عالم اسلام،

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور شہرِ حمد و نعت کراچی پر اپنا خصوصی فضل و کرم فرما کر انہیں امن و محبت کا گہوارہ بنادے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کروں گا کہ مختار گیلانی نے علم و عمل اور خلوص و محبت کا ایک ایسا چراغ جلا دیا ہے جس کی روشنی سے نہ صرف غیر منقوطہ نعتیہ ادب ہمیشہ ہمیشہ روشن رہے گا، بلکہ اہل علم، اہل ذوق بالخصوص مبتدی شعران کی فکر رسا سے استفادہ حاصل کرتے رہیں گے۔

”روحِ کلام“ (غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ مجموعہ) اور محسن اعظم محسن ملیح آبادی

صنعتِ عاطلہ (غیر منقوطہ) کلام کے اس زیرِ نظر مجموعہ حمد و نعت ”حمد اللہ و مدح رسول“ میں اُردو کے صفِ اوّل کے شاعر، خیام العصر، جناب محسن اعظم محسن ملیح آبادی کا غیر منقوطہ کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔ موصوف ایک دانشور، محقق اور نقاد بھی ہیں۔ نہایت قادر الکلام شاعر ہیں۔ تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ فکر انگیزی اور بلند خیالی ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ موصوف کا تفصیلی تعارف جو ان کے شعری کلیات میں تحریر ہے، اس سے مانو ذیہ مضمون میں نے لکھا ہے۔ خاندانی نام محسن علی خان ہے۔ بطور قلمی نام محسن اعظم محسن ملیح آبادی لکھتے ہیں۔ ان کے والد گرامی کا نام امجد حسین خان ہے۔ محسن اعظم صاحب کی ولادت تین ستمبر اٹھیس سو اٹھالیس عیسوی ہے (۱۹۳۹ء - ۹ - ۰۳) مطابق تیرہ سو اٹھاون ہجری (۱۳۵۸ھ)۔ آپ چار مضامین، اُردو ادب، فارسی ادب، معارفِ اسلامیہ اور تاریخِ اسلام میں ایم، اے ہیں۔ فاضلِ علوم شرقیہ بھی ہیں۔ پینتیس برس تک کالج اور اسکول میں پڑھاتے رہے ہیں۔ آپ کا وطن ولادت مردم خیز بستی، موضع بختیار نگر قصبہ ملیح آباد ضلع لکھنؤ بھارت ہے۔ نسلاً افغان ہیں۔ ملک طاووت (شادل) کے فرزند ارمیاں کے عظیم بیٹے افغنہ، جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپہ سالار اعظم تھے، انہی کی نسل سے ہیں۔ حضرت طاووت، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چھوٹے فرزند، حضرت بنیامین (جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے) کی نسل سے تھے۔ حضرت افغنہ بن ارمیاں کی نسل میں ایک عظیم شخص ایمن تھے۔ ان کی نسل خود کو ایمن زئی اور داؤد زئی لکھتی ہے۔ محسن اعظم صاحب بھی ایمن زئی پٹھان ہیں۔

خیام العصر محسن اعظم محسن ملیح آبادی کے وہ جدِ اعلیٰ جو سب سے پہلے دار الخلافہ دہلی میں آئے ان کا نام شیر جنگ، زادِ اودھ بہادر خان ہے۔ ان کے والد صوبہ سرحد میں علاقہ بُنیر کے موضع گل بیلا میں سب سے بڑے رئیس تھے اور حکومت جہانگیر بادشاہ میں وزیر مال کے منصب پر فائز تھے۔ جب بہادر خاں، شیر جنگ دہلی آئے تو اعلیٰ فوجی افسر کے منصب پر ان کو فائز کیا گیا، پھر عہد شہاب الدین

شاہجہاں بادشاہ کے دور میں صوبہ اُتر پردیش کے صوبے دار، سرابدال خاں کے نائب اور اعلیٰ کمانڈر کا منصب ان کو سونپا گیا۔ سرابدال خاں کے انتقال کے بعد صوبہ دار جلال خاں المعروف دلیر خاں کے نائب رہے۔ اس کے بعد بادشاہ وقت کے حکم سے علاقہ بیہوارہ، لکھنؤ، ملیح آباد اور ملحقہ علاقہ جات کے ناظم بنائے گئے۔ اُسی زمانے سے انہوں نے ملیح آباد کو مستقل مسکن بنالیا۔ ان کی نسل میں بڑے عظیم لوگ ہوئے ہیں۔ ان کے فرزند کلاں، دیوان، سردار سر مست خان الخطابات، غضنفر الدولہ، امتیاز الملک، لقب فخر افغنہ تھے۔ ان کے بڑے فرزند سردار، دلاور خان، الخطابات نواب شمشیر خاں اور معین الدولہ تھے۔ لقب خان اودھ تھا۔ وہ شہنشاہ ہند فرخ سیر کے اُمراء خاص میں سے تھے اور تورانی اُمراء کے سربراہ بھی تھے۔ بادشاہ وقت نے اہم خدمات کے عوض ان کو نو سو نو اسی گاؤں کی جاگیر عنایت کی تھی اور نواب کا درجہ دیا تھا۔ ان کے بیٹے نواب مکارم علی خاں، خطاب ناصر الملک علاقہ اودھ میں بڑی اہم شخصیت تھے۔ انہی کے دور میں صوبہ دار اُتر پردیش نواب شجاع الدولہ کے کہنے پر اپنی تعلقہ داری میں ملیح آباد کے موضع کیول ہار میں حضرت جوش ملیح آبادی کے جدِ اعلیٰ کو قطعہ اراضی قیام کے لیے دیا تھا جس کا ذکر جوش صاحب کے پردادا، فقیر محمد خاں گویا آفریدی نے اپنی کتاب بُستانِ حکمت کے دیباچے میں بھی کیا ہے۔ نواب مکارم کے ایک فرزند، نواب زادہ ولایت علی خاں بھی تھے۔ ان کا خطاب خانِ خوائن تھا۔ فوج میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ ان کے بیٹے نواب زادہ شہادت علی خان جن کا خطاب جانناز اودھ تھا۔ اودھ حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔ ان کے فرزند، انسان علی خان تھے۔ خطاب شیر اودھ تھا۔ اعلیٰ فوجدار تھے اور فوجی اسکول کے پرنسپل تھے۔ ان کے بیٹے مجاہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء خان حافظ علی خاں جن کا خطاب تیغ اودھ تھا۔ ان کے بیٹے محمد حسین علی خاں زمیندار علاقہ کوٹلیا بار تھے۔ ان کے اکلوتے فرزند امجد حسین خاں تھے۔ ان کے بیٹے محسن علی خاں، محسن اعظم ملیح آبادی ہیں جو پاکستان بننے کے بعد ہی ۱۹۴۷ء میں یہاں آ گئے تھے۔ عروس البلاد شہر کراچی میں قیام پذیر ہیں۔

جناب محسن اعظم محسن ملیح آبادی بہت ہی زود گو اور قادر کلام شاعر ہیں۔ اُردو کے عظیم شعراء نے ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ محسن صاحب نے اب تک توے ہزار سے زیادہ شعر کہے ہیں جن میں سے تین کلیات وجدان، بسیط، دانش و بینش میں اکیس ہزار کے قریب اشعار چھپ چکے ہیں۔ باقی تین کلیات ذکرئی (نعتیہ کلام)، جاوداں، دوہا آرام (دوہے) میں بائیس ہزار سے زیادہ اشعار ہیں جو ہمارے ادارے جہانِ حمد پبلیکیشنز و حمد و نعت ریسرچ سینٹر کے زیر اہتمام جلد ہی چھاپے جائیں

گے۔ مذکورہ چھ گلیات میں تینتیس شعری مجموعے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ باقی کثیر کلام بھی چھپے گا۔ محسن اعظم صاحبِ رُباعیات کے بھی بہت بڑے شاعر ہیں، اُردو ادب میں میری نظر سے اتنی کثیر رُباعیات نہیں گزری ہیں جو اُن کے گلیات دانش و بینش میں ہیں۔ اس میں اکئیس سو سے زیادہ رُباعیاں، چار مجموعوں کی شکل میں یکجا ہیں اور اس سے کہیں زیادہ رُباعیات ابھی موجود ہیں جو بہت معیاری رُباعیاں ہیں۔ محسن اعظم ملیح آبادی عہدِ حاضر کے بہت عظیم شاعر ہیں۔ وہ ایک گوشہ نشین شخص ہیں اور شہرت سے بے نیازی اُن کی فطرت ہے۔ بہت کم شعری نشستوں میں جاتے ہیں۔

صنعت غیر منقوط (صنعتِ عاطلہ) میں حمد و نعت کا مجموعہ ”حمد اللہ و مدح رسول“ کے لیے میں نے اُن سے بھی پانچ حمدیں اور پانچ نعتیں لکھنے کو کہا، انہوں نے ماشاء اللہ تیرہ حمدیں اور اُنیس نعتیں کہہ دیں۔ وہ ساری زیرِ نظر مجموعے میں شامل کر دی ہیں، اس لیے کہ خصوصاً میری فرمائش پر کہی ہیں۔ اس مجموعے میں نہایت معتبر و ممتاز شعراء کا غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ کلام، میں نے نہایت تلاش و جستجو کے بعد جمع کیا ہے، انشاء اللہ قارئین کو پسند آئے گا۔ محسن اعظم ملیح آبادی کا خیال ہے وہ کچھ حمدیں اور نعتیں مزید کہہ کر غیر منقوط مجموعہ ”روحِ کلام“ سے شائع کر دیں۔ مجھے مسرت اس امر کی ہے کہ میری کوشش سے ایک غیر منقوط مجموعہ کلام آجائے گا۔ اس سے دیگر شعراء میں بھی غیر منقوط کلام کہنے کا شوق بیدار ہو رہا ہے۔

جناب محسن اعظم ملیح آبادی کے حمدیہ و نعتیہ کلام سے چند شعر نذر قارئین ہیں ۛ

حمد یہ اشعار:

ہے اللہ کا ہمسر کہاں اللہ اللہ
وہی ہے ہر اک سے کلاں اللہ اللہ
کہاں آئے گا، وہ سرِ دل کسی کے
کہ وہ ہے ورائے گماں اللہ اللہ

نعتیہ اشعار:

علم و عمل کی آگہی، صلّ علی محمد
علم ہے اس کا سرمدی، صلّ علی محمد
سارے رسولوں کا امام، اُس کو عطا ہوا دوام
اللہ رے! اُس کی سروری، صلّ علی محمد



ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ)

میلاد اکبر ایک مطالعہ

میلاد اکبر کا میں نے اس وقت مطالعہ کیا تھا جب نہ ادب کا شعور تھا نہ شاعری کا، عقیدت اور عقیدے کی بھی کوئی کوئیل میرے ذہن و دل میں نہیں پھوٹی تھی۔ ایک دم معصوم تیلیوں کے پروں جیسا بچپن تھا۔ نہ احساس کی کلی کھلی تھی نہ خرد کی شمع جلی تھی۔ بس میلاد کی محفلوں میں نعتِ رسول پڑھنے اور سننے کا شوق تھا حالانکہ میری آواز میں کبھی لے اور نغسگی کی آمیزش نہیں رہی۔ اس کے باوجود مرحوم قاضی رضا محمد کی ہمنوائی اور رہنمائی میں نعتِ رسول کے وسیلے سے تمام لوگوں کی آواز میں آواز ملا کر اپنی آواز بلند کرنے کی طفلانہ کوشش کرتا رہتا تھا۔ پھر ایک بار دل میں سمائی کہ خود ہادی بنوں، اپنی آواز بلند کروں، اور تمام لوگ میری آواز میں آواز ملا کر میرے ہمنوا بن جائیں۔ تب میں نے میلاد اکبر سے ایک لوری کا انتخاب کیا۔ یہ لوری حضرت حلیمہ سعدیہ کی زبان مبارک سے ادا کرائی گئی تھی۔ حضرت حلیمہ اپنے پیارے محبوب کو اس طرح لوریاں دے کر سلا یا کرتی تھیں ۛ

یہ حلیمہ کہہ رہی تھی میرے گل عذار سو جا
ترے جاگنے کے صدقے مری جان زار سو جا
بنی سعد کا قبیلہ ہوا باغِ تجھ سے
مرا دودھ پینے والے گلِ نو بہار ہو جا
مرا دل ہو تجھ پہ داری مری جان تجھ پہ صدقے
مرے نور عین سو جا، مرے شیر خوار سو جا

اس لوری میں گیارہ شعر ہیں۔ کتاب کے مصنف خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی نے اس لوری میں ایک ممتا کے احساس سے بھری اور شدتِ جذبات کی حامل ایک ماں کا دل نکال کر رکھ دیا۔ اس لوری سے ایک شعر اور پیش کروں گا۔ ایک ماں اپنے معصوم بچے کے لیے کیسی وارفتہ خواہش رکھتی ہے۔ جس کا اظہار اس شعر کے ذریعہ ہوا ہے۔

ہے عین وقتِ راحت مرے سینے سے لپٹ جا

آنکھوں میں نیند کا ہے ترے خمار سوجا

میلاوا کبر کیا ہے، یہ پہلی بار کب شائع ہوئی۔ اس کے مصنف خواجہ محمد اکبر وارثی کون تھے۔

میرٹھ میں کب پیدا ہوئے۔ میلاوا کبر کے علاوہ ادب میں انھوں نے اور کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ ان کے کوائف کیا ہیں۔ اس قسم کی معلومات ہمیں میلاوا کبر کے مطالعہ سے نہیں ملتیں۔ ہر چند کہ میلاوا کبر کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر جو ایڈیشن ہے وہ انجم بک ڈپو دہلی نے شائع کیا ہے۔ متن وہی کتابت شدہ ہے۔ جو پہلے کے نسخوں میں موجود ہے تازہ نسخہ اسی کا عکس بنا کر شائع کیا گیا ہے صرف سرورق نیا اور رنگین ہے۔

میلاوا کبر کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مقبولیت میں بھی اب تک کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

راقم الحروف اس نورانی نسخے پر تجزیاتی مضمون لکھنے کی جسارت تو نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک مطالعہ کے طور پر چند صفحات سپردِ قلم حاصل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

ایک دین دار اور ایماندار مسلمان کے لیے ذکرِ رسول ﷺ اہمیت کا حامل ہے۔ وہ کسی نہ کسی ذریعہ سے، کسی نہ کسی طریقے سے، کسی نہ کسی زبان میں اپنے آقا کی شناخت کرنی چاہتا ہے۔ اس کے لیے سب سے آسان اور دل پذیر دل گداز طریقہ نعتِ مبارکہ ہی کا ہے۔ نعت کا مطلب ہی ہوتا ہے وہ الفاظ جو آقائے رحمت ﷺ کی تعریف و توصیف میں بیان کیے جائیں۔ اس کے لیے منظوم اور منثور کی کوئی قید نہیں تاہم منظوم طریقہ اہم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور پڑاثر بھی۔

میلاوا کبر محض منظوم نعتیہ کلام کا نسخہ نہیں ہے بلکہ اس میں نثری قصیدے کے گلے بھی مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے۔ میلاوا کبر، یعنی حضور سرورِ دو عالم کی پیدائش کا صاف، شفاف اور عام فہم زبان میں بیان۔ نثری قصیدے کا یہ ابتدائی حصہ انشا پر دازی کا بہترین نمونہ ہے۔ فصاحت اور بلاغت کے باوجود ایک عام مسلمان کی سمجھ میں بھی یہ بات آسانی سے آجاتی ہے۔ یہ مقفی، مسجلی اور رواں دواں نثر منظوم توصیف نامے سے بھی زیادہ پڑاثر ہے۔ مثلاً۔

”بے یاروں کا یار، بے مددگاروں کا مددگار، بے وسیلوں کا وسیلہ، بے بھروسوں کا بھروسہ، بے بسوں کا بس، بے کسوں کا کس، ٹوٹے دلوں کا سہارا اور اللہ تعالیٰ کا پیارا“۔ سبحان اللہ۔ مصنف کے قلم نے کیسے موتی رو لے ہیں۔ کیسے بول بولے ہیں۔ یہ تحریر پڑھتے وقت یوں لگتا ہے جیسے کسی نے منہ میں

مصری کی ڈلی رکھ دی ہو۔ یہ سارا فیض ہے اس اسمِ مبارک کا جس کا نام محمد ﷺ ہے۔ جن کی توصیف و تکریم بیان کرتے ہوئے خواجہ محمد اکبر وارثی لکھتے ہیں۔

”دونوں جہاں کا آفتاب، مدینے کا تاجدار، جس کی بیعت سے شاہی مخلوق کے کنگورے گریں۔ جس کے اشاروں پر چاند، سورج پھریں۔ جن کو فرشتے جھولا جھلائیں۔ جن کے در پر جبریل آئیں۔ سب حور و ملک جن و بشر انھیں کا دم بھرتے ہیں اکثر چرند و پرند، شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ کل کائنات میں انھیں کا ڈنکا بجا ہے۔ شفاعت کا تاج انہیں کے سر پر سجا ہے اور سب سے۔۔۔“

ہر ہر لفظ پر دل سے سبحان اللہ اور ماشا اللہ کا کلمہ تحسین بلند ہوتا ہے، نثر میں شاعری اسی کا نام ہے۔ یہی وہ خوش نما عبارت ہے جس نے میلاوا کبر کو عوامی مقبولیت سے ہم کنار کیا۔ دلوں کو مست کر کیا۔ روح کو منور کیا، ایمان کی روشنی بکھیری۔ میلاوا کبر کی مجلسوں کو سنوارا، ذکرِ رسول کا وسیلہ بنی، صفحہ نمبر ۵ پر ایک نعت شریف بعنوان غزل شامل ہے۔

خراب آئینوں پر جلا دینے والے دلوں کی کدورت مٹا دینے والے

کہاں تک کریں شکر اس کا کہ ہم کو ملے ہیں خدا سے ملا دینے والے

بے شک حضور ﷺ کی آب دارنگاہوں نے خراب آئینوں کو جلا بخشی، روح کی تاریکیوں میں ایمان کی شمع روشن کی۔ دلوں سے کفر کے اندھیرے مٹا دیئے۔ ہم عاصیوں پر کریم آقا کے بڑے احسانات ہیں یہی وہ عظیم ہستی ہے جس کے توسط سے اللہ تعالیٰ سے بندوں کی راست ملاقات ہوئی۔ ”ملے ہیں خدا سے ملا دینے والے“، آپ مل گئے تو دونوں جہاں کی دولت مل گئی۔ دنیا بھی ہماری ہے۔ عقبی بھی ہمارا ہے۔ ساقی بھی ہمارا ہے۔ پیمانے بھی ہمارے ہیں۔ ہم پیاسوں کے مقدر جاگ اٹھے۔ ہم تشنہ لبوں کی بن آئی۔ ہم دامن کے فقیر دل کے امیر ہو گئے کیوں کہ ”ملے ہیں خدا سے ملا دینے والے“۔

جب وسیلہ مضبوط ہوتا ہے تو وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج بڑے شہروں میں محفلِ میلاد کا سلسلہ مفقود ہو چکا ہے۔ عقائد کی جنگ جاری ہے۔ عقیدت مختلف صورتیں اختیار کر چکی ہے۔ تاہم ”ذکرِ محمد“ سے کسی کو عار نہیں۔ کیوں کہ ذکرِ محمد ایمان کی بنیاد ہے۔ درود کی شمولیت کے بغیر درود موثر نہیں ہوتا۔ وظائف ادھورے شمار کیے جاتے ہیں میلاوا کبر ایسے ہی درود و سلام کی ترغیب دیتی ہے۔ اس کے اوراق پر جو نعتیہ کلام مندرج ہے۔ وہ بے پناہ ہے۔ عشقِ رسول سے لبریز ہے۔ یہ کلام دردِ دل کی دوا، ہجر کے زخموں سے چور دل کے لیے شفا ہے۔ ایک نعت شریف کے چند اشعار دلیل کے طور پر پیش ہیں۔

ثانی تراکونین کے کشور میں نہیں ہے بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے

اگرچہ عقیدوں کے کچھ دفترا ایسے بھی کھل گئے ہیں۔ جو اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ آپ کی ذات بے سایہ تھی۔

راقم کا ایک مصرع ہے ۔

بے سایہ جس کی ذات ہے سایہ اسی کا ڈھونڈ

اس نعت کا ایک شعر ملاحظہ کریں ۔

ہو جلوہ محبوب کے کیا ماہِ مقابل

اس چاند کا دھبہ رخِ انور میں نہیں ہے

چاند جو دنیا کو ظاہری اجالا عطا کرتا ہے۔ اس کے دل میں بھی دھبہ ہے۔ لیکن حضور کے چہرہ انوار پر ایک تل بھی نہیں تھا جس سے سیاہی کا شائبہ ہو سکے۔ آپ کا چہرہ بے داغ تھا۔ آپ ماہِ مکمل تھے۔ چاند کی مانند گھٹنا بڑھنا آپ کی شخصیت سے بعید تھا۔ آپ ایسے ماہِ کامل تھے جو شب و روز میں یکساں روشن رہتے تھے۔ چاند زمین کا اندھیرا دور کرتا ہے۔ آپ نے دلوں کا اندھیرا دور کیا۔ روحوں میں اجالے بھرے۔ ایسے اجالے جو کبھی ماند نہیں پڑ سکتے۔ قیامت تک دلوں پر جس کی حکومت رہے گی۔ ایک شعر اسی نعت سے اور ملاحظہ کریں ۔

کل خوبیاں اللہ نے حضرت کو عطا کیں

یہ بات کسی اور پیپر میں نہیں ہے

ایک شعر بالکل عام فہم اسلوب میں ۔

ہو کیوں نہ خدائی کو گدائی کی تمنا

کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے

ایک عام آدمی کے دل سے کتنا قریب ہو کر گزرتا ہے یہ شعر، ایک دم بات چیت کا سا انداز، سیدھی گفتگو، سادہ سوال، ”کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے“ سب کچھ ہے۔ ایمان ہے قرآن ہے۔ رحمت ہے۔ برکت ہے۔ صبر ہے۔ سکون ہے۔ رسالت ہے۔ امامت ہے۔ سخاوت ہے۔ شہادت ہے۔ شرافت ہے۔ فصاحت ہے۔ بلاغت ہے۔ کرم ہے۔ سخا ہے۔ بخشش ہے۔ عطا ہے۔ نوازش ہے۔ ”کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے“

پھر کیوں کسی اور کے در پر سوالی بن کر آواز لگائی جائے۔ کہیں اور دامنِ پسا راجائے۔ کسی اور کے آگے منمنایا جائے۔ جو خوشبو ان کے کردار میں ہے۔ جو شیرینی ان کی گفتار میں ہے۔ جو جسم ان کے

اظہار میں ہے جو استقامت ان کی رفتار میں ہے۔ جو تدبیر ان کے کردار میں ہے۔ جو استغنیٰ اور سکون ان کے دربار میں ہے۔ جو آب ان کی تلوار میں ہے۔ یہ سب ان کے گھر کی میراث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوال کیا گیا ہے۔

”کیا چیز ہے جو ان کے بھرے گھر میں نہیں ہے“

ایک اور قصیدہ دردمح درود شریف ۔

ہر درد کی دوا ہے۔ صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تعویذ ہر بلا ہے صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جو درد لا دوا ہو یہ گھول کر پلا دو

کیا نسخہ شفا ہے صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس کی نجات ہوگی رحمت بھی ساتھ ہوگی

جو پڑھ کے مر گیا ہے صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک ایسا شعر جو تصویر بن گیا ہے۔ دیکھئے اس تصویر میں کیا منظر دکھائی دیتا ہے ۔

کا ندھا بدلنے والو! ہمراہ چلنے والو!

بڑھتے چلو روا ہے صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میلاد اکبر کی عوامی مقبولیت میں ایسے ہی اشعار نے اضافہ کیا ہے۔ ہر بھولے بھالے، مخلص اور ایماندار مسلمان کے دل میں ایسے شعر اتر جاتے ہیں۔ روح میں پیوست ہو جاتے ہیں۔

”کا ندھا بدلنے والو! ہمراہ چلنے والو!“

میلاد اکبر میں تصور و تخیل کا ایک جہان آباد ہے۔ جمالیات کے پرتو جگہ جگہ جلوہ لٹاتے نظر آتے ہیں۔ نعت میں غزل کے سے باکمین کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ شعری سی گرفتگی اور نغمے کی سی تاثیر میلاد اکبر کی شاعری کا خاصہ ہے۔ میلاد اکبر پر مفصل گفتگو ممکن نہیں۔ اختصار تاثر کا سبب بنتا ہے۔ ذکرِ رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کو مرغوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ پر درود ارسال کیا ہے۔ اور مومنوں کو بھی توجہ دلائی ہے۔ کہ میرے محبوب اور اس کی آل پر درود کے تحفے ارسال کریں۔ میلاد اکبر کا مطالعہ بھی ہمیں اسی جانب متوجہ کرتا ہے۔ طویل بحروں میں بہت رواں اور خوبصورت نعتیہ کلام میلاد اکبر کے توسط سے پڑھنے کی سعادت ملتی ہے۔ خواجہ محمد اکبر وارثی نے معراج کا واقعہ بہت ہی وارفتگی اور شعری محاسن کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ یہ واقعہ منظوم اور منظوم دونوں طرح سے لکھا گیا ہے۔ شعری

طرحِ نثر بھی اتنی ہی رواں اور تاثر سے بھرپور ہے کہ قاری اور سامع یکساں طور پر متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

جو خیال آیا تو خواب میں، وہ جمال اپنا دکھا گئے

وہ مہک لہک تھی لباس میں کہ مکان سارا بسا گئے

میلا داکبر کی نعت کے اس مطلع پر ہم گفتگو مکمل کرتے ہیں ہماری خواہش ہے کہ ہمارے معزز

قارئین بھی اسی جمال و کمال کی کیفیت سے دوچار رہیں۔ اسی مہک اور لہک کے نورانی تصور میں ڈوب کر درود و سلام کا تحفہ بارگاہِ رسالت میں ارسال کرتے رہیں۔ اور اپنی دعاؤں میں اس عاصی کو بھی یاد رکھیں۔ کہ یہی میری داد ہے۔ میرا انعام ہے۔ میرا اعزاز ہے۔ اور میری معراج ہے۔



علیم صبانویدی (مدرس)

نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر

لفظ ”نعت“ کے لغوی معنی تعریف کے ہیں۔ مگر اصطلاح شاعری میں حضور اکرم سرور کائنات ﷺ کی مدح سرائی یا آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کو بصدِ خلوص و عقیدت نظر انداز پیش کرنے کا نام ”نعت“ ہے۔ مشہور محقق اور نقاد مولانا نیاز فتح پوری کے خیال میں حضور اکرم ﷺ کی ایسی شاعروانی ہے جو آپ ﷺ کی ذاتی خصوصیات پر مشتمل ہو۔

”اگر شاعر اپنی کسی تکلیف یا زبوں حالی کا ذکر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں برائے توجہ و التفات کر رہا ہو تو وہ ”نعت نہیں ہو سکتی“۔ بعض اساتذہ نے اس کی بڑی سختی کے ساتھ پابندی کی، مگر ہم عہد نبوی ﷺ کے نعت گو شعرا مثلاً حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت کعب ابن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نعتوں کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ان نعتوں میں شاعر کی حالتِ زار کا ذکر بھی ہے اور حضور اکرم ﷺ سے استعانت کی درخواست بھی۔ قصیدہ بابت سعادت (کعب ابن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہی کو لے لیں (اس معرکتہ الآرا قصیدے میں جو حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر کہا گیا ہے۔ جس کو سننے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی چادر مبارک شاعر کو عطا کی تھی۔) جس میں شاعر نے جہاں اپنی زبوں حالی، حرماں نصیبی، چاک دامنی اور مفلوک حالی کا نقشہ کھینچا ہے وہیں حضور اکرم ﷺ کی ارفع و اعلیٰ صفات اور خصوصیات کے روشن نقوش بھی پیش کیے ہیں۔ علاوہ ازیں اسی روایت کا تسلسل ”قصیدہ بردہ“ (از شیخ محمد بن سعید البوصیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۹۴ھ) میں بھی نظر آتا ہے۔ اس قصیدہ میں شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی مدح خوانی کرنے سے پیش تر اپنی حالتِ زار اور خستہ زندگی کا اظہار حضور اکرم ﷺ کی بارگاہِ رسالت مآب میں کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نعت شریف میں خصوصیات سرور کو نبین ﷺ کے ساتھ شاعر آں حضرت ﷺ کی خدمت میں بطور استعانت اپنی بے کسی اور پریشاں حالی کا اظہار کرے تو غلط نہ ہوگا۔ بہر حال یہ تسلیم شدہ اور حقیقت پر مبنی بات ہے کہ سب سے

پہلا نعت گو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے کلام پاک میں حضور اکرم ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کلام اللہ کو شاعری ہرگز نہیں کہا جاسکتا مگر یہ شاعری سے کہیں بڑھ کر ہی اونچا اور اعلیٰ فصاحت و بلاغت سے مزین اور مملو کلام ربانی ہے۔ ہمارے بعض جدید اور قدیم نقادوں (مثلاً مولانا الطاف حسین حالی اور ڈاکٹر علیم اللہ حالی) کے نزدیک شاعری میں بحر شرط داخل نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت خارجی اور فروعی ہے۔ ہر کلام میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے کلام موثر و متداول ہوتا ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں نثری نظم کے جواز کا سبب بھی یہی ہے، مگر قرآن پاک کی زبان پر نثری شاعری کا اطلاق بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خالق کائنات نے اس کی تردید کر دی ہے۔

عربی میں سب سے پہلے نعت حضرت ابوطالب (المتوفی ۶۲۰ھ) قبل از ہجرت ۲۰ھ) نے کہی تھی۔

وَ اَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ

ثَمَّالُ الْيَتَمَى عَصْمَةَ لِلاِزَامِلِ

آپ ﷺ کا پُر نور چہرہ کہ جس کے وسیلے سے بادلوں سے پانی طلب کیا جاتا ہے اور آپ یتیموں کے لیے سہارا اور بیواؤں کے لیے نگہبان ہیں۔

حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب ہی کی ایک نظم (جو کہ نعت ہی کے زمرے میں رکھی جاسکتی ہے)

کا پہلا شعر ملاحظہ کیجئے۔

وَ اللّٰهُ لَنْ يَصْلُوَ إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ

حَتَّى أُوشِدَّ فِي التُّرَابِ دَفِينًا

خدا کی قسم وہ اپنی جمعیت کے ساتھ تجھ تک ہرگز پہنچ نہیں سکتے۔ جب تک مجھے دفن کر کے مٹی میں

ٹیک لگا کر لٹانہ دیا جائے۔

اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب بن ہاشم (الشہید ۳ھ/۶۳۵ء)

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (الشہید ۸ھ/۶۳۹ء) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن

عبدالمطلب (المتوفی ۳۲ھ/۶۵۳ء) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۳ھ/۶۳۲ء)

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (الشہید ۲۳ھ/۶۴۴ء) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(الشہید ۵۵ھ/۶۵۰ء) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (الشہید ۴۰ھ/۶۶۱ء) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ

تعالیٰ عنہا (المتوفی ۱۱ھ/۶۳۳ء) حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۲۲ھ/۶۶۲ء)

(ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) (المتوفی ۵۷ھ/۶۷۱ء) امام زین العابدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی السجاد بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۴ھ/۶۱۲ء) حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ثابت (المتوفی ۶۸ھ/۶۸۷ء) امام اعظم ابوحنیفہ کوفی نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۰ھ/۶۷۱ء) علامہ محمد بن سعید البوصیری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے علاوہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۶۷ھ/۱۷۶۳ء) نے اپنی نعت گوئی سے نہ صرف اپنی روحانی تسکین کا سامان کیا ہے بلکہ آنے والے ہر دور کو اپنی نعتوں کی نورانی گونج سے عاشقان رسول ﷺ کے عشق میں اضافہ کیا ہے۔ نعت گوئی اس طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں شروع ہو چکی تھی اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی ثنا خوانی کو گوارا کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمبر پر بٹھا کر ان سے اپنی مدح خوانی سنی تھی۔

ان شعرا کے علاوہ خاندان انصاری لڑکیوں نے حضور ﷺ کے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لانے کے موقع پر جو استقبالیہ اشعار پڑھے تھے وہ تاریخ اسلام میں بڑے فخر سے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ اشعار یوں شروع ہوتے ہیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ذَاخَتْ مِنْهُ الْبُدُورُ

ہمارے سروں پر مہتاب طلوع ہوا اس مہتاب سے سب مہتاب چھپ گئے

وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلَّهِ ذَا

ہم پر شکر واجب ہو گیا جوں جوں دعا کرنے والا دعا کرتا ہے

اب مذکورہ بالا صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی نعتوں سے نمونہً چند اشعار ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔

حَمْدُ اللَّهِ حِينَ هُدَى فُؤَادِي إِلَى الْإِسْلَامِ وَ دِينِ الْمُنِيفِ

میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی

رَسَائِلُ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْ هَذَا هَا بِأَيَاتِهِمْ مَّبَيِّنَاتُ الْحُرُوفِ

وہ ہدایات جنگی ہدایتوں کو احمد لیکر آئے۔ واضح الفاظ و حروف والی آیتوں میں

وَ أَحْمَدُ مُصْطَفَى فَيَنَامُ مُطَاعًا فَلَا تَفْشُوهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيفِ

اور احمد ہم میں برگزیدہ ہیں جنگی اطاعت کی جاتی ہے۔ لہذا تم ان کے سامنے نالائماً لفظ بھی منہ

سے نہ نکالنا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ے

رُجِيَ الْفِدَاءُ لِمَنْ أَخْلَقَهُ شَهِدَتْ بِأَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِنَ الْبَشَرِ

میری جان ان پر فدا جن کے اخلاق شاہد ہیں۔ کہ وہ بنی نوع انسان میں افضل ترین ہیں۔

عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِي كَمَا عَمَّ الْبَرِّيَّةُ ضَوْ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

ان کے فضائل بلا امتیاز سب بندوں کے لیے عام ہیں۔ جس طرح سورج اور چاند ساری مخلوق

کے لیے عام ہیں۔

لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ كَانَتْ بَدِيلَهُ تَكْفِي عَنْ الْخَيْرِ

اگر انکی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والی نشانیاں نہ ہوتیں تو خود انکی واضح شخصیت انکی

صداقت کے لیے کافی تھی۔



ڈاکٹر صابر سنہجلی (یوپی)

مقبول بارگاہِ رسالت نعت گو شاعر

حضرت رَوَفْؓ امر و ہوی مرحوم

اللہ رب العزت کی تعریف کو حمد کہتے ہیں اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی ستائش کو نعت کہتے ہیں۔

اللہ رب العزت کے غیر کی تعریف و مدح کو حمد نہیں کہتے۔ معلوم ہوا کہ حمد اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، لیکن رسول آخر کے علاوہ کسی نبی یا رسول کی تعریف کو نعت کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اگر اس کو نعت نہیں کہہ سکتے تو پھر کیا کہتے ہیں، یہ بات کسی ذریعے سے معلوم نہیں ہوئی۔ اس بارے میں تحقیق کی ضرورت ہے۔ تحقیقی مزاج رکھنے والے حمد نگار اور نعت گو اس طرف تو جعفر مائیں تو کچھ بات بن سکتی ہے۔

نعت کا کہنا، لکھنا، پڑھنا، سننا سب ثواب بلکہ بڑے ثواب کے کام ہیں۔ قرآن کریم میں رسول آخر کی تعریف میں بہت سی آیات ہیں، جن کو نعت کہنا بجا ہے۔ احادیثِ کریمہ کی کتب میں بھی حضور سرور عالم ﷺ کی نعت کے مضامین بھرے پڑے ہیں۔ درود شریف بھی نعت ہی ہے۔ سچ ہے جس کا نام ہی اللہ نے محمد ﷺ رکھ دیا ہو اس کی تعریف میں وسعت کیوں نہ ہوگی۔ یہ بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دنیا میں ہر وقت، ہر ساعت کہیں نہ کوئی درود شریف پڑھتا رہتا ہے۔ گویا ہر وقت آنحضرت کی نعت خوانی ہوتی رہتی ہے۔

عظمت رسول آخر ﷺ کے سبب دنیا میں نعت گو شعرا کی تعداد بھی شمار سے باہر ہوگئی ہے۔ حد یہ ہے کہ دنیا کی کتنی زبانوں میں نعتیہ اشعار کہے گئے، ان کا حساب و شمار بھی ناممکن ہے۔ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ شاید ہی کچھ ایسی بدقسمت زبانیں ہوں جو نعت گوئی کے شرف سے محروم رہی ہوں۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اردو، پشتو، ترکی، فارسی اور عربی زبانوں میں نعت گوئی زیادہ ہوئی ہے۔ ہندوستان میں اودھی، برج، بنگلہ، بھوج پوری، پنجابی، ڈوگری، راجستھانی، سندھی، کٹڑ، گجراتی، ملیالم اور میٹھلی زبانوں میں ہر دور میں نعت کے شاعر ہوتے رہے ہیں۔

اردو میں نعت کے چند بڑے اور عظیم شاعر بھی ہوئے ہیں، جن کو دوسری زبانوں کے شعرا کے

مقابلے میں فخر کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت نعت گوئی سے متعلق سب سے زیادہ کام پاکستان میں ہو رہا ہے۔ پاکستان کے نعت گو شاعر بھی دنیا کے نعت گو شاعر میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

نعت گوئی ۱۴۰۰ برس سے زیادہ مدت سے جاری و ساری ہے۔ اس مدت میں کچھ شاعر بارگاہ رسالت میں مقبول بھی ہوئے۔ یہ شرف سب سے پہلے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا۔ کچھ دیگر شعرا بھی وقتاً فوقتاً حضرت مدوح کی نوازشات سے سرفراز ہوتے رہے، جن میں حضرت علامہ بوصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

اردو نعت گوئی کے طفیل حضرت رؤفؒ عمروہوی کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔ علاقہ رُہیل کھنڈ میں یہ دوسرے شخص تھے۔ ان سے پہلے حسان الہند حضرت مولانا احمد رضا خاں رضا بریلوی مرحوم و مغفور مدینہ منورہ میں جمال رسول پاک سے مستفیض ہو چکے تھے۔ ان اوراق کی تسوید کا مقصد حضرت رؤفؒ عمروہوی کی نعت گوئی کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے انعام سے نوازے جانے کا ذکر کرنا ہے۔

رؤفؒ صاحب کے ذاتی حالات کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں ہے۔ شاید تین باران کی زیارت بھی کی ہے اور وہ ان کے دولت خانے پر ہی کی ہے۔ ہفتہ وار نعت خوانی جو ہر جمعہ کو ان کے دولت کدے پر بعد نماز جمعہ ہوتی تھی (اور غالباً اب بھی ہوتی ہے) مجھے تین بار ہی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ کسی سرکاری اسکول میں مدرس تھے۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ جگر مراد آبادی سے تلمذ تھا۔ عظیم الشان مکان زبانِ حال سے کہ رہا تھا کہ اس کے لیکن رئیس ابن رئیس ہیں۔ اس سے زیادہ کوائف و حالاتِ زہن میں محفوظ نہیں ہیں ہاں تین دیوان شائع ہو چکے تھے۔ جن کے نام ہیں۔ لُحْظِ مُحَمَّد، گل رنگِ تحفیل اور کوثرِ رحمت۔

رؤفؒ صاحب کی نعتیں میلاد شریف کی محفلوں اور نعت خوانی کی محافل میں پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔ ان کے دولت کدہ پر جو ہفتہ وار محفل ہوا کرتی تھی اس کا بھی اچھا خاصہ خرچ تھا۔ اختتام پر شیرینی تو تقسیم نہیں ہوتی تھی، مگر سبھی سامعین اور نعت خوانوں کی چائے سے پر تکلف تواضع ضرور ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ خرچ بتائشوں کے خرچ سے زیادہ ہی ہوتا ہوگا۔ شہر کے لوگ یہ بتاتے تھے کہ جب سے نعت خوانی کا یہ ہفتہ وار پروگرام شروع ہوا تھا کسی مجبوری یا ناگزیر وجہ سے اس کا ایک بھی پروگرام ناغہ نہیں ہوا۔ ہر مہینے چار محفلوں (اور کسی مہینے پانچ محفلوں) کے اخراجات برداشت کرنا حسب سرکارِ دو عالم ﷺ کی وجہ سے ہی تھا۔ لُحْظِ مُحَمَّد کی عرض حال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان اخراجات کی وجہ سے وہ ایک بار مقروض بھی ہو گئے تھے اور باغِ فروخت کرنے کی نوبت آگئی تھی، مگر انہی کا کہنا ہے کہ سرکار کا کرم ایسا

ہوا کہ قرض بھی ادا ہو گیا اور باغ بھی فروخت نہیں ہوا سبحان اللہ۔

مذکورہ محفل نعت خوانی شاید اب بھی جاری ہے۔ اب اس کو ان کے فرزند جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے عمروہ کے کئی حضرات سے دریافت کیا کہ یہ محفل کب شروع ہوا تھا، مگر ہر شخص نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ”گل رنگ تحفیل“ میں پروفیسر ثار احمد فاروقی کا پیش لفظ بھی ہے۔ اس میں اس محفل کے آغاز کے بارے میں اتنا اشارہ ملتا ہے۔

”اس بابوں سال میں اندازہ ہے کہ دو ہزار چھ سو بابوں نشستیں اس کی ہو چکی ہوں گی“ (صفحہ ۱۵) فاروقی صاحب کے لہجے میں بھی احتمال ہے مگر اتنا بھی کسی دیگر ذریعے سے معلوم نہیں ہوا۔ اگر اس سے زیادہ یقینی اطلاع کوئی اور نہیں ملتی تو اسی پر انحصار کرنا پڑے گا اور اس حساب سے اس کے آغاز کا سال ۱۹۲۲ء/ ۱۳۴۳ھ قرار پاتا ہے۔ اگر غور و فکر اور حساب سے کام لیا جائے تو اس مدت کو اور بھی سمیٹا جاسکتا ہے اور آغاز کا دن ۱۴ دنوں یا بیس جمعوں میں سمٹ آتا ہے۔ یعنی ۸/ اگست ۱۹۲۲ء سے ۲۶/ دسمبر ۱۹۲۴ء سے تک کسی ایک یوم جمعہ کو اس نیک کام کا آغاز ہوا ہوگا۔ خدا کرے فاروقی صاحب کی اطلاع درست ہو۔

بیسویں صدی کا آخری عشرہ تھا۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی کے ایم۔ اے۔ (اردو) کے نصاب میں ایک پرچہ نعت کا شامل کرنے کا ارادہ ہوا۔ تحریک فقیر حقیر کی ہی تھی۔ نصاب میں رؤفؒ صاحب کی نعتیں شامل کرنے کا بھی ارادہ ہوا تھا، مگر ان کا کلام دستیاب نہیں تھا۔ فقیر حقیر کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ان کی کتابیں دوبارہ چھپ چکی ہیں۔ اس وقت صنف نعت تو ایک پرچے میں شامل ہوگئی لیکن رؤفؒ صاحب کا کلام شامل نہ ہو سکا اور اس کا بے حد قلق رہا۔ کچھ دنوں بعد قومی اردو کونسل فی دہلی کی جانب سے عمروہہ میں ایک ادبی سیمینار منعقد کیا گیا۔ اس کے کنوینر پروفیسر ثار احمد فاروقی تھے۔ فقیر بھی مدعو تھا۔ اتفاق کی بات کی حضرت رؤفؒ صاحب کے صاحب زادے جناب احمد حسین سیفی صاحب بھی سیمینار میں تشریف لائے تھے۔ وقفہ طعام میں ان سے معلوم ہوا کہ حضرت رؤفؒ صاحب کے تینوں دیوان دستیاب ہیں۔ اس اطلاع سے اس بات کا افسوس ہوا کہ اگر ذرا سی سوجھ بوجھ سے کام لیا جاتا تو ان کا کلام شامل نصاب ہو سکتا تھا۔ انہوں نے تینوں دیوان فراہم کرانے کا وعدہ کیا۔ سوئے اتفاق کہ سیمینار ختم ہوا تو مغرب کی نماز مساجد میں ہو چکی تھی مجھے سنبھل کے لیے آخری بس مل بھی سکتی تھی اور نہیں بھی مل سکتی تھی۔ جس بس سے آنا چاہتا تھا اس کا سفر ۴۰ کلومیٹر کا تھا۔ اس کے چھوٹ جانے کے بعد طویل راستے سے آنا پڑتا جو ۷۰-۷۵ کلومیٹر طویل ہے اور یہ سفر یکے بعد دیگرے تین بسوں سے ہوتا۔ اس لیے میں جلدی میں

تھا۔ سیفی صاحب مجھے دولت کدے پر لے گئے جو وہاں سے قریب ہی تھا۔ اوپر جا کر جائے نماز گرائی اور کچھ دیر بعد تین کتابیں کاغذ میں لپیٹی ہوئی لا کر دیں۔ بیٹھنے سے میں نے معذرت کر لی اور شکریہ ادا کرتا ہوا بس اڈے کی سمت روانہ ہو گیا۔ الحمد للہ کہ مطلوبہ بس ریگتی ہوئی مل گئی۔ اور کھڑے ہونے کو جگہ بھی مل گئی۔ جو پاس سواریاں اتریں تو بیٹھنے کو جگہ ملی۔ اب کتابوں کی زیارت کا اشتیاق ہوا۔ پیکٹ کھولا تو ایک غیر متوقع نظارہ رو برو تھا۔ وہ یہ کہ گل رنگ تخیل کا ایک نسخہ اور نسخہ محامد کے دو نسخے تھے یعنی کوثرِ رحمت پیکٹ میں نہیں تھی۔ غلٹ میں سیفی صاحب کو سہو ہوا۔ افسوس کہ اس کتاب کے دیدار سے میں اب تک محروم ہوں۔ اسی وجہ یہ مضمون بھی اتنی مدت تک ٹلنا رہا۔

رؤف صاحب کی نعتوں سے واقعی رسولِ رحمت کے ساتھ ان کے والہانہ عشق کا اندازہ ہوا۔ محبت کا جذبہ نئے نئے مضامین بھی شاعر کو سمجھاتا ہے یہی کیفیت لفظ محامد کی نعتوں کی ہے، جو غزل کی ہیئت میں کہی گئی ہیں۔ ڈھائی درجن کے قریب تھمیں بھی ہیں جو اپنے کلام پر بھی ہیں اور نام اور فارسی شعر کے کلام پر بھی۔ ان کے بعد تقریباً تین درجن منقبتیں ہیں۔ جو والہانہ انداز کے باعث یاد رکھی جائیں گی۔

اس طویل بیان کا مقصد یہ ہے کہ میرے پاس ان کے نعتیہ کلام کا صرف ایک دیوان ہے (اس لیے کہ گل رنگ تخیل میں نعتیں نہیں مجازی کلام ہے) رؤف صاحب پر اگر تبصرے کا ارادہ کروں تو کیا لکھوں صرف ایک کتاب ہے اور اس میں بھی مولانا نسیم فریدی اور افتخار کاظمی جیسے بڑے قلم کاروں کے مضامین شامل ہیں۔ گل رنگ تخیل میں پروفیسر ثار احمد فاروقی کا طویل پیش لفظ ہے، جس کو لکھنے میں بقول شخصے انہوں نے قلم توڑ دیا ہے۔ اس میں افتخار کاظمی صاحب کا ایک طویل مضمون بھی ہے ”کوثرِ رحمت“ میں بھی ایسے مضامین ہو سکتے ہیں۔ عظیم اور نامور قلم کاروں کے رشحاتِ قلم کے بعد، میرے اندر اتنی جرأت نہیں ہے کہ اپنا بے سراگ الاپوں۔ ہاں ادھر ادھر سے صرف غزل کی ہیئت میں کہی گئی نعتوں کے کچھ اشعار کا انتخاب پیش کیے دیتا ہوں، جن سے جناب رؤف امر وہوی کی نعت گوئی اور قادر الکلامی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ قارئین تک رؤف صاحب کا نسبتاً زیادہ کلام پہنچ جائے گا۔

میں پہلے کسی مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اب شافع یوم النشور کو تو، تیرا، تجھکو جیسے القاب سے مخاطب نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے جو لوگ ایسا کرتے تھے وہ فارسی کے اثر سے ایسا کرتے تھے۔ رؤف صاحب بھی انہی پرانے حضرات میں شامل ہیں۔ انکو آج کل کے شعرا پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ نعتیہ اشعار پیش خدمت ہیں۔

بیمار ہے وہ جس نے نہ کی تم سے محبت اچھا ہے جو دنیا میں ہے بیمار تمھارا

دنیا میں ہر اک بے کس و بے یار کے تم ہو
عقبی میں ہر اک بیکس و بیمار تمھارا
مسلسل غزل کا لطف لیجیے۔

قیامت میں تشریف جب لائے گا
ہماری خطاؤں پہ کیا جانی گا
کریں گے کرم آپ جب دوسروں پر
ہمیں کب فراموش فرمائے گا
کھڑے ہوں گے ہم بھی وہیں اک طرف کو
ہمیں بھی ذرا دیکھتے آئیے گا
ہزاروں کو غم سے چھڑانا پڑے گا
ہماری بھی بگڑی بنا جائے گا
وہاں تو کچھ انداز ہی اور ہوں گے
نہ معلوم کس ناز سے آئیے گا
ہر اک کی نظر آپ پر ہی پڑے گی
بس اک آپ ہی سب کے کام آئیے گا
جہاں سے صدا آئے گی یا محمد!
وہیں آپ تکلیف فرمائے گا
کہیں تو بلانے کی ہوگی ضرورت
کہیں بے بلائے چلے جائیے گا
دکھائیں گے جس وقت وہ اپنی صورت
رؤف ان پہ قربان ہو جائے گا
تم تو حریم دل سے ادھر اٹھ کے جاؤ گے
اور میں نہ جانے ہوش میں کب تک نہ آؤں گا
دو قطعہ بند شعر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

کیسے عاشق ہوئے حضرت کے اوّل قرن
اور مکہ میں ابو جہل مسلمان نہ ہوا
جس کی تقدیر میں تھی دولت دیں اس کو ملی
جس کی قسمت میں نہ تھا، صاحب ایماں نہ ہوا
اب کچھ متفرق اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

سنبل تو ہے منفعل زلف کے بال دیکھ کر
مشک نثار ہے نجل نقطہ خال دیکھ کر
پاتے ہی حکم آپکا مہر کو لوٹنا پڑا
سینہ ماہ شق ہوا، شان جلال دیکھ کر
طائر دل کی بیکسی بڑھ گئی حد سے یا نبی!
چھوڑ گئے ہیں ہم نوا بے پروا بال دیکھ کر

نزع کے وقت یا نبی! دل کی ہے آرزو یہی
بند ہو چشم منتظر، شمع جمال دیکھ کر

☆

کہنا صبا! جو گزرے دربار کی طرف
بس اک نگاہ لطف ہو بیمار کی طرف
گل انبیا ہیں حشر میں میدان کی طرف
سب کی نظر ہے احمد مختار کی طرف
جائے گی روح سیدی مدینے کو بعد مرگ
رخ ہوگا عندلیب کا گلزار کی طرف
کھنکھن کھنکھن کے حاجیوں کا مدینے سے لوٹنا
پھر پھر کے دیکھنا درو دیوار کی طرف
آپ اپنے آستانہ عالی کو دیکھئے
کیا دیکھنا رؤف سیہ کار کی طرف

☆

یہ ماہ تاب بھلا کیا مقابلہ کرتا
اسے تو ایک اشارے کی ان کی تاب نہیں

☆

رؤف انکی غلامی میں بس اتنی فکر ہے مجھ کو
کہیں وہ یہ نہ کہ دیں ہم تجھے آزاد کرتے ہیں

ترقی اردو کونسل نئی دہلی کے امروہہ میں منعقد سیمینار سے واپسی کے بعد سب سے پہلے دونوں
کتابوں کو میں نے بغور پڑھا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا مگر ذہن کے نہاں خانے میں شاید یہ شعر کہیں محفوظ ہو
گیا تھا۔ اس کے برسوں بعد (ریٹائرمنٹ سے بھی تقریباً ۶ سال بعد) والد مرحوم کے ایصال ثواب
کے لیے نعتیہ دیوان موسوم بہ دیوان صابر (نعتیہ) کی تکمیل کے لیے اس میں شامل اکثر نعتیں کہی تھیں۔
اب نخلہ محمد کا دوبارہ مطالعہ کیا تو مجھے یاد آیا کہ میرے نعتیہ دیوان میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

با ادب ہیں حاضر در ہم غلامان حضور جو بھی چاہیں دیں مگر در کار آزادی نہیں

اگرچہ اب تک کسی نے نہ تو لوکا ہے اور نہ اعتراض کیا ہے مگر میں خود اعتراف کرتا ہوں کہ یہ مضمون
اصل میں رؤف صاحب کا ہی ہے جس نے ایک مدت بعد میرے شعر کا روپ لے لیا۔ ورنہ میرے
ذہن کی رسائی شاید یہاں تک نہ ہوتی۔ نہایت شرمندگی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر میرے اس
دیوان کی دوبارہ چھپنے کی نوبت آئی (اگرچہ اردو کے شعری مجموعوں کے ساتھ ایسا کم ہوتا ہے) تو اس شعر
کو دیوان سے خارج کر دوں گا۔ جن حضرات کے پاس میرا یہ دیوان ہو ان سے گزارش ہے کہ اس شعر کو
قلم زد کر دیں۔ ان جملہ ہائے معترضہ کے بعد پھر کلام رؤف کا لطف لیجیے۔

ہر لحظہ شغل نعت شہ انس و جاں رہے
ہر وقت نام آپکا ورد زباں رہے

☆

سمجھے مدینے والے تمہیں اپنے سر کا تاج
تم جس زمیں پہ جا کے رہے آسماں رہے

☆

دیکھا ہے جب سے تم نے زگس ہے محو حیرت
شبم تمہارے غم میں آنسو بہا رہی ہے
سیرت کا ہے تمہاری قرآن پاک شاہد
صورت تو اور ہی کچھ نقشہ جما رہی ہے

☆

جو تمہیں بھولا وہ گویا زندگی میں مر گیا
مر کے وہ زندہ ہوا، جس نے تمہاری یاد کی
اس قدر رعنا کی جس دن سے نظر آئی پھین
سرو کی عزت رہی دل میں نہ شمشاد کی

☆

آقا بنے جو بندہ سرکار ہو گئے
غم سے چھٹے جو ان کے طرفدار ہو گئے
ان پر عطاے حق کی کوئی انتہا بھی ہے
اتنا ملا کہ احمد مختار ہو گئے

وہ جی اٹھے جنہوں نے محنت میں جان دی
اچھے رہے جو عشق کے بیمار ہو گئے
جو خار تیری راہ میں آئے وہ گل بنے
جو گل ترے چمن سے چھٹے خار ہو گئے
دم بھر رہے ہیں آپ کی الفت کا ہم مگر
خالی ہیں ہاتھ اور خریدار ہو گئے
آتے ہی ان کا نام زباں پر مری رُوف
سب اہل حشر میرے طرفدار ہو گئے

☆

کام جو تم کو بھلا دے وہ سب لہو و لعب
جو تمہیں یاد دلا دے وہ خیال اچھا ہے
بدر سب کچھ ہے مگر تاب اشارے کی نہیں
دیکھنے والو کہو کس کا کمال اچھا ہے

☆

مہ کامل کے دو ہوتے ہیں دم میں
نکل جاتا ہے پٹکا درمیاں سے
شہادت کی جو پڑتی ہے ضرورت
پڑھا لیتے ہیں کلمہ بے زباں سے

☆

آپ نے سب کی کل سنواری ہے
یا نبی ! اب ہماری باری ہے
ہم کو بخشا ہے آپ سا مرسل
انتہائے عطاے باری ہے
کچھ کیا ہو تو سامنے لائیں
شرم ساری ہی شرم ساری ہے

اشعار آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت رُوفؓ دنیا کے سب سے بڑے نعت
گو ہیں۔ یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ اردو میں ان سے بہتر نعت گو کوئی نہیں ہوا؟ لیکن بڑی بات یہ ہے کہ انکی
نعت گوئی بارگاہ رسالت میں مقبول ہوئی اور ان کو حج و زیارت کے لیے طلب فرمایا گیا۔ اس قبولیت اور
کامیابی پر بڑے سے بڑے نعت گو کا دل بھی قربان ہونے کو چاہے گا۔ ایک نعت شریف میں حضرت
رُوفؓ خود ہی فرماتے ہیں۔

سن ستر میں مدینے مجھ کو بلوایا گیا اس طریقے کہ دنیا آج تک حیران ہے
(خلجہ صفحہ ۱۰۶)

۷۸۔ ۷۹ء میں اسکے خوب چرچے تھے۔ اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہوئی تھی حتیٰ کہ ہندی
کے کسی اخبار میں دیکھی گئی۔

چونکہ حضرت رُوفؓ کو سرکارِ دو عالم سے سچی محبت تھی (جس کا اظہار انکی نعتوں سے بھی بہ خوبی ہوتا ہے
) اسی محبت کے زیر اثر وہ روضہ اطہر کی زیارت کے لیے بے چین رہتے تھے۔ لیکن پیشے سے مدّس تھے اور
اس عہد میں ہندوستان میں مدرسین کو بہت معمولی (بلکہ کم) تنخواہ ملتی تھی، اس لیے مدینہ منورہ کے سفر کے
اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکے تھے۔ حضور سے لوگ رہی سرکارِ دو عالم نے کسی ہندوستانی انجینئر کو جو سعودی
عرب میں ملازم تھا، خواب میں حکم دیا کہ ہندوستان کے شہرِ امروہہ میں ہمارا سچا عاشق رُوفؓ امروہوی رہتا
ہے۔ اس کے پاس جاؤ اور اس کو حج کے اخراجات کی رقم پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ بھارت آئے اور پھر امروہہ آکر
حضرت رُوفؓ سے ملے اور ان کو خواب کا واقعہ سنا کر حج پر خرچ ہونے والی رقم پیش کی جس سے رُوفؓ
صاحب کاج حج بھی ہو گیا اور روضہ سرکار کی زیارت بھی ہو گئی۔ اس وقت یہ بھی خبر گرم تھی کہ ان انجینئر صاحب
نے یہ بھی بیان کیا کہ اس خواب سے پہلے انہوں نے نہ رُوفؓ صاحب کا نام سنا نہ تھا نہ امروہہ کا، لیکن اس خبر
کی تصدیق یا عدم تصدیق بیچ مدائ کو نہیں ہوئی ہے۔

شاید اپریل ۱۹۱۳ء میں یونیورسٹی کے ایک کام سے مجھ بیچ مدائ کو ہاشمی گرلز (پی۔ جی۔) کالج
امروہہ جانا پڑا۔ وہاں کے ایک دوسرے کالج کے لیکچرر کے روبرو اس بات کا ذکر آیا تو انہوں نے بیان
کیا کہ یہ بات یوں نہیں ہے کہ رُوفؓ صاحب کے پاس حج و زیارت کے لیے اخراجات نہیں تھے بلکہ
حقیقت یہ ہے کہ وہ حج و زیارت کے اخراجات اٹھانے کے اہل تھے اور کسی بات کی کمی نہیں تھی مگر ان کی
خواہش یہ تھی کہ حج بیت اللہ کو اس وقت جاؤں جب سرکار طلب فرمائیں۔ دونوں باتوں میں کون سی بات
درست ہے اس کا فیصلہ مشکل ہے اور یہ دونوں روایتیں راقم الحروف کو زبانی ہی پہنچی ہیں۔ جو کچھ کسی

اخبار میں اس وقت پڑھا تھا وہ اب ذہن میں لفظ بہ لفظ محفوظ نہیں ہے۔ جب کہ اس بات کا کوئی تحریری ثبوت بھی ہونا چاہیے۔

اتفاق سے میرے کاغذات سے نیم ماہہ اخبار ”دارالسلطنہ“ کی ذی بابت ۱۵ جولائی ۱۹۷۸ء (جلد ۱۴ شمارہ ۸) کے چار صفحے صفحہ ۲، ۷، ۸ برآمد ہوئے ہیں۔ رؤف صاحب کی زیارت مدینہ کی روانگی کا حال اس اخبار کے دو شماروں میں شائع ہوا تھا۔ جس کو غلام رسول نشاط کشتواڑی نے تحریر فرمایا تھا۔ پیش نظر اخبار میں اس کی دوسری قسط ہے۔ اس کے ضروری حصے کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

”تمام خصوصی مہمان جمع ہو کر رونق افروز دربار تھے۔ کچھ وقفے کے بعد یکا یک حضور سرور عالم پیشوائے جن و بشر، مقتدائے حور و ملک جناب حضرت احمد مجتبیٰ علیہ السلام بمثل آفتاب تشریف فرمائے دربار ہوئے اور نورانی تخت مقدس پر زینت افروز ہوئے۔ ملائکہ دائیں بائیں جنت الفردوس کے نورانی مورچھل ہاتھوں میں لیے شہنشاہ دو جہاں کے سامنے باادب کھڑے تھے۔۔۔ حکم ہوا سر دست ان کا غذات کو آئندہ تاریخ پیشی تک ملتوی کر دو۔ کیونکہ آج اس کا ہنگامی اجلاس میں ایک اور مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی باری ہے۔ حاضرین دربار خاموش بیٹھے اس اہم فیصلے کے اعلان کے منتظر تھے۔ چنانچہ دفعتاً حضور سرور دو عالم صلعم (علیہ السلام ہونا چاہیے) اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہمارے ایک غلام اور عاشق زار رؤف امر وہوی کے مقدمے کی فائل آں حضور کے سامنے پیش کی گئی۔ سرکار نے ازراہ کمال نوازش اپنے اس عاشق صادق کی تمام جمع شدہ درخواستوں پر اپنے دست مبارک سے مہر تصدیق ثبت فرمائی اور حکم صادر فرمایا کہ مدینہ میں ہندوستان کا ایک ہمارا محب انجینئر وقار السلام نامی موجود ہے۔ اس کو قاصد بنایا جائے۔ اسی وقت دربار رسالت سے وقار صاحب کو ذریعہ بشارت خاص قاصد رؤف امر وہوی قرار دیا گیا اور اس خوش نصیب قاصد دربار نبوی کو ہندوستان سے رؤف کو بلوانے کی ڈیوٹی سونپی گئی۔ چنانچہ وقار صاحب نے سب سے اوّل فوری طور پر جناب رؤف امر وہوی ہندی کو عرب میں بلانے کا انتظام کیا“ آگے تحریر فرماتے ہیں۔

”امروہ سے روانہ ہو کر حضرت رؤف جانب دہلی روانہ ہو گئے جہاں دو ایک دن ٹھہرنے کا پروگرام بنا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ دہلی میں داخل ہو گئے۔ جہاں پہلے سے ہی آپ کی عقیدت مندوں کا ایک بے پناہ ہجوم آپ کی زیارت کے لیے منتظر تھا۔ دہلی میں آپ کے خصوصی احباب نے آپ کو دو یوم ٹھہرنے پر مجبور کیا اور اس دوران شب میں عاشقان رؤف و طالبان بادۂ عرفان نے رؤف صاحب کے اعزاز میں نعتیہ محافل منعقد کیں، جن میں کلام رؤف سے معرفت کی شراب کے پیاسے سیراب ہو گئے۔

احباب خصوصی، لاتعداد عقیدت مندوں کی جانب سے اعزازی مجلسیں منعقد کی گئیں۔“ آگے مزید فرماتے ہیں۔

”جب حضرت رؤف سبکی سے بذریعہ بحری جہاز جانب عرب روانہ ہوئے اور سرحد عرب میں داخل ہونے کے بعد عمرہ کے فرض سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پر اپنی پہلی حاضری اپنے محبوب کے دربار اقدس میں دینے گئے اس وقت آپ کے دل میں ایک عجیب کیفیت موجود تھی۔ عمر بھر کے حسرت و ارمان کی پیاس بجھ رہی تھی۔ محبوب کا دربار اقدس نظروں کے سامنے تھا۔ عشق و محبت کے بے پناہ جذبات بھی شامل حال تھے۔ اسی اثنا میں اپنے محبوب اور شفیع یوم مشتری کی جانب مخاطب ہو کر یوں عرض پرداز ہوئے۔

آپ اپنے آستانہ عالی کو دیکھئے کیا دیکھنا رؤف سیہ کار کی طرف

(ص ۷)

یہ ایک عقیدت مند کی تحریر ہے۔ اس لیے اس میں رسول نشاط کشتواڑی نے تحریر فرمایا تھا۔ پیش نظر اخبار میں اس کی دوسری قسط ہے۔ اس کے ضروری حصے کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

”تمام خصوصی مہمان جمع ہو کر رونق افروز دربار تھے۔ کچھ وقفے کے بعد یکا یک حضور سرور عالم پیشوائے جن و بشر، مقتدائے حور و ملک جناب حضرت احمد مجتبیٰ علیہ السلام بمثل آفتاب تشریف فرمائے دربار ہوئے اور نورانی تخت مقدس پر زینت افروز ہوئے۔ ملائکہ دائیں بائیں جنت الفردوس کے نورانی مورچھل ہاتھوں میں لیے شہنشاہ دو جہاں کے سامنے باادب کھڑے تھے۔۔۔ حکم ہوا سر دست ان کا غذات کو آئندہ تاریخ پیشی تک ملتوی کر دو۔ کیونکہ آج اس کا ہنگامی اجلاس میں ایک اور مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی باری ہے۔ حاضرین دربار خاموش بیٹھے اس اہم فیصلے کے اعلان کے منتظر تھے۔ چنانچہ دفعتاً حضور سرور دو عالم صلعم (علیہ السلام ہونا چاہیے) اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہمارے ایک غلام اور عاشق زار رؤف امر وہوی کے مقدمے کی فائل آں حضور کے سامنے پیش کی گئی۔ سرکار نے ازراہ کمال نوازش اپنے اس عاشق صادق کی تمام جمع شدہ درخواستوں پر اپنے دست مبارک سے مہر تصدیق ثبت فرمائی اور حکم صادر فرمایا کہ مدینہ میں ہندوستان کا ایک ہمارا محب انجینئر وقار السلام نامی موجود ہے۔ اس کو قاصد بنایا جائے۔ اسی وقت دربار رسالت سے وقار صاحب کو ذریعہ بشارت خاص قاصد رؤف امر وہوی قرار دیا گیا اور اس خوش نصیب قاصد دربار نبوی کو ہندوستان سے رؤف کو بلوانے کی ڈیوٹی سونپی گئی۔ چنانچہ وقار صاحب نے سب سے اوّل فوری طور پر جناب رؤف امر وہوی ہندی کو

عرب میں بلانے کا انتظام کیا۔“ آگے تحریر فرماتے ہیں۔

”امروہہ سے روانہ ہو کر حضرت رؤفؓ جانبِ دہلی روانہ ہو گئے جہاں دو ایک دن ٹھہرنے کا پروگرام بنا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ دہلی میں داخل ہو گئے۔ جہاں پہلے سے ہی آپ کی عقیدت مندوں کا ایک بے پناہ جھوم آپ کی زیارت کے لیے منتظر تھا۔ دہلی میں آپ کے خصوصی احباب نے آپ کو دو یوم ٹھہرنے پر مجبور کیا اور اس دوران شب میں عاشقانِ رؤفؓ و طالبانِ بادۂ عرفان نے رؤفؓ صاحب کے اعزاز میں نعتیہ محافل منعقد کیں، جن میں کلامِ رؤفؓ سے معرفت کی شراب کے پیاسے سیراب ہو گئے۔ احبابِ خصوصی، لاتعداد عقیدت مندوں کی جانب سے اعزازی مجلسیں منعقد کی گئیں۔“ آگے مزید فرماتے ہیں۔

”جب حضرت رؤفؓ سبکی سے بذریعہ بحری جہاز جانبِ عرب روانہ ہوئے اور سرحدِ عرب میں داخل ہونے کے بعد عمرہ کے فرض سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پر اپنی پہلی حاضری اپنے محبوب کے دربارِ اقدس میں دینے گئے اس وقت آپ کے دل میں ایک عجیب کیفیت موجود تھی۔ عمر بھر کے حسرت و امان کی پیاس بجھ رہی تھی۔ محبوب کا دربارِ اقدس نظروں کے سامنے تھا۔ عشق و محبت کے بے پناہ جذبات بھی شامل حال تھے۔ اسی اثنا میں اپنے محبوب اور شفیعِ یومِ محشر کی جانب مخاطب ہو کر یوں عرض پرداز ہوئے۔

آپ اپنے آستانہِ عالی کو دیکھتے کیا دیکھنا رؤفؓ سیہ کار کی طرف (ص ۷)

یہ ایک عقیدت مند کی تحریر ہے۔ اس لیے اس میں ع

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لیے

کی کیفیت بھی ہو سکتی ہے، لیکن اس تحریر سے اس واقعے کی توثیق ضرور ہوتی ہے کہ حضرت رؤفؓ امروہوی حضور پر نور ﷺ کے بلاوے پر اور کسی غیر شخص کے اخراجات سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ نیوز پیپر رجسٹرار کے دفتر میں رجسٹرڈ اخبارات میں بالکل بے بنیاد اور جھوٹی خبریں شائع نہیں ہوتی ہیں۔ اس اخبار کا رجسٹرڈ نمبر R.N 14209/65 تھا۔ معلوم نہیں کہ اب یہ اخبار جاری ہے یا نہیں۔



ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی (مالیگاؤں)

مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کے رُخ حیات کی جھلکیاں

اور سعادتِ افروزِ نعتیہ و سلامیہ شاعری

حضرت علامہ مولانا محمد سعید اعجاز کا مٹوی رحمۃ اللہ علیہ بجاطور پر فصیح اللسان، ساحر البیان اور قاری خوش الحان جیسے مہتمم بالشان القاب کا استحقاق رکھتے تھے۔ آپ اپنے مخصوص، منفرد اور منظم لب و لہجہ میں جب قرآن پاک کی تلاوت فرماتے یا حمدِ باری تعالیٰ، نعت و سلام اور مناقبِ گنگنا تے تو محفل پر ایک روحانی سماں چھا جاتا اور سامعین کیف و سرور کے عالم میں بے ساختہ جھوم جھوم اُٹھتے تھے۔ آپ کے وعظ و ارشاد کی نورانی و عرفانی مجالس کی روشن و تاب ناک یادیں اب بھی حاشیہ ذہن و قلب میں تر و تازہ ہیں، آپ کی غنائیت اور نغسگی سے آراستہ و مزین آوازاں ابھی کانوں میں رس گھولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

ولا دت باسعادت:

حضرت مولانا محمد سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۱۹۲۹ء میں اُن کے آبائی مکانِ محلہ لکڑ گنج، کامٹی میں ہوئی۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام محمد اللہ تھا۔ اور والدہ کا نام آسیہ بی۔ مولانا محمد سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ کے والدِ گرامی محمد اللہ صاحب نے شہزاد پور، ضلع فیض آباد (اتر پردیش) سے ہجرت کر کے کامٹی (ناگپور، مہاراشٹر) میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آج بھی شہزاد پور میں آپ کے رشتہ دار آباد ہیں۔ آپ کا خانوادہ اولیاء کرام اور اہل طریقت و تصوف سے بے پناہ عقیدت و محبت کے جذبات سے سرشار تھا۔ خاندانی روایات کے مطابق حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ کی پیدائش سلسلہٴ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کے بعد ہوئی۔ حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ نے آپ کے والدِ گرامی کو اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ آپ کے گھر پیدا ہونے والے بچے کا نام ”محمد سعید“ رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے آپ کے والد نے نومولود کا نام ”محمد سعید“ رکھا۔ حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ کا تعلق فوج سے تھا اور آپ پنجاب رجمنٹ سے تھے۔ اُس وقت کامٹی میں تعینات فوج کی امامت کے عہدے پر فائز تھے، اور ایک طویل عرصہ آپ نے کامٹی میں

گذا را۔ اُس دوران آپ کی ذات مرجعِ خلائق تھی۔ عوام و خواص سبھی آپ سے اکتسابِ فیض کیا کرتے تھے۔

بیعت و خلافت:

حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ نے جب شعور کی منزل میں قدم رکھا تو خاندانی روایات کے مطابق آپ حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہٴ نقشِ ہندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ علامہ ارشد القادری نور اللہ مرقدہ کے برادرِ گرامی حضرت فیض العارفین مولانا شاہ غلام آسی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ نے آپ کو اپنی خلافت و اجازت سے نوازا تھا۔

تعلیم و تربیت و فراغت:

حضرت مولانا محمد سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ نے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لیے ناگپور کی مرکزی دینی درس گاہ جامعہ عربیہ ناگپور میں داخل کیے گئے۔ اُس عہد کے ممتاز اساتذہ کرام کے زیر سایہ رہ کر آپ ۱۹۴۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ علامہ ارشد القادری نور اللہ مرقدہ، حضرت فیض العارفین مولانا شاہ غلام آسی صاحب، فقیہ الہند حضرت مفتی عبدالرشید خاں فتح پوری جیسے اجلہ علمائے کرام کا شمار آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔

خطابت و تراویح:

فصح اللسان مولانا محمد سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ ایک ساحر البیان خطیب کی حیثیت سے نہ صرف کامٹی اور ناگ پور بلکہ پورے ملک میں مشہور و معروف اور بے پناہ مقبول تھے۔ پورے ملک میں آپ جہاں جاتے اپنے مخصوص لب و لہجے کی وجہ سے بڑی پسندیدگی سے سماعت کیے جاتے۔ آپ کے منفرد اندازِ خطابت کے اپنے تو اپنے غیر بھی گرویدہ تھے۔ آپ کی دل نشین تقاریر کو سماعت کر کے نہ جانے کتنے گمراہ انسانوں نے توبہ کی۔ اور باطل عقائد کے پرستار اہل سنت کے دامن میں داخل ہوئے۔ آپ اپنے بیانات میں اصلاحِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ عقیدے کی چٹنگی پر ہمیشہ زور دیا کرتے تھے۔ سلسلہٴ عالیہ نقشِ ہندیہ مجددیہ کے بعض پیروکاروں کی بہ نسبت آپ کے اندر عقیدے کے نام پر سمجھوتے کا مزاج ذرہ بھر کو نہ تھا۔ امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی کے مسلکِ عشق و ایمان کے تحفظ و استحکام میں آپ زندگی بھر مصروف و مشغول رہے۔

آپ ایک اچھے حافظِ قرآن بھی تھے۔ ابتدا میں کئی سال تک مسجد وزیر صاحب نیا بازار، کامٹی میں آپ نے بڑی خوش الحانی سے نمازِ تراویح پڑھائی۔ رات پور، چھتیس گڑھ میں بھی کافی سالوں تک تراویح سنائی۔ بعدہ مختلف علاقوں میں تراویح کے لیے بلائے جاتے رہے۔ حتیٰ کہ جب ممبئی میں آپ

تراویح سناتے تھے تو بیرون ملک سے محبین آپ کی اقتدا میں تراویح ادا کرنے کے لیے آتے رہے۔ تراویح میں آپ جب اپنے مخصوص انداز میں قرآن کی تلاوت فرماتے تو ایک روحانی سماں پیدا ہو جاتا۔

شعری حریمت اور زد و گوئی:

مولانا سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ بہترین عالم، حافظ، قاری، ادیب، خطیب، طبیب، محقق، دانش ور، مدرس، مصلح، مفکر، مدبر، تاجر اور سیاح کے ساتھ ساتھ ایک مایہ ناز شاعر بھی تھے، اور خطابت ہی کی طرح شاعری بھی آپ کی شخصیت کا منفرد شناخت نامہ کہلاتی ہے کامٹی میں شعر و ادب کا ایک اچھا خاصا حلقہ تھا۔ جس سے آپ کا متاثر ہونا بعید نہ تھا۔ آپ کی فطرت میں شعریت تھی۔ لہذا ماحول ملتے ہی آپ میدانِ شاعری میں قدم رنجہ ہو گئے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر جلد ہی اپنے معاصرین میں ممتاز ہو گئے۔

شعر گوئی میں آپ نے نقدی شاعری یعنی حمد و مناجات، نعت و مناقب، سلام کو اپنی فکر و نظر کا مرکز و محور بنایا اور بے طرح کامیاب رہے۔ نعتیہ ادب کے ذخائر میں آپ نے جو اضافے کیے ہیں وہ اپنے آپ میں مثالی حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ بڑے زود نویس اور زود گو شاعر تھے۔ آپ کے یہاں آمد آمد کا وہ چشمہ جاری رواں دواں رہا کرتا تھا کہ بارہا مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ آپ کے اجلاس اگر ایک دن میں تین مختلف اوقات اور مقامات پر ہیں تو تینوں جگہوں پر آپ نیا نعتیہ کلام اور تازہ ترین سلام پیش فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی آواز میں بلا کی نغمگی، نرم اور کشش تھی۔ آپ دینی اجلاس کے علاوہ اگر مشاعروں میں کہیں کلام سناتے تو وہاں حاصلِ مشاعرہ رہا کرتے تھے۔ لوگ اکثر صرف آپ ہی کو سننے کے لیے مشاعروں میں آتے اور منتظمین مجمع جمع رکھنے کے لیے آپ کو آخر میں پڑھاتے۔ آپ کے موئے قلم سے نکلے ہوئے بہت سارے کلام ایسے بھی ہیں جو نہ صرف ملک بھر میں مقبول ہوئے بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ کئی عالمی شہرت یافتہ نعت خواں حضرات نے بھی آپ کی نعتیں بڑے خوب صورت انداز میں پیش کی ہیں۔

وفاتِ حسرتِ آیات:

حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی تا عمر رسول کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کے گنگا گاتے رہے۔ حتیٰ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے منسوب تاج دارِ مدینہ کانفرنس، ممبئی میں دُرود و سلام اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے ہی آپ کی طبیعت ناساز ہوئی اور آپ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۶ء کو اس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے اش شعری عملی تصویر بن گئے۔

نکلی ہے روح ذکرِ جمالِ نبی کے ساتھ

ہم گوشہٴ لحد میں چلے روشنی کے ساتھ

وصال سے دور و زقبل مالِ گواں میں اولیا مسجد نہال نگر کے پاس منعقدہ ایک جلسہٴ عام میں اپنی مخاطبت کے دوران آپ نے ایک قطعہ سنایا جسے اس مقام پر درج کرنا راقم مناسب خیال کرتا ہے ۔

خدا نخواستہ پھر یہ گھڑی ملے نہ ملے

یہ نیک لمحہ تمہیں پھر کبھی ملے نہ ملے

نبی کی بزم ہے پڑھتے رہو دُرود و سلام

پھر اس مقام پہ یہ زندگی ملے نہ ملے

کسے خبر تھی کہ اب اہل سنت کا یہ فصیح اللسان اور ساحر البیان خطیب و شاعر اپنے مالکِ حقیقی سے ملنے والا ہے۔ حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کے وصال کی خبر سن کر بار بار یہ مصرعے ذہن و قلب میں گونجتے رہے اور یہ احساس پروان چڑھنے لگا کہ حضرت اعجاز صاحب کا مٹوی کو اس امرِ ربی کا کسی نہ کسی درجے میں کشف ہو گیا تھا۔

۲۳ دسمبر ۱۹۹۶ء کو آپ کی نعشِ ممبئی سے کامٹی لائی گئی۔ ہزاروں افراد نے جنازے میں شرکت کی۔ آپ کو کامٹی کے مسلم قبرستان نزد یلوے لائن میں دفن کیے گئے۔ معاصر اخبارات کی رپورٹس کے مطابق کامٹی میں کسی کے جنازے میں ایسا جم غفیر نہیں دیکھا گیا جیسا کہ مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کے جلوسِ جنازہ میں تھا۔

مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کی سعادت افروز نعتیہ و سلامیہ شاعری

حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی اپنے عہد کی ایک ممتاز اور ہر دل عزیز شخصیت کا نام ہے۔ آپ بہ یک وقت کئی خوبیوں اور صفات کا عطر مجموعہ تھے۔ آپ عالم، حافظ، قاری، شاعر، ادیب، خطیب، طبیب، محقق، دانش ور، مدرس، مصلح، مفکر، مدبر، تاجر، سیاح اور ان سب سے بڑھ کر پُرکشش شکل و صورت کے مالک ایک اچھے اور مقبول ترین عاشقِ رسول تھے۔

مولانا سعید اعجاز کا مٹوی صاحب کی ان گونا گوں اور متنوع خوبیوں میں سے ایک نمایاں وصف آپ کی شعر گوئی ہے جو اس وقت راقم کی تبصراتی کاوش کا عنوان بننے جا رہی ہے۔ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ زود نو لیبی اور زود گوئی میں آپ اپنے عہد کے شاعروں میں اپنا جواب نہیں رکھتے

تھے۔ آپ کے یہاں آمد آمد کا وہ چشمہ جاری رواں دواں رہا کرتا تھا کہ بارہا مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ آپ کے اجلاس اگر ایک دن میں تین مختلف اوقات اور مقامات پر ہیں تو تینوں جگہوں پر آپ نیا نعتیہ کلام اور تازہ ترین سلام پیش فرمایا کرتے تھے۔ افسوس صد افسوس! کہ اب تک آپ کا کوئی واقع شعری مجموعہ منصہ شہود پر جگمگا نہیں سکا۔ ہاں! فدائے اہل سنت مولانا عبدالحی نسیم القادری (مقیم حال ڈربن ساتھ افریقہ) کا مرتبہ محض چند نعتوں اور سلام پر مشتمل ایک مختصر سا کتابچہ ۸۰ رکی دہائی میں مدرسہ اہل سنت تجوید القرآن واقع دفتر آل انڈیائی جمعیت العلماء شاخ مالِ گواں کے زیرِ اہتمام شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ الحمد للہ! اب آپ کے موئے قلم سے نکلی ہوئی تقدیری شاعری کا یہ مجموعہ طباعت و اشاعت کے مراحل سے گذر کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہو گیا ہے۔ اس مجموعے کی اشاعت سے عوام و خواص آپ کی شاعرانہ خوبیوں اور کلامِ بلاغت نظام سے مکمل طور پر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ حضرت مولانا اعجاز صاحب ”غالب“ کے ”اسد“ کی طرح اپنے نام ”اعجاز“ کے ساتھ ساتھ ”سعید“ کو بھی کبھی کبھار تخلص کے طور پر استعمال فرمایا کرتے تھے۔

مولانا سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ تاجر رسول کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کے گن گاتے رہے۔ حتیٰ کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے منسوب تاج دارِ مدینہ کا نفرنس، ممبئی میں دُرود و سلام اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے ہی آپ کی طبیعت ناساز ہوئی اور آپ اس دارِ ناپائندار سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے اش شعر کی عملی تصویر بن گئے ۔

نکلی ہے روح ذکرِ جمالِ نبی کے ساتھ

ہم گوشہٴ لحد میں چلے روشنی کے ساتھ

وصال سے دور و زقبل مالِ گواں میں اولیا مسجد نہال نگر کے پاس منعقدہ ایک جلسہٴ عام میں اپنی مخاطبت کے دوران آپ نے ایک قطعہ سنایا جسے اس مقام پر درج کرنا راقم مناسب خیال کرتا ہے ۔

خدا نخواستہ پھر یہ گھڑی ملے نہ ملے

یہ نیک لمحہ تمہیں پھر کبھی ملے نہ ملے

نبی کی بزم ہے پڑھتے رہو دُرود و سلام

پھر اس مقام پہ یہ زندگی ملے نہ ملے

کسے خبر تھی کہ اب اہل سنت کا یہ فصیح اللسان اور ساحر البیان خطیب و شاعر اپنے مالکِ حقیقی سے ملنے والا ہے۔ حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کے وصال کی خبر سن کر بار بار یہ مصرعے ذہن و قلب میں

گو نچتے رہے اور یہ احساس پروان چڑھنے لگا کہ حضرت اعجاز صاحب کا مٹوی کو اس امر ربی کا کسی نہ کسی درجے میں کشف ہو گیا تھا۔ حضرت اعجاز صاحب کی ذات میں جو عاجزی، انکساری، ملنساری، شفقت و محبت اور خلوص و للہیت تھی وہ اب خال خال ہی نظر آتی ہے۔ مدرسہ اہل سنت تجوید القرآن کے اجلاس میں آپ بارہا تشریف لاتے تھے۔ ناچیز وہیں تعلیم حاصل کرتا تھا جب جب میں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے کلام کے بعد آپ کا مرقومہ کلام سنایا آپ نے حوصلہ افزائی اور پذیرائی فرماتے ہوئے انعام و اکرام اور دعاؤں سے نوازا۔ اعجاز صاحب کی طرح دیگر باوقار علمائے اہل سنت کی نوازشات کا صدقہ ہے کہ مجھ جیسا بے بضاعت اور کم علم، دین کی خدمت کے لائق بن سکا۔

حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی نے اپنے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا وسیلہ نعت گوئی کو بنایا اور میدانِ شعر و ادب میں فکر و فن کے وہ اجلے اور روشن نقوش ثبت فرمائے کہ دل سے بے ساختہ سبحان اللہ! کی داد نکلتی ہے۔ آپ نے اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے مسلکِ حق و صداقت اور پیغامِ عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے استحکام اور فروغ و ارتقا کا کام بھی لیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وصال سے چند روز قبل مالِ گاؤں میں اولیا مسجد کے پاس ایک جلسہ عام میں آپ نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں ایک خوب صورت اور دل کش نعت پیش کی جس کا ایک شعر یوں تھا کہ ۔

مسلمِ حق کے تحفظ کی ضمانت ہے یہ نام

اس لیے دوستو! میں نامِ رضا لیتا ہوں

اسی طرح وقار چوک پر منعقدہ جلسے میں ایک قطعہ بھی ارشاد فرمایا جس میں مرکزِ اہل سنت بریلی شریف کا بڑی عقیدت و محبت سے ذکر کیا گیا ہے ۔

چراغِ عقیدت جلا کے تو دیکھو اُجالے کی دنیا میں آ کے تو دیکھو

یہیں سے مدینہ نظر آئے گا بریلی کا سرمہ لگا کے تو دیکھو

متذکرہ بالا شعر اور قطعہ سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اخیر عمر تک مسلکِ اعلیٰ حضرت اور مرکزِ اہل سنت بریلی شریف سے اپنی گہری قلبی و فکری وابستگی و پیوستگی کا برملا اظہار بھی کیا، جو لائقِ تحسین و آفرین ہے۔

مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کی شاعری عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا دل کش اور دل نشین طرزِ اظہار اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو قلب و نظر کو صیقل و مجلا کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جذبات و خیالات اور محسوسات کی جو بلندی، شکستگی اور پاکیزگی آپ کے کلام کی زیریں زد میں پنہاں ہے وہ محبت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں آپ کے مخلصانہ اور مومنانہ رویوں کی غمازی کرتی ہیں، چند اشعار نشانِ خاطر فرمائیں ۔

کون کہتا ہے کہ مرقد میں اندھیرا ہوگا
وہ جو ہوں گے تو اُجالا ہی اُجالا ہوگا
صدر اس کے مرے سرکارِ دو عالم ہوں گے
اُن کے دیوانوں کا محشر میں بھی جلسہ ہوگا
غمِ دوراں کی کڑی دھوپ سے بچنے کے لیے
سایہ گیسوے سرکار میں آلوں تو چلوں
مرے ذوقِ نظر پر ہوگئی رحمتِ محمد (ﷺ) کی
مدینہ دور ہے آنکھوں میں ہے صورتِ محمد (ﷺ) کی
جہاں ہوتی ہے انساں کو ندامت اپنے عصیاں پر
اسی منزل کا شاید نام ہے رحمتِ محمد (ﷺ) کی
میرا دل بے نیازِ صلہ ہے، دل میں کوئی تمنا نہیں ہے
جب سے دیکھا ہے باغِ مدینہ، سر میں جنت کا سودا نہیں ہے

سعید اعجاز کا مٹوی صاحب نے اپنے شعروں میں لفظ و بیان، جذبہ و خیال اور فکر و فن کے جو جادو جگائے ہیں وہ اسلوبِ بیانی لحاظ سے بھی بڑی عمدگی اور نفاست کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ انوکھی لفظیات کے انسلالات، تراکیب اور پیکرات کا فن کارانہ استعمال آپ کی قادر الکلامی کو عیاں کرتے ہوئے آپ کے ایک صاحبِ فکر و نظر اور لب و لہجے کے شاعر ہونے کا اشاریہ بھی ہیں۔ علم و فن کی گہرائی و گیرائی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و سچائی سے مملو آپ کے نعتیہ اشعار میں جو دل آویز کیفیتیں پیدا ہوگئی ہیں وہ متاثر کن ہیں۔ خیال آفرینی اور مضمون آفرینی کی سطح پر بھی آپ کی شاعری ندرتِ اظہار اور جدتِ ادا کے جواہر پارے اپنے اندر سموئے ہوئے فصاحت و بلاغت کا دل کش مجموعہ بن گئی ہے ۔

ہیں جو خرامِ آقا اب میرے تصور میں

اے عمرِ رواں میری لُٹ ٹھہر جانا

بس عشقِ محمد (ﷺ) کے شانے کی ضرورت ہے

مشکل نہیں گیسوے دوراں کا سنور جانا

مُحفلِ نور شبِ غم میں سجا لیتا ہوں
دل کی آواز سے آواز ملا لیتا ہوں
صبح کے وقت بہ فیضانِ نسیم طیبہ
اپنے سرکار کے دامن کی ہوا لیتا ہوں
شبِ غم نیند بھی آئی تو اس امید پر آئی
کہ شاید خواب ہی میں دیکھ لوں صورتِ محمد (ﷺ) کی
مجزانہ کرم کے تصدق، آپ کی ہر عنایت پہ قرباں
سر پہ امت کا سایا ہے لیکن، جسمِ انور کا سایا نہیں ہے

روحِ پیغامِ سرورِ عالم عینِ مہم اور لام کیا کہیے
جامِ کوثر کی آرزو نہ رہی ان کی نظروں کا جام کیا کہیے
ان کے رندوں کے نام آتا ہے زاہدوں کا سلام کیا کہیے
حالِ اعجاز سے ہیں وہ واقف پھر کسی سے پیام کیا کہیے
طویل بحر میں لکھا گیا یہ کلام آپ کے منفرد لب و لہجے اور جذبہ و تخیل کے ساتھ ساتھ آپ کی
قادر الکلامی کاروشن اشاریہ ہے ۔

سرزمینِ طیبہ کے ایک ایک گوشہ میں، روحِ زندگانی ہے
کیا حسین منظر ہے، صبح بھی معطر ہے، شام بھی سہانی ہے
وہ محمدِ عَزَّی (ﷺ)، جس نے مقصدِ ہستی، گل جہاں کو سمجھایا
اُس کے عشق کی حد تک، زندگی حقیقت ہے، ورنہ اک کہانی ہے
اشکِ دردِ فرقت کا، راز پوچھتے کیا ہو؟ اے سعید یوں سمجھو!
چشمِ نم کے حلقے میں رہ گیا تو موتی ہے، بہہ گیا تو پانی ہے

نعت کے تقدس اور غزل کی رنگینی بیان کی آمیزش کے ساتھ سلامت روی سے مدحتِ مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم کے رنگارنگ گل بوٹے کھلانا اعجازِ صاحب کے شاعرانہ کمال کی دلیل ہے ۔

آنسوؤں کے تاروں سے، دامنِ شبِ غم کو، ہر نفس سجا یا ہے، ہر طرح دکھا رہا ہے
ہم نے اپنی خلوت کو، حاصلِ محبت کو، کتنی دیدہ ریزی سے، انجمن بنایا ہے
شانِ بے نیازی جب اتنی نور تاباں ہے، التفات کا عالم، کون جانے کیا ہوگا؟

ایک بار گزرے تھے، دور سے وہ بے پردا، اور میری دنیا میں آج تک اجالا ہے
گرمی بیاباں کیا؟ خنکی چمن کیسی؟ اب فضاے عیش و غم، جی کو چھو نہیں سکتی
حُسن کے تلونِ کارنگ ہم نے دیکھا ہے، اب ہماری نظروں میں دھوپ ہے نہ سایا ہے
اس نعت کا یہ شعر اپنے اندر معنویت اور واقعیت کا اک جہان لیے ہوئے ہے۔ بالکل اچھوتے
اور الجیلے انداز میں آپ نے انسانی عظمت و رفعت کی طرف خوب صورت اشارہ کیا ہے ۔
پھول کی مہک مجھ میں، خار کی کھٹک مجھ میں، برق کی لپک مجھ میں، چاند کی چمک مجھ میں
میں نے ساری دنیا کے، ایک ایک ذرے کا، اپنے دل کی دنیا کو آئینہ بنایا ہے
زندگی سے متعلق الگ الگ فلسفے پائے جاتے ہیں۔ لیکن جب عاشقِ رسول (ﷺ) کی زندگی کی
حقیقت کو واشگاف کرتا ہے اور زندگی کو اُس کا اصل مرکز و محور یاد دلاتا ہے تو اُس کا انداز نرالا اور تقدیری
لہروں کا حامل ہو جاتا ہے جو قلب و روح کو طہارت و پاکیزگی سے مستنیز کرتا ہے ۔

نورِ حق سے جو رشتہ زندگی اے زندگی! خود چمک اور مجھ کو چمک زندگی اے زندگی!
افسِ احمد (ﷺ) میں مٹ جا زندگی اے زندگی! اپنے مرکز کی طرف آ زندگی اے زندگی!
آستانِ مصطفیٰ ہم پا کے سب کچھ پا گئے بس اسی منزل پہ کو حُبِ زندگی اے زندگی!
حبِ لوہ گاہِ سرورِ عالم کا عالم دیکھ کر اپنا عالم آپ ہو حُبِ زندگی اے زندگی!
دیدہ جبریل کا سرمہ ہے جن کے در کی خاک اُن کے در کی خاک ہو حُبِ زندگی اے زندگی!
مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کے خاتمہ مدحتِ نگار سے نکلی ہوئی ”لکھتے لکھتے“ ردیف پر مشتمل ذیل کی
نعت بڑی متاثر کن اور پُر کیف ہے۔ تصویریت کا حُسن اور منظر کشی کا جمال شعرِ شعر سے ظاہر ہے۔ بحر کی
زیریں رویں پنہاں نغمگی اور موسیقیت بے ساختہ نعت گنگنانے پر مجبور کرتی ہے اور دل سے سبحان اللہ
! ماشاء اللہ کی داد نکلتا شروع ہو جاتی ہے ۔

میں نعت لکھوں اور ہو جائے تکمیل سفر لکھتے لکھتے
میں اپنے گھر سے جا پہنچوں سرکار کے گھر لکھتے لکھتے
تعریفِ نبی کے گیسو کی، اور وصفِ نبی کے چہرے کا
میں شام کو لکھنے بیٹھوں اگر ہو جائے سحر لکھتے لکھتے
پھر اُن کے تبسم کا خاکہ الفاظ میں کچھ کچھ کھینچ سکوں
کھلتی ہوئی کلیوں پر میری پڑ جائے نظر لکھتے لکھتے

احساسِ نبی کی عظمت کا، کیا قلب میں ہے سبحان اللہ!
جب نامِ مبارک آتا ہے، جھک جاتا ہے سر لکھتے لکھتے
پل بھر میں مراد دل پاؤں، میں اُڑ کے مدینہ جا پہنچوں
اعجاز جو مجھ کو مل جائیں، جبریل کے پر لکھتے لکھتے

”روحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم“ سے نمونے کے طور پر مزید چند اشعار نشانِ خاطر کریں اور شاعرِ اسلام مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کی نبی کو نین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ وارفستگی و شیفتگی کے ساتھ ساتھ شعری و فنی مہارت کا دل کش نظارہ کیجیے، سلاست و روانی، ترنم و نغمگی، صداقت و سچائی، جدت و ندرت، ایجاز و تراکیب، صنائعِ لفظی و معنوی اور دیگر محاسن کی جلوہ گری ”روحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم“ کے ورق و ورق پر مسطور اور سطر سطر میں معمور ہے ۔

پھر آج صلی علیٰ یاد آرہا ہے کوئی
مدینہ کعبہ دل کو بنا رہا ہے کوئی
مقامِ رفعتِ انساں بتا رہا ہے کوئی
زمین سے عرشِ معلیٰ پہ جا رہا ہے کوئی
میں مالکِ جنت کا، وہ جنت کا طلب گار
زاہد کی دُعا اور مرے دل کی دُعا اور
اس شانِ سخاوت پہ سخاوت بھی نہ چھوڑ
دامن کو مرے بھر کے وہ کہتے رہے کیا اور؟
فکرِ وداعِ طیبہ بھی ہے حاضری کے ساتھ
کچھ غم بھی ہے شریک ہماری خوشی کے ساتھ
نور پھر نور ہے منوائے گا خود اپنا وجود
بشری جامے میں رہ کر مرے سرور چمکے
حشر میں پھوٹی وہ اُمیدِ شفاعت کی کرن
دھوپ نکلی، وہ مرے شافعِ محشر چمکے
اُلجھن کا حل دھونڈ نکالیں زندہ دلی کی بات کریں
دھوپِ غمِ دوراں کی کڑی ہے، زُلفِ نبی کی بات کریں

خلد کی عظمت اپنی جگہ ہے، اس سے نہیں انکار مگر
کوئے نبی پھر کوئے نبی ہے، کوئے نبی کی بات کریں

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کے نعتیہ و سلامیہ کلام سرحدوں کو توڑتے ہوئے بیرونِ ملک میں بھی پورے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عالمی شہرت یافتہ نعت نگاروں میں شمار کیے جانے کا مکمل استحقاق رکھتے ہیں۔ حضرت کے بیشتر کلام ایسے ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک میں ”نامعلوم“ شاعر کے طور پر بھی شائع کیے جاتے ہیں۔ جن میں دو واضح اور بڑی مثال شہرہ آفاق سلام ”اے حبیبِ احمد مجتبیٰ دل بتلا کا سلام لے“ اور ”چندا کرے تم کا سلام“ ہے۔ اسی طرح ”آنسوؤں کے تاروں سے دامنِ شبِ غم کو ہر نفس سجایا ہے ہر طرح نکھارا ہے“ اور ”سرزمینِ طیبہ کے ایک ایک گوشہ میں، روحِ زندگانی ہے“ کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ نیز ”دل کی مراد پائیں گے آج نہیں تو کل سہی“ بھی آپ کے مشہور زمانہ شہرہ آفاق کلام میں سے ایک ہے۔

مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کی شاعری کی خصوصیات میں سے ایک قابلِ لحاظ پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے اردو زبان، محاورات اور روزمرہ کے استعمال کے ساتھ عربی، فارسی اور پوربی بولی کے انسلالات سے اپنے کلام کو متنوع رچاؤ کا آئینہ دار بنا دیا ہے۔ کئی نعتیں تو مکمل پوربی بولی میں ہیں اور بعض نعتوں میں اردو اور فارسی لفظیات کے ساتھ پوربی بولی کی ادیبانہ آمیزش کی ہے، جو آپ کے پیرایہ زبان و بیان کی ایک مخصوص لے ہے۔ جاننا چاہیے کہ آپ نے جن بحروں کا انتخاب کیا ہے وہ اپنے اندر بلا کی نغمگی، بغنائیت اور موسیقیت لیے ہوئے ہیں۔ آپ جب خود اپنے نعتیہ کلام کو مخصوص طرزِ ادا اور مترنم آہنگ کے ساتھ سناتے تھے تو مجمعِ پروجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی لوگ دیر تک آپ کی متاثر کن ترنم ریزی کے سبب جھومتے رہا کرتے تھے۔ زبان و بیان کے متنوع رچاؤ اور پوربی بولی کے چند اشعار نشانِ خاطر فرمائیں ۔

جانے کیا بات ہے گل زار بہت مہکت ہے
پھول کا کیا کہوں ہر خار بہت مہکت ہے
تمہرا دیس تو سرکار سمندر وہی پار
پر بیہو پار بھی وہو پار بہت مہکت ہے



ہاے سدھ بدھ نہ رہی ساری فکر بھول گئوں
اپنا گھر بھول گئوں اپنا نگر بھول گئوں

موری ای بھول پہ یادِ ن بھی نچھاور اعجاز
آیوں طیبہ میں تو نکلے کی ڈگر بھول گئوں

☆

مورکھ ہے حیاتِ آقا میں کچھ شک جو کوئی دکھلاوت ہے
تیرہ سو برس کے بعد بھی اُمت پہ کرم فرماوت ہے
سرکار میں تم کا مان گئوں ، مختار کا مطلب جان گئوں
ای چاند اُدھر جھک جاوت ہے جے پور اشارا پاوت ہے

☆

مدت سے یہ دل ہے بے تاب ہجرال ، بے تاب ہجرال
سُسنانِ دن ہے تو راتیں ہیں ویراں ، راتیں ہیں ویراں
ایک ایک لمحہ ہے محشر بداماں ، محشر بداماں

کیسے کٹے جیون کی لمبی ڈگریا
تم بن اے آمنہ کے لال
لہر لہر کرے تمہرے دوش پر ---

چرخِ نبوت کے تم ماہِ اختر ، تم ماہِ اختر
تم سے ہی چمکے ہیں مانندِ اختر ، مانندِ اختر
صدیق و فاروق و عثمان و حیدر ، عثمان و حیدر

چاروں رکھیں پلکن پہ تمہرا چروا
پائِن عروج و کمال
لہر لہر کرے تمہرے دوش پر ---

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں صلاۃ و سلام کا نذرانہ پیش کرنا اہل عقیدت و محبت کا شیوہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خود اللہ جل شانہ اور اس کے مقرب فرشتوں کا بھی یہ معمول ہے، چنانچہ ارشادِ پاک ہے: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر تو اے ایمان والو! تم بھی دُرود بھیجو اور خوب سلام (سورہ احزاب)۔

اس آیہ کریمہ کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو جملہ اعمال میں دُرودِ پاک کی فضیلت اور اہمیت

ایمان و عقیدے کی سلامتی کے ساتھ اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ جب تک نعت نگار شاعر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانہ سلام پیش نہیں کرے گا وہ میرے نزدیک ناقص نعت گو شاعر کہلائے گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا سلام ۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
تو آفاقی شہرت اور مقبولیت کا حامل ہے۔ بیش تر شعراے گرامی نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ سلام نچھاور کرتے ہوئے اپنی عقیدت مندی اور سعادت مندی کا ثبوت دیا اور اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو صیقل کیا ہے۔ مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کا یہ انفرادی اور توصیفی پہلو ہے کہ آپ نے مختلف ہیئتوں اور ٹیکنک کا استعمال کرتے ہوئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عظمت نشان میں صلاۃ و سلام کا تحفہ خلوص و محبت لٹایا ہے۔ عقیدے اور عقیدت کی خوب صورت پرچھائیوں کے جلو میں فکر و فن کے جودل کش نقوش صنفِ سلام میں آپ نے ابھارے ہیں ان سے بھی آپ کی شاعرانہ صلاحیتیں نکھر نکھر کر سامنے آئی ہیں۔

صنفِ سلام سے مولانا اعجاز صاحب کا والہانہ اور فطری لگاؤ قابلِ تحسین تھا۔ میرا بارہا مشاہدہ رہا ہے کہ آپ ہر اجلاس میں ایک نیا سلام لے کر حاضر ہوا کرتے اور اپنی بھرپور مترنم آواز میں پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی زمبیل شاعری میں ایسے نہ جانے کتنے سلام جگمگ جگمگ کر رہے ہوں گے اس کا حتمی علم نہیں۔ سعید اعجاز کا مٹوی کے مرقومہ مختلف سلام سے بہ طور نمونہ ذیل میں کچھ بند خاطر نشین فرمائیں ۔

اے حبیبِ احمدِ محبتی دلِ بتلا کا سلام لے
جو وفا کی راہ میں کھو گیا اُسی گم شدہ کا سلام لے
اے حبیبِ احمدِ محبتی دلِ بتلا کا سلام لے
ترے آستان کی تلاش میں، تری جستجو کے خیال میں
اے شہِ زمن، دل و جان من، اے سراپا رحمتِ ذوالہمن
جو لٹا چکا ہے متاعِ دل، اُسی بے نوا سلام لے
اے حبیبِ احمدِ محبتی دلِ بتلا کا سلام لے

☆

الصلاۃ والسلام

اے نبی اقصیٰ مقام

السلام

رہبرِ اعظم نور مجسم
آپ کا عالم، کیا کہیے کیا کہیے
قامتِ زیبا، روئے مصفا
حُسن میں یکتا کیا کہیے کیا کہیے
آپ کا جلوہ جلوہ حق
باطل کا چہرہ ہے فق

رحمتِ یزداں، زیست کے عنوان، درد کے درماں
اک نگاہِ فیضِ عام، لیجیے سب کا سلام السلام
الصلاة والسلام
اے نبی اقصیٰ مقام
السلام



ہے سارے غلاموں کی یہ صدا
السلام علیک رسول اللہ
ہم پر ہو نگاہِ لطف و عطا
السلام علیک رسول اللہ

اے آمنہ بی بی کے دل بر، یا نبی یا رسول
اے سارے غلاموں کے سرور، یا نبی یا رسول
اے جملہ رسولوں سے برتر، یا نبی یا رسول
معراج میں تھے مہمانِ خدا
السلام علیک رسول اللہ



صلیٰ علیٰ سیدنا خیر الانام میرے نبی پر ہو لاکھوں سلام
لطف و کرم کی آس لگی ہے دھوپ ہے غم کی پیاس لگی ہے
بہرِ خدا اب ہو عطا کوثر کا جام میرے نبی پر ہو لاکھوں سلام

صلیٰ علیٰ سیدنا خیر الانام میرے نبی پر ہو لاکھوں سلام
☆

اے عزِ بی ہاشمی آپ پہ لاکھوں سلام آپ سے بگڑی بنی آپ پہ لاکھوں سلام
آپ ہی ذات پر آپ ہی کے نام پر ختم ہوئی پیغمبری آپ پہ لاکھوں سلام
اے عزِ بی ہاشمی آپ پہ لاکھوں سلام



اے شہِ انام لیجیے سلام عرض ہے سلام لیجیے سلام
وہ آدم و مسیح ہوں یا ذبیح ہوں یا خلیل ہوں
کلیم حق طراز ہوں کہ یوسف جمیل ہو
وہ عالم ملائکہ کے صدر جبرئیل ہوں
سب کے آپ امام، لیجیے سلام

اے شہِ انام لیجیے سلام عرض ہے سلام لیجیے سلام
حضور اپنے گھر کی زندگی کا صدقہ دیجیے
حضور اپنے در کی روشنی کا صدقہ دیجیے
حسن حسین و فاطمہ علی کا صدقہ دیجیے
سب ہوں شاد کام، لیجیے سلام
اے شہِ انام لیجیے سلام عرض ہے سلام لیجیے سلام



مصطفیٰ مجتبیٰ پہ کروڑوں سلام سرورِ انبیا پہ کروڑوں سلام
چاند ٹکڑے ہوا، سورج اُلٹے پھرا قدرتِ مصطفیٰ پہ کروڑوں سلام
اس سے روشن ازل، اس سے روشن ابد شمعِ غارِ حرا پہ کروڑوں سلام



آپ کا کہنا ہی کیا آپ ہیں خیر الانام آپ پہ لاکھوں سلام
آپ شہِ مشرقین آپ شہِ مغربین فاتحِ بدر و حنین جدِ امام حسین
آمنہ کے نورِ عین، قلبِ غریباں کے چین تاجِ شہی آپ کے قدموں کی ٹھوکر کا نام

آپ پہ لاکھوں دُرود آپ پہ لاکھوں سلام
ہستی قطرہ کہاں ، وسعتِ دریا کہاں
فرش کا ذرہ کہاں ، عرش کا تارا کہاں
میرا نصیبہ کہاں ، آپ کا روضہ کہاں
آپ کی جالی کے پاس آپ کا ادنا غلام
آپ پہ لاکھوں دُرود آپ پہ لاکھوں سلام
نعت و سلام کے علاوہ سعید اعجاز صاحب نے مناجات و دعا اور مناقب بھی قلم بند کیے ہیں۔ آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے مختلف اجلاس میں میں نے بیش تر مناقب سماعت کی ہیں۔ آپ کی مرقومہ مناقب میں آپ نے اپنے اسلافِ کرام سے والہانہ محبت و الفت کا اظہار و ابلاغ شاعرانہ نزاکتوں اور عقیدت مندانہ لطافتوں کے ساتھ کیا ہے، جن سے آپ کی اپنے بزرگوں کے تین مخلصانہ شیفتگی اور وارفتگی ظاہر ہوتی ہے۔ مختلف مناقب سے نمائندہ اشعار نشانِ خاطر فرمائیں ۔

اس کی مشکل پہ آسانیاں بھی فدا
جس کو فرزندِ مشکل کشا مل گیا
ہو کے آئی ہے تو کوئے شبیر سے
تیری خوشبو کا راز اے صبا مل گیا

☆

ہے عقیدت شرط ، کیا ملتا نہیں بغداد سے
سارے عالم میں ہے جاری فیضِ عام غوثِ پاک
نقشِ بندی ہوں کہ چشتی سب کو حاصل ہے سرور
ہے مے رنگین سے لبریز جامِ غوثِ پاک

☆

دفعۃً کافورِ باطل کی سیاہی ہو گئی
ہند میں پھیلا اُجالا خواجہٗ اجیر کا
ذرہ ذرہ پر بہارِ دائمی کا رنگ ہے
ہے ریاضِ خلد روضہ خواجہٗ اجیر کا

☆

سارا عالم دل سے جانے عظمت و شانِ رسول (ﷺ)
ایک ایسی بھی دعا اے مرتبہ دانِ رسول (ﷺ)
گلشنِ سنت کے مخلص باغبانِ محترم!
آپ کو مہکا رہا ہے خود گلستانِ رسول (ﷺ)

☆

قلب کی روشنی امام علی روح کی تازگی امام علی

جانِ اعجاز آپ کے صدقے سیدی مرشدی امام علی

☆

یہی ذوقِ طلب کا حاصل ہے معرفت کا نشانِ کامل ہے
تاجِ والے کا نقشِ پا اعجاز راہِ منزل نہیں ہے منزل ہے
آپ کے خامہٗ مشک بار سے نکلی ہوئی ایک مناجات تو شہرت و مقبولیت کے افق پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی ہے۔ اللہ جل شانہ کی بزرگی اور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا صدقہ طلب کرتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں استغاثہ و فریاد کا یہ انداز آپ کی خوش عقیدگی کا مظہر ہے۔ اعجاز صاحب کی مقبول خاص و عام مناجات ذیل میں ملاحظہ ہو ۔

یا خدا صدقہ کبریائی کا صدقہ اُس نورِ مصطفائی کا
سیدھا رستہ چلائو ہم کو پیچ و خم سے بچائیو ہم کو
مرتے دم غیب سے مدد کیجو ساتھ ایمان کے اٹھائیجو
جب دم واپس ہیں ہو یا اللہ لب پہ ہو لا الہ الا اللہ

حضرت مولانا سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ کو سچا خراجِ عقیدت یہ ہوگا کہ ان کے متوسلین، معتقدین، منتسبین اور صاحب زادگان ان کے منتشر کلام کو یک جا کر کے منصفہ شہود پر جلوہ گر کر دیں اُن کے اس امر سے حضرت اعجاز صاحب کی روح کو یقیناً خوشی حاصل ہوگی۔ مولانا سعید اعجاز کا مٹوی علیہ الرحمہ ایک مقبول نعت گو شاعر تھے۔ آپ کے کلام کی مقبولیت و شہرت آپ کی حیات ہی میں ملک و بیرون ملک ہو چکی تھی۔ رسول کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کی شناختی باعثِ سعادت و نجاتِ سرمدی ہے۔ یقیناً اللہ جل شانہ نے کونین کی سعادتیں اُن کے نام کی ہوں گی اور اُن کو مقامِ بلند سے نوازا ہوگا۔ آج اُن کے موعے قلم سے نکلے ہوئے نعتیہ نعمات نہ جانے کتنے دلوں میں عشقِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعیں روشن کر رہے ہیں۔ آپ کے کلام کی یہ مقبولیت بارگاہِ رب ذوالجلال میں آپ کی مقبولیت کو ظاہر کرتی ہے۔



ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (یوپی)

علمائے گھوسی کی نعت نگاری

شیراز ہند کے ملحقات میں ”اعظم گڈھ“ صدیوں سے علم و فضل اور حکمت و تدبر کے آسمان پر نشنہ و قمر کی طرح درخشاں رہا ہے۔ اعظم گڈھ کی ضلعی حیثیت انگریزی دور اقتدار میں متعین ہوئی اور پھول پور، سگڑی وغیرہ کی طرح گھوسی اس کی تحصیل قرار پائی۔ ۱۹۸۹ء میں ضلع اعظم گڈھ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور گھوسی ضلع مؤ میں آ گیا۔

قصہ گھوسی عرصہ دراز سے علماء مشائخ، شعراء، ادباء، ارباب سیاست اور صنعت کاروں کا مولد و مسکن رہا ہے جسکی مٹی سے سیکڑوں اصحاب فضل و کمال اور ارباب شعر و سخن اور دانشوران قوم و ملت پیدا ہوئے جو علم و فن کے افق پر کہکشاں بن کر چمکے۔ قصہ گھوسی کی آبادی بہت قدیم ہے۔ راجہ ہوش کی کوٹ کا ملکہ اب بھی آثار قدیمہ کی یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔

قصہ گھوسی اسلامی علوم و فنون میں نہایت سرخرو اور سر بلند رہا ہے۔ آج بھی علماء، مشائخ، شعراء، ادباء، مدرسین و مصنفین کی بھاری تعداد یہاں موجود ہے۔ اس سرزمین سے سیکڑوں کتا بین لکھی گئیں جو دائمی شہرت کی حامل ہیں۔ علم دین کا خوب شہرہ ہے، جامعہ شمس العلوم، جامعہ امجدیہ رضویہ، مدرسہ خیر فیض عام، مدرسہ رضویہ بدر العلوم کے علاوہ ہر محلہ میں دینی مدارس قائم ہیں جہاں مقامی اور غیر مقامی طلبہ علم دین کے سرچشمے سے سیراب ہو رہے ہیں۔ متعدد عصری درسگاہیں ہیں جہاں ایم۔ اے اور ایم۔ ایس۔ سی تک کی تعلیم کا بندو بست ہے۔ بڑے پیمانے پر دونوں کالج ہیں جس میں سیکڑوں بچیاں زیور علم سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ یہاں علم و ادب کے چرچے صرف دانشگاہوں تک محدود نہیں بلکہ یہاں کے عام مسلمان باشندے بھی فقہی، دینی، تاریخی اور سیاسی عنوانات پر عام قہوہ خانوں میں بحث و مباحثہ کی مجلسیں گرم کئے رہتے ہیں۔ شعرو ادب سے بھی اچھا شغف ہے۔ دینی تبلیغی اجلاس، اسلامی تقریبات کی مجالس کے علاوہ مشاعرہ، مقاصدہ اور اسلاف کی یادگار مجلسوں مثلاً عید میلاد النبی، گیارہویں شریف، مجالس محرم اور اعراس میں علم و ادب اور شعرو سخن کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ نوع و نوع عنوانات پر تقاریر، مقالے اور نظمیں پڑھی جاتی ہیں۔ ۱۔

حضرت پرہیزی شاہ، حضرت سید احمد بادپار، حضرت خواجہ محمود بہرنگ، حضرت مولانا غلام نقش بند گھوسی ختم لکھنوی، حضرت مولانا سلامت اللہ گھوسی ختم رام پوری، مولانا خیر الدین، مولانا نذیر احمد برکاتی، مولانا صدیق احمد، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مولانا حافظ محمد عمر نقش بندی، مولانا غلام جیلانی اعظمی، مولانا غلام یزدانی اعظمی، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، مفتی شریف الحق امجدی، مولانا قاری محمد عثمان اعظمی، جیسی علمی، ادبی اور عارفانہ شخصیتوں کا مولد و مستقر رہا ہے۔ ۲۔

عصر حاضر میں محدث کبر علامہ صاۃ المصطفیٰ صاحب قادری، حضرت علامہ قمر الدین صاحب اشرفی، حضرت علامہ بدر القادری صاحب مصباحی، حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب اعظمی اسی سرزمین کی یادگار ہیں جن کی علمی تبلیغی اور ادبی خدمات کا ایک زمانہ قائل ہے۔

عرصہ دراز سے یہاں علمائے نعت نگاری سے دل چسپی اور شغف رکھتے رہے ہیں۔ یہاں کے علماء کے درجنوں نعتیہ مجموعے شائع ہو کر خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے دور میں باقاعدہ یہاں نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد ہوتا تھا۔

شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعرہ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

” (حضور صدر الشریعہ) ہر سال قادری منزل کی کی چھت پر نعتیہ مشاعرہ بڑے اہتمام سے انعقاد فرماتے رمضان المبارک میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحبزادہ اور علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی وغیرہ کو بلا کر خود مصرعہ طرح منتخب فرماتے جو یا تو اعلیٰ حضرت کا کوئی مصرع ہوتا یا مولانا حسن رضا خاں صاحب کا کوئی مصرع مثلاً ایک سال مصرع طرح یہ تھا ع

تاج والوں کا یہاں خاک پر ماتھا دیکھا

ایک سال مولانا حسن رضا خاں صاحب کا یہ مصرع ع

جب خاک اڑے میری مدینے کی ہوا ہو

پھر ازہری صاحب کو بیٹھا کر تمام شعراء کی لسٹ بنواتے اور حکم دیتے کہ سب کو دعوت نامہ بھیج دینا۔ سارے اخراجات اپنی جیب سے کرتے۔ عموماً یہ مشاعرہ ۴ رثوال کو ہوتا تھا بلکہ غالباً ہمیشہ اسی تاریخ میں ہوتا تھا۔ مشاعرے کی رات عشا کی نماز پڑھنے کے بعد ہی فرش وغیرہ بچھو کر سب سے پہلے خود آ کر بیٹھ جاتے اور آخر وقت تک جب تک مشاعرہ ختم نہ ہو جائے بیٹھے رہتے۔ شاعروں کا حضرت کی موجودگی کی وجہ سے ہوش گرم رہتا لیکن اس وقت سراپا جمال ہی جمال، کرم ہی کرم نظر آتے مشاعرے کے اصول

کے مطابق کبھی کبھی شاعر کے مصرعہ کو دہراتے اور اچھے اشعار پر دل کھول کر داد دیتے اس وقت استغراق بالکل نہیں ہوتا اور اچھے سامع کی طرح پورا مشاعرہ سنتے، مشاعرہ ختم ہونے پر دعا فرماتے اور شاعروں کے رخصت ہوتے وقت جن شاعروں کا کلام پسند آتا اس سے فرماتے: ”تم نے بہت اچھا کہا، بہت خوب کہا، بہت عمدہ کہا۔ میں شاعر نہیں اور نہ کبھی شعر کہنے کی طرف کوئی رجحان مگر اس مشاعرے کے لئے ہمیشہ لکھتا اور پندرہ پندرہ شعر لکھ لے لیتا یہ سب نظمیں میری بیاض میں درج تھیں جسے ہمارے صاحبزادگان نے کسی کو بخش دیا اور واپس لینا بھول گئے اس مشاعرے میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری کافی اشعار کہتے تھے اور غیر شاعر لوگوں کو دیتے جو اس مشاعرے میں پڑھتے انکی شاعری کا کمال یہ تھا کہ پڑھنے والے کہ مناسبت کا پورا پورا لحاظ ہوتا، مثلاً عالی جناب بھائی قاری رضائے المصطفیٰ صاحب خطیب، نیویمین مسجد، کراچی (پاکستان) ان دنوں بہت کم عمر تھے مگر بہت ہی خوش آواز حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ انکو بابو کہا کرتے تھے اس لئے وہ بابو کہلائے جاتے ہم سب لوگ انہیں بابو ہی کہا کرتے ایک سال مصرعہ طرح تھا۔ ع

سرور آنکھوں میں آیا جان دل میں نور ایماں میں
اس پر ازہری صاحب نے انکو پڑھنے کے لے جو نظم دی اس میں تضمین یہ تھی۔

تعالیٰ اللہ کیا اچھی طرح دی میرے ابا نے
سرور آنکھوں میں آیا جان دل میں نور ایماں میں

اسی طرح حضرت صدر الشریعہ کے بھتیجے حکیم احمد علی صاحب کے صاحب زادے حکیم غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم تھے یہ بھی بہت خوش آواز تھے اور بہت عمدہ طرز سے پڑھتے تھے انکی خوش آوازی سے متاثر ہو کر ایک دفعہ علامہ اعظمی صاحب نے یہ کہا ”حکیم صاحب آپکی آواز تو ایسی سریلی دلکش ہے کہ اگر پردے کے پیچھے پڑھیں تو شبہ ہو جائے اس پر میں نے گرہ لگائی نہیں صاحب سامنے پڑھنے پر بھی شبہ بہوتا ہے اگر پردے کے پیچھے پڑھیں تو یقین ہو جائے گا۔ انکو ازہری صاحب نے جو نظم لکھ کر دی ہر ہر شعر میں مصطلحات کا لحاظ کرتے ہوئے نعت کہی تھی اس میں کا صرف ایک مصرعہ یاد ہے ع

کروں پاشویہ اے آقا تمھارے دیدہ تر سے

پاشویہ ایک علاج ہے۔ مشاعرے کی بڑی دھوم دھام رہتی تھی مشاعرے کے بعد اس کے چرچے ہوتے رہتے ۳

حضرت شارح بخاری کے قلم سے ایک مشاعرے کی روداد آپ نے سنی پورے گھوسی میں گا ہے

گا ہے نعتیہ مشاعرے ہوتے تھے علما شعر اپنے نعتیہ کلام سے سامعین کو محفوظ کرتے تھے۔

گھوسی کے نعت نگار علماء کی ایک ناقص فہرست ذیل میں دی جاتی ہے جس میں کچھ صاحب دیوان ہیں کچھ علما کے کلام رسائل و جرائد کے سینے میں محفوظ ہیں اور کچھ کے کلام دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔

۱۔ علامہ اویس حسن غلام جیلانی ابن مولانا محمد صدیق تخلص اویس رقاہی سن ولادت ۱۹۰۲ء سن وفات ۱۹۷۰ء

۲۔ مولانا بدر عالم ابن حافظ محمد رمضان تخلص بدر القادری سن ولادت ۱۹۵۰ء

۳۔ مفتی حفیظ اللہ تخلص عاصم

۴۔ مولانا حبیب الزماں ابن اصغر علی تخلص زماں امجدی ولادت ۱۹۳۱ء

۵۔ مولانا حنیف احمد تخلص خلیق وفات ۲۰۰۵ء

۶۔ مولانا خیر البشر شمسی ابن صفی اللہ تخلص بشر ولادت ۱۹۷۰ء

۷۔ مولانا رفیع القدر ابن فتح اللہ تخلص حنفی

۸۔ مولانا سیف الدین ابن الحاج اصغر علی تخلص سیف ولادت ۱۹۴۷ء

۹۔ مفتی شریف الحق امجدی ابن عبدالصمد تخلص شریف ولادت ۱۹۲۱ء

۱۰۔ مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی نوری ابن ڈاکٹر ابوالبرکات تخلص شکیل ولادت ۱۹۴۴ء

۱۱۔ مولانا شکیل احمد اعظمی برکاتی ابن الحاج امیر احمد تخلص شکیل ولادت ۱۹۷۶ء

۱۲۔ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری ابن مفتی امجد علی اعظمی تخلص ماجد ولادت ۱۹۱۸ء وفات ۱۹۸۹ء

۱۳۔ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی ابن عبدالرحیم تخلص اعظمی ولادت ۱۹۱۴ء وفات ۱۹۸۶ء

۱۴۔ مولانا عزیز الحسن اعظمی ابن محی الدین سیٹھ تخلص عزیز ولادت ۱۹۳۸ء

۱۵۔ مولانا علی احمد اعظمی ابن الحاج بشیر احمد تخلص اعظمی ولادت ۱۹۵۰ء

۱۶۔ مولانا غلام ربانی قادری ابن مولانا غلام جیلانی اعظمی تخلص فائق ولادت ۱۹۳۶ء وفات ۲۰۰۰ء

۱۷۔ علامہ غلام یزدانی ابن مولانا محمد صدیق ولادت ۱۳۳۰ھ وفات ۱۹۵۴ء

۱۸۔ مولانا فدا المصطفیٰ قادری ابن مفتی امجد علی اعظمی تخلص فدا ولادت ۱۹۴۷ء

۱۹۔ مولانا فروغ احمد اعظمی ابن الحاج ممتاز احمد تخلص فروغ ولادت ۱۹۶۲ء

۲۰۔ مولانا فیض الحق اعظمی ابن مولانا ابواللیث تخلص فیض ولادت ۱۹۶۳ء

۲۱۔ مفتی مجیب اشرف رضوی ابن الحاج محمد حسن تخلص مجیب ولادت ۱۹۳۸ء

- ۲۲۔ مولانا محبوب احمد مصباحی ابن امام الدین تخلص محبوب ولادت ۱۹۶۲ء
- ۲۳۔ مولانا محمد اکرام الحق نقشبندی ابن حافظ محمد طیب تخلص اکرام ولادت ۱۳۳۵ھ وفات ۱۴۳۰ھ
- ۲۴۔ مولانا محمد رمضان ابن میاں جی محمد صابر تخلص مسلم ولادت ۱۹۱۷ء وفات ۱۳۹۰ھ
- ۲۵۔ مولانا محمد عاصم اعظمی ابن مولانا محمد سالم امجدی تخلص عاصم ولادت ۱۹۵۱ء
- ۲۶۔ مولانا محمد عثمان اعظمی ابن لعل محمد تخلص عثمان ولادت ۱۹۱۸ء وفات ۱۹۹۵ء
- ۲۷۔ مولانا مظفر الدین احمد ابن مولانا سمیع اللہ امجدی تخلص سحر اعظمی ولادت ۱۹۵۵ء
- ۲۸۔ مولانا معراج احمد تخلص معراج
- ۲۹۔ مولانا معین اختر جیلانی ابن الحاج زین العابدین تخلص معین
- ۳۰۔ مولانا ڈاکٹر بلخ اصغر ابن مولانا حفیظ اللہ تخلص اصغر
- ۳۱۔ مولانا نسیم احمد ابن فیاض احمد تخلص نسیم اعظمی
- ۳۲۔ مولانا ندیم اختر ابن جمیل اختر تخلص ندیم
- ۳۳۔ مولانا ڈاکٹر ندیم اشرف ابن حافظ مقبول اشرف تخلص ندیم ولادت ۱۹۸۲ء
- ۳۴۔ مولانا ندیم راجہ برکاتی ابن مولانا محمد یعقوب تخلص نوشہ
- ۳۵۔ مولانا نعیم لاسلام ابن ضیاء الدین تخلص نعیم ولادت ۱۹۸۲ء
- ۳۶۔ مولانا وصال احمد اعظمی ابن نثار احمد کریمی تخلص وصال ولادت ۱۹۷۱ء
- ۳۷۔ مفتی وکیل احمد اعظمی ابن حافظ محمد یوسف تخلص وکیل ولادت ۱۹۳۸ء وفات ۱۴۲۲ھ

علامہ غلام جیلانی اویس برکاتی

آپ کا نام محمد اویس حسن عرف غلام جیلانی لقب شیخ العلماء پڑھے لکھے لوگوں میں اپنے لقب اور عوام میں اپنے عرف سے مشہور تھے۔ آپ ۱۹۰۲ء میں کریم الدین پور، گھوسی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب حضرت علامہ ہدایت اللہ رام پوری کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

شیخ العلماء نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی چند ماہ اپنے والد کے ساتھ مبارک پور میں بھی پڑھا پھر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ساتھ بریلی جا کر مدرسہ منظر اسلام میں داخل ہوئے بعدہ صدر الشریعہ کی معیت میں دارالخیر، جمیر شریف کے جامعہ عثمانیہ پہنچے یہاں سے ایک سال کے بعد

فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لیا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے خاص شفقت فرمائی طعام و قیام کے علاوہ نور و پنے وظیفہ مقرر فرمایا۔ امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے خوش ہو کر تکمیل سے پہلے ہی آپ کو سند مرحمت فرمائی۔ دوبارہ ۱۳۲۵ھ میں منظر اسلام میں داخلہ لیکر مولانا شاہ محمد رحم الہی، حجتہ اسلام حضرت علامہ حامد رضا علیہ الرحمہ سے صحاح ستہ کا دور کیا حجتہ الاسلام نے جلسہ عام میں دستار بندی اور سند عنایت فرمائی۔

فراغت کے بعد مدرسہ محمدیہ امروہہ، دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور، مدرسہ مظہر اسلام، بریلی شریف، مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور، مدرسہ خانقاہ مارہرہ شریف میں تدریسی خدمات انجام دی۔ ۱۳۷۹ھ سے دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف میں شیخ الحدیث اور صدر الصدور کے عہدے پر رہے اور تادم وصال وہیں علم و ادب کے گہر لٹاتے رہے۔ آپ نے ۶ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۷۷ء بروز جمعہ کو اس دار فانی سے رخت باندھا۔

شیخ العلماء جامع الفضائل والکمالات شخصیت کے مالک تھے۔ درس نظامیہ کے جملہ علام و فنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ عربی ادب آپ کا خاص فن تھا عربی لکھنے اور بولنے پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی ان کے وصال سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔

”فضل و کمال کا جامع، علم و فن کردار و گفتار کا مردِ جلیل، فلسفہ و منطق، فقہ و کلام کے ذولیدہ مسائل اور پیچیدہ مباحث کو اپنے ذہن و فکر کی جولانیوں سے حل کرنے والا مفکر، علم و فن کے ادق مسائل کو طلبہ کے ذہن و مانع پر منتقل کرنے والا معلم کامل، اپنے نرم و موثر لب و لہجہ میں کلام کر کے دلوں کو گرویدہ بنانے والا انسان، اپنے اذکار و افکار، اعمال و کردار سے دلوں کو مائل و بہداشتا کر دینے والا مرشد، قرآن و حدیث کے رموز و اسرار کا کلمہ داں ہم میں موجود نہیں رہا“ ۴۔

شیخ العلماء علم و فن اور عشق و عرفان کے سنگم تھے۔ ایک درویش کامل تھے۔ فقر کا عجز، عشق کا سوز اور درویشی و مسکنت کے جہاں وہ پیکر تھے وہیں علم و فن اور درس و حکمت کے بھی وہ ایک گراں مایہ گنجینہ تھے۔ بعض فنون میں تو انہیں اتنی عظیم مہارت حاصل تھی کہ وہ اپنے معاصرین و اقران کے درمیاں نمایاں شہرت و امتیاز کے مالک سمجھے جاتے تھے۔

شاعری !

شیخ العلماء عربی، فارسی اور اردو تینوں زبان کے شاعر تھے مگر شاعری کو انہوں نے اپنا مشغلہ نہیں بنایا۔ آپ عارف باللہ اور عاشق رسول تھے آپ کے دل کا گوشہ گوشہ عشق رسول سے لبریز تھا۔ آپ نے

نعتیہ شاعری کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ آپ اعلیٰ حضرت اور مولانا حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری سے خصوصی دل چسپی رکھتے تھے۔ آپ نے ابتدا میں قاسمی تخلص اختیار کیا مگر جب دارالعلوم دیوبند کے فارغین قاسمی لکھنے لگے تو آپ نے اسے ترک کر کے اویس تخلص اختیار کیا۔

آپ نے نعت، منقبت، قصیدہ، الوداعیہ، وفات نامے، چادر اور گار لکھا مگر شہرت، نام وری اور نام و نمود پسند نہیں کرتے تھے اس لئے اس کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا۔

مولانا قمر الزماں مبارکپوری آپ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

”مولانا اپنی جودت ذہنی اور ذکاوت فکری کی وجہ سے برجستہ اور قلم برداشتہ شاعری کے باوجود سنگلاخ زمینوں میں بہت آب دار اور تازہ کارا شعر کہتے تھے۔ شعر و ادب سے انکی طبیعت کو خصوصی مناسبت تھی۔ انکی فکر یا انکا قلم کہیں قلت لفظ یا کوتاہی مفہوم و مضمون کا شکار نہیں ہوا۔ انکی نظر قرآن وحدیث اور فقہ و تاریخ پر گہری تھی اس لئے ان کے کلام میں انکی علمیت کا عکس و جمال جگہ جگہ نظر آتا ہے۔“ ۵

عشق رسول ﷺ سے معمور، حب رسالت سے بھرپور اور فصاحت و بلاغت سے تر بتر مندرجہ ذیل نعت ملاحظہ کریں۔

جو بلبل ہے گلستانِ محمد کے گلِ تر کا
مزه آتا ہے اسکو نعت میں قند مکرر کا
رخِ پر نور احمد سے جہاں پردہ ذرا سرکا
زمانہ ہو گیا روشن کھلا دروازہ خاور کا
زماں اسکا زمیں اسکی مکاں اسکا مکین اس کے
اسی کا عرش حق والی ہے وہ اللہ کے گھر کا
سخاوت میں شجاعت میں امامت میں عبادت میں
جہاں میں کون ہمسر ہو سکا محبوب داور کا
سکونت دشتِ طیبہ کی ہمیں سو جان سے بھائی
مبارک تجھ کو رضواں خلد میں گھر سیم اور زر کا
کبھی دیوانگی میں قیس مجھ سے بڑھ نہیں سکتا
وہ دیوانہ ہے لیلیٰ کا میں دیوانہ پیمبر کا

وہ خود ہیں نور اور انکی ہر اک نسبت بھی نوری ہے
کھلونہ عہدِ طفلی میں ملا ماہِ منور کا
سکندر سے کہو آبِ بقا سے کچھ نہیں کم ہے
وہ آنسو جو نکلتا ہے ہمارے دیدہ تر کا
مبارک قاسمی وہ ناخدائی کو ترے آئے
تو کیا کھکا ہے اب مجھکو مخالفِ بادِ صرصر کا

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی ۱۳۳۳ھ میں محلہ کرم الدین پور گھوسی میں پیدا ہوئے۔ جب نوشت و خواند کے لائق ہوئے تو آپ کے والد محترم حافظ عبد الرحیم علیہ الرحمہ نے ناظرہ قرآن اور اردو کی ابتدائی کتابیں خود پڑھائیں۔ مدرسہ ناصر العلوم قصبہ خاص اور مدرسہ اسلامیہ، بیواڑہ میں مولانا محمد سعید خاں صاحب مرحوم سے فارسی کی کتابیں پڑھ کر مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں داخلہ لیا جہاں میزان سے شرح جامی تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی صاحب اعظمی کے ساتھ مدرسہ محمدیہ حنفیہ۔ امروہہ گئے۔ ۱۳۵۲ھ میں مدرسہ منظر اسلام، بریلی میں داخلہ لیا۔ ۱۳۵۵ھ میں حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ، دادوں ضلع علی گڑھ آئے یہیں صدر الشریعہ اور دیگر اساتذہ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہوں میں ممتاز استاذ اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیئے۔ دارالعلوم استاقیہ، جو دھپور (راجستھان) مدرسہ محمدیہ، امروہہ، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، دارالعلوم شاہ عالم، احمد آباد، مدرسہ مسکینہ، دھوراجی، دارالعلوم منظر حق، ٹانڈہ اور دارالعلوم فیض الرسول، براون شریف میں ۱۳۵۶ھ سے ۱۳۶۱ھ تک اپنے چشمہ فیض سے تشنگانِ علوم و فنون کو سیراب کرنے میں گزار دیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد کئی ہزار ہے۔ ۵ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کو آپ نے اس دار فانی سے دار بقا کا سفر کیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ ایک تبحر عالم دین درس نظامیہ کے جملہ علوم و فنون پر کامل عبور رکھنے والے مستند مدرس، میدانِ خطابت کے شہسوار، علم کے دھنی مصنف تھے جن کے قلم سے موسمِ رحمت، معمولاتِ الابرار، روحانی حکایات، مشائخ نقشبندیہ، کرامات صحابہ، نوادر الحدیث، جواہر الحدیث،

قیامت کب آئے گی، بہشت کی کنجیاں، جہنم کے خطرات، اولیائے رجال الحدیث، عجائب القرآن، غرائب القرآن، مسائل القرآن، جنتی زیور، سامان آخرت، مسیرت المصطفیٰ، ایمانی تقریریں، نورانی تقریریں، حقیقی تقریریں، قرآنی تقریریں اور عرفانی تقریریں جیسی کتابیں دلکش اسلوب اور طرزِ ادا میں تصنیف ہوئیں۔

علامہ اعظمی علیہ الرحمہ انتہائی پاکیزہ کردار عالم باعمل، خوش اخلاق انسان، خوش مزاج اور بذلہ نسخہ واقع ہوئے تھے۔ آپ نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و تقریر کے ذریعہ اشاعتِ علوم اسلامیہ، تبلیغِ دین اور ارشاد و ہدایت کے فرائضِ حسن و خوبی کے ساتھ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک انجام دئے۔

شاعری!

علامہ اعظمی صاحب اپنی شاعری کے متعلق خود لکھتے ہیں۔

”مجھے زمانہ طالب علمی میں شعر و سخن کا اچھا ذوق ہو گیا تھا۔ نعت شریف اور قومی نظموں کے علاوہ غزل کی صنف میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا اور باقاعدہ مشاعروں میں شرکت کرتا رہا اپنے کلاموں کا ایک مختصر مجموعہ بھی مرتب کر لیا تھا مگر دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور میں میرے کمرے کے اندر آگ لگ گئی جس میں قیمتی کتابوں کے ساتھ یہ بیاض بھی نذرِ آتش ہو گئی اب دس سال سے یہ ذوق ہی ختم ہو گیا۔“ ۷

اعظمی صاحب کی بعض نثری کتابوں میں متعدد حمد، نعت و مناجات، قطعات اور ملی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ مذکورہ کلام کے تناظر میں حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب اعظمی انکی شاعری کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

”کلام میں برجستگی اور سلاست و روانی ہے۔ سیدھے سادے الفاظ میں معانی کی بلندی، فکر کی گہرائی نمایاں ہے، سوز دروں اور اخلاص و واردات کے جذبات نے کلام میں بھرپور قوت تاثیر پیدا کر دی ہے۔“ ۸

مولانا قمر الزماں مبارکپوری رقم طراز ہیں۔

”اعظمی صاحب کی شاعری ہمارے جذبات عقیدت ہی کو متحرک نہیں کرتی بلکہ وہ ہمارے شعور اور درونِ نفس کی خفیہ صلاحیتوں کو جگانے کا ذریعہ بھی ہے۔ ان کا کلام ان کی شخصیت کا نگار خانہ اور اشعار ان کے ذوق و شوق کی مستی و کیفیت کا آئینہ خانہ ہیں“ ۸

نمونہ کلام!

یہ حالت ہے اب سانس لینا گراں ہے
مگر آپ کا نام وردِ زباں ہے

کوئی جانے کیا اس کا پرچم کہاں ہے
سر عرش جس کے قدم کا نشان ہے
یہ سارا جہاں ان کے زیرِ قدم ہے
کہ پامال انکا مکاں لا مکاں ہے
کف دست رحمت میں ہے سارا عالم
زمین آپکی آپ کا آسمان ہے
مسلم ہے ان کو خدا کی نیابت
کلام خدا مصطفیٰ کی زباں ہے
نہ پوچھ اعظمیٰ منزلِ سر بلندی
مرا سر ہے محبوب کا آستان ہے

☆

حاجیو! اب گنبد سرکار تھوڑی دور ہے
رحمت حق کا علم بردار تھوڑی دور ہے
ہے خریدارِ گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ
عاصیو! وہ مصطفیٰ بازار تھوڑی دور ہے
عشق و مستی میں قدم آگے بڑھا کر دیکھ لو
گنبدِ حضریٰ کا وہ مینار تھوڑی دور ہے
اللہ اللہ وہ گلستانِ مدینہ مرجا
پھول سے بہتر ہیں جس کے خار تھوڑی دور ہے
دشتِ طیبہ ہے یہاں چل سر کے بل اے اعظمیٰ
مصطفیٰ کا جنتی دربار تھوڑی دور ہے

علامہ عبدالمصطفیٰ ماجد ازہری

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے قابلِ فخر فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۴ھ میں محلہ کریم الدین پور گھوسی میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں

حاصل کی۔ پھر اپنے والد محترم کے ساتھ اجیر شریف تشریف لے گئے جہاں ابتدائی عربی فارسی سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی ۱۹۳۲ء میں بریلی شریف جا کر شمس بازغہ اور امور عامہ کی تکمیل کی۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ ازہر، مصر میں آپ نے داخلہ لیا تقریباً چار سال تک جامعہ ازہر کے متبحر علماء سے اسلامیات و ادبیات کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں جامعہ ازہر سے فراغت کے بعد ہندوستان واپس آ گئے اس وقت صدر الشریعہ دارالعلوم حافظہ سعید یہ دادوں میں شیخ الحدیث و صدر المدرسین تھے صدر الشریعہ نے آپ کو دادوں بلا لیا جہاں آپ نے دورہ حدیث کی جماعت میں شرکت کی پھر آپ کا اسی دارالعلوم میں تقرر ہو گیا۔ ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں مدرس ہو گئے۔ اپنے بھائی مولانا حکیم شمس الہدیٰ اور مولانا محمد تاجی مرحوم کے انتقال کے بعد ملازمت ترک کر کے وطن آ گئے اور یہاں تجارت کا عزم کر لیا مگر الجماعۃ الاشرفیہ کے ارکان نے مبارک پور بلا لیا۔ چند سال دارالعلوم اشرفیہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۴۷ء میں اپنے دو شاگردوں مولانا خلیل اشرف اور مولانا غلام یلین کے ہمراہ پاکستان پہنچے اور جامعہ محمدی شریف میں تدریس کا آغاز کر دیا ۱۹۵۲ء میں حکومت پنجاب (پاکستان) کی جانب سے قائم شدہ محکمہ اسلامیات میں تین سو روپے ماہ وار پر آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ جامعہ رضویہ منظر اسلام، ہارون آباد، پاکستان میں تدریسی خدمات انجام دی اور ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم امجدیہ، کراچی چلے گئے اور پھر زندگی کے آخری ایام تک اسی ادارہ سے وابستہ رہے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

علامہ ازہری نے پاکستان کی علمی سیاست میں بھی حصہ لیا اور کئی بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور کئی نمایاں کام انجام دئے۔

علامہ ازہری نے تقریباً پچاس سال برصغیر کی متعدد درسگاہوں میں تدریس کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ آپ علم و فضل میں کیتائے روزگار تھے آپ کے چشمہ فیض سے ہزاروں تشنہ کاموں نے آسودگی حاصل کی چند خاص اور اہم تلامذہ یہ ہیں۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری، مولانا خلیل اشرف، مفتی غلام یاسین، مولانا قاری محمد یحییٰ مبارکپوری، مولانا فضل سبحانی وغیرہ۔

شاعری!

علامہ ازہری طبعی شاعر تھے مگر انہوں نے شاعری کو اپنا پیشہ نہیں بنایا، غزل، نعت، منقبت، مناجات اور سہرے وقتاً فوقتاً موزوں کیا کرتے تھے۔ آپ ایک قادر الکلام اور ماہر فن شاعر تھے آپ کی نعتوں میں عشق رسول ﷺ کا والہانہ پن اور بادۂ حجاز کی سرشاریاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ زبان

صاف ستھری اور موثر استعمال کرتے تھے مشکل سے مشکل بحروں میں بھی بڑی آسانی سے اپنے جذبات کو شعر کا پیرہن عطا کر دیتے تھے۔
نمونہ کلام!

یدِ موبی نے تری ضو سے ضیا پائی ہے
تیرے ہی دم سے مسیحا کی میسائی ہے
تیرے دیدار کا جو شخص تمنائی ہے
لے کے موت اس کے لئے آبِ حیات آئی ہے
فرقت کوئے نبی میں یہ ہوا حال مرا
آہ بھی دل سے مرے سینہ فگار آئی ہے
گلشنِ زندگی عشق ہوا بار آور
زخمِ دل لے کے مدینے سے بہار آئی ہے
آہ دل گیر کا مرکز ہے ترا پاک دیار
لوٹ کے عرش سے وہ سوئے مزار آئی ہے

مولانا قاری محمد عثمان اعظمی

مولانا قاری محمد عثمان اعظمی ۱۹۱۸ء میں محلہ حسین پور گھوسی کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے رسمِ زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم قصبہ کے مکتب میں حاصل کی پھر مزید تعلیم کے لئے دارالعلوم مؤ میں داخلہ لیا پھر مدرسہ مفتاح العلوم میں چھ ماہ تعلیم حاصل کر کے مدرسہ حنفیہ امروہہ چلے گئے اور ایک سال بعد الہ آباد چلے آئے جہاں استاذ القراء حضرت مولانا قاری محب الدین صاحب مرحوم سے قرأت سبعہ کی تکمیل کی۔ الہ آباد سے قرأت کی تکمیل کے بعد دارالعلوم اشرفیہ، مبارکپور میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے اور یہیں دورہ حدیث کی جماعت میں شریک درس بھی ہوئے فراغت کے بعد مستقل مدرس ہو گئے ۱۹۴۲ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

اشرفیہ سے علیحدگی کے بعد مدرسہ فاروقیہ، بنارس، مدرسہ غوثیہ، پانی پت، مدرسہ کرامتیہ، جلاپور میں تدریسی کارنامے انجام دئے، پھر جامع مسجد، رانچی میں خطیب و امام مقرر ہوئے وہاں سے ممبئی چلے گئے جہاں پانچ سال تک خطابت، امامت اور کتابت کرتے رہے پھر اینگلو اردو ہائی اسکول (کوکن)

میں عربی بچر کی حیثیت سے ایک سال معلمی کے فرائض انجام دئے پھر بنارس آ گئے۔ پہلے جامعہ حمیدیہ میں بعدہ جامعہ فاروقیہ میں خدمات درس انجام دئے۔ اسی دور میں قاری صاحب نے اپنا ماہنامہ ”اسلام“ جاری کیا جس کے تقریباً آٹھ شمارے شائع ہوئے مگر نامساعد حالات کی بنا پر رسالہ بند کرنا پڑا۔ بنارس کے بعد گوندیا تشریف لے گئے جہاں پانچ برس امامت و خطابت کے فرائض انجام دئے اور وہیں سے حج و زیارت کے لئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ گوندیا کے بعد موصوف اترولہ ضلع گونڈہ تشریف لے گئے جہاں مدرسہ ضیاء الاسلام کی تعمیر و ترقی کے لئے جد جہد کرتے رہے پھر کچھ دنوں کے لئے مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں تدریسی خدمات انجام دئے ۱۹۷۰ء میں شمس العلوم میں بحران پیدا ہوا تو جامع مسجد کریم الدین پور میں دارالعلوم فیض الاسلام قائم کیا جو تقریباً دو سال قائم رہا اور شمس العلوم کے حالات سازگار ہونے کے بعد ختم کر دیا گیا اور حضرت قاری صاحب کان پور چلے گئے جہاں کئی سال تک بانس منڈی کی مسجد میں امامت و خطابت کی خدمت کرتے رہے۔ کان پور کے بعد دارالعلوم اشرفیہ میں پہلے مبلغ رہے پھر شعبہ تجوید و قرأت میں مدرس کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر دارالعلوم اسحاقیہ، جودھپور، مدرسہ ضیاء الاسلام، اترولہ اور مدرسہ انظہار العلوم جہانگیر گنج میں تدریسی خدمات انجام دئے۔ عمر کے آخری حصہ میں شمس العلوم کی مجلس عاملہ کے صدر رہے اور فی سبیل اللہ تدریسی خدمات بھی انجام دئے۔ ۱۱ اگست ۱۹۹۵ء تک علوم و فضل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

قاری محمد عثمان اعظمی کی شخصیت جامع کمالات تھی مگر ہندستان کے طول و عرض میں ممتاز اور ماہر فن قاری کی حیثیت سے مشہور تھے آپ کی کتاب ”مصباح التجوید“ بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہے۔ آپ بلند پایہ قاری کے ساتھ تبحر عالم، اچھے مقرر، پرگو شاعر، خوش نویس کا تب اور بلند رتبہ مصنف بھی تھے۔ مزاج میں خودداری، بے نیازی اور توکل کی خوب تھی۔ درویش منش اور مست قلندر تھے۔ طبیعت میں سیاحتی کا عنصر غالب تھا اس لئے وہ کسی ایک جگہ بندھ کر کام کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

نظم میں خیال حرم، نغمہ رسول، نغمہ حجاز اور منظوم سیرت النبی آپ کی قلمی یادگار ہیں۔ نثر میں انکشاف حقیقت، اسلامی تعلیم، پہلے کے سچے مسلمان، آج کے جھوٹے مسلمان، تحقیق نیاز و فاتحہ، تفسیر سورہ فاتحہ اور شانِ بندگی، مذہبی اختلافات کا تنقیدی جائزہ شائع ہو چکی ہیں۔

شاعری! قاری صاحب زمانہ طالب علمی ہی سے شاعری کرتے تھے۔ شاعری میں اپنا کوئی استاذ نہیں رکھا اپنی ناقدانہ صلاحیت کو اصلاح شعر کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ نظم گوئی پراتنی قدرت حاصل تھی

کہ جب اور جس حال میں چاہا شعر کہ دیا نعت غزل، نظم اور سہرا ان چاروں اصناف پر آپ کے کلام موجود ہیں۔ نعت نگاری عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ آپ کی نعتوں میں سلاست، ندرت، روانی اور عشق و واردات رسول ﷺ کے جذبات کی صداقت اور دیار حبیب کے دیدار کی تڑپ بڑے نفیس پیرائے میں پائی جاتی ہے۔
نمونہ کلام !

صورتِ انساں نورِ مجسم ﷺ
جن کا گزرتا عرشِ معظم ﷺ
بندہ رب وہ رب کی قسم ہیں کون مکاں سب زیر قدم
بزمِ جہاں سے وہ ہیں مقدم ﷺ
آئے جہاں میں جتنے پیہر چمکے وہ بن کر چاند ستارے
ان میں محمد نیرِ اعظم ﷺ
ان سے ہی ہے آغاز نبوت جن پہ ہوئی ہے ختم نبوت
اول و آخر کے ہیں سنگم ﷺ
میرے نبی کو پوچھو خدا سے پوچھو خدا کو میرے نبی سے
دونوں ہیں برتر عقل سے ہمد ﷺ
عثمان رسائی کس نے ہے پائی کس سے ہوئی ہے عقدہ کشائی
عالم پہ دیکھا حیرت کا عالم ﷺ
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عاصم صاحب اعظمی رقم طراز ہیں۔

”انکی نعتوں میں سادگی، سلاست، روانی، والہانہ پن، اخلاص و محبت اور سوز دروں کے اثرات نمایاں ہیں۔ جب وہ اپنی نعتیں محفل میلاد یا مجلس میں لحنِ داودی کے ساتھ جھوم جھوم کر پڑھتے تھے تو سامعین پر وجود و کیف کا عالم طاری ہو جاتا تھا“۔ ۹۔

محمد ساحسین دیکھا نہ ایسی دل بری دیکھی
خدا نے مصطفیٰ میں اپنی خود جلوہ گری دیکھی
دو عالم ان کے شائقِ انبیاء ان کے شانِ خواہ ہیں
دو عالم میں کہیں ہم نے نہ ایسی سروری دیکھی

وہ آئے سامنے توبت بھی سجدے میں چلے آئے
خدا شاہد ہے دنیا نے نہ ایسی رہبری دیکھی
یتیم ہاشمی کا راز بچپن ہی سے ظاہر ہے
حلیمہ سعدیہ نے اپنی کھیتی جب ہری دیکھی
یہ عثمانِ رحمت عالم کے صدقے جان و دل قرباں
قیامت میں جدھر اٹھی نظر رحمت بھری دیکھی

قاری صاحب نے اپنی نظمیں شاعری کا عنوان میلاد مصطفیٰ اور سیرت مصطفیٰ ﷺ بنایا اس سلسلے کی پہلی کوشش ”صبح میلاد“ کے نام سے ایک طویل نظم ہے جو ۱۹۴۸ء میں ممبئی سے کتابچے کی شکل میں شائع ہوئی تھی جس کے ابتدائی اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

صحنِ عالم میں یہ کیسی چمن آرائی ہے صبح دم بادِ صبا پیغام یہ کیا لائی ہے
بلبلوں کی ہے زبانوں پر ترانہ کس کا پھول ہنستے ہوئے سنتے ہیں ترانہ کس کا
مسکراتی ہوئی کلیوں کا نہ عالم پوچھو راز ہے راز کوئی جس کو اسی دم پوچھو
پتہ پتہ پہ چھائی ہوئی یہ مست فضا قطرہ قطرہ میں مچلتی ہوئی اک موج ادا

مولانا محمد رمضان مسلم

مولانا محمد رمضان ۱۹۱۷ء میں محلہ بڑا گاؤں گھوسی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے دادا حافظ شہاب الدین سے حاصل کی پھر مدرسہ ناصر العلوم قصبہ خاص گھوسی، دارالعلوم مؤ اور مدرسہ معروفیہ پورا معروف میں فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر جامعہ نعیمیہ، مراد آباد میں داخلہ لیا اور بمبئی سے درسیات کی تکمیل کے بعد سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

فراغت کے بعد ہندستان کے متعدد اداروں میں تدریسی فرائض انجام دئے جن میں درجہنگہ، بہرائچ، بھروچ، گجرات کامٹی ناگپور، بلاس پور (ایم۔ پی) اور مدرسہ نئیس العلوم گھوسی قابل ذکر ہیں۔ آپ کے علمی تجربے فیض یاب ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ ۱۹۶۶ء میں آپ پرفالچ کا شدید حملہ ہوا چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ بالآخر ۶ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

مولانا رمضان مرحوم درس نظامی کے کامل استاذ و معلم ہونے کے ساتھ ساتھ فن طب پر بھی دست

رس رکھتے تھے۔ مزاج میں حد درجہ سادگی اور قلندرانہ بے نیازی کی شان نمایاں تھی۔ مدارس کی بے جا پابندیوں سے اکتا کر انہوں نے ایک بار مطب بھی کھولا تھا مگر قدرت کو ان سے جسمانی اصلاح کے بجائے اشاعتِ علم اور روحانی علاج کا کام لینا تھا اس لیے پھر تدریسی کاموں میں منہمک ہو گئے۔
شاعری!

مولانا مرحوم بڑا صاف ستھرا شعری وادبی ذوق رکھتے تھے انہوں نے عربی فارسی اور اردو شاعری کا غائرانہ مطالعہ کیا تھا اور محاسن شعر کے کامل رموز شناس بن گئے تھے۔ شاعری آپ کی فطرت میں داخل تھی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں برجستہ اشعار کہتے تھے انکا کوئی استاد سخن نہیں تھا خود انکا ذوق سلیم انکا رہنما تھا۔ معاشی پریشانیوں نے کلام کو محفوظ کرنے کا موقع نہیں دیا چند غزلیں اور نعتیں موجود ہیں جن سے ان کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بطور نمونہ انکی نعت کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جو ان کے کلام کی سادگی، صفائی اور فکر و خیال کی پاکیزگی کا واضح ثبوت ہیں۔
نمونہ کلام!

شاہ مدینہ شاہ دو عالم ﷺ
نور مجسم ذاتِ مکرم ﷺ
تیری نگہ دل چھیننے والی تری ادا جاں لینے والی
بزمِ حسین میں شاہِ معظم ﷺ
ترے فضائلِ ارفع و اعلیٰ ترے خصائلِ افضل و بالا
شکل میں احسن خلق میں اعظم ﷺ
اے مہتاباں تری چمک سے ساری خدائی ہو گئی روشن
کون و مکاں کے تیر اعظم ﷺ



علامہ شفیق جون پوری کے مشہور کلام پر آپ کی تضمین ملاحظہ ہو۔
نظر آتی ہے گلشن میں ہوا نا سازگار اپنی
گل باغِ غلیلی بھیج دے بادِ بہار اپنی
جگر میں ٹھیس اٹھتی ہے دل مضطر پریشاں ہے
یوں ہی ہر وقت رہتی ہے طبعیت بے قرار اپنی

تمنائیں ہماری بعد مردن بھی نہ بر آئیں
ارے دل شام ہی سے بجھ گئی شمع مزار اپنی
ترے در پر میں بیٹھا ہوں بھکاری بن کے مدت سے
کبھی تو سیر ہوے 'گی طبیعت ناگوار اپنی
مصائب کہنے کی اب تاب دل میں کچھ نہیں باقی
بہل جائے 'طبیعت اے مرے پروردگار اپنی
ذرائع تھے جو جینے کے وہ سب برباد ہوتے ہیں
خدایا ہوگئی ہے ایسی حالت ناگوار اپنی
الٰہی کس طرح یہ زندگی عہدہ بر آئے گی
نہ قابو اپنے دل پر ہے نہ حالت سازگار اپنی
کہاں جاؤں کہاں تڑپوں کہاں دل کھول کر روؤں
نہ مرنے میں مزہ ہے نہ حیات خوشگوار اپنی

مولانا غلام ربانی فانی عظمیٰ

مولانا غلام ربانی صاحب عظمیٰ یکم جولائی ۱۹۳۶ء میں امر وہہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں آپ کے والد گرامی شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی عظمیٰ علیہ الرحمہ مدرسہ حنفیہ، امر وہہ میں استاد تھے اور وہیں پر اپنے اہل و عیال کے ساتھ بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی درس نظامی کی اکثر کتابیں اپنے والد ماجد حضرت شیخ العلماء سے پڑھیں۔ حصول علم کے لئے ملک کی جن درس گاہوں میں مقیم رہے ان میں احسن المدارس، کان پور دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف، مدرسہ برکاتیہ، مارہرہ شریف، دارالعلوم شاہ عالم، احمد آباد (گجرات) ہیں۔ آپ ۱۳۶۶ھ میں بمبر ۱۲ رسال دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور میں داخل ہوئے تھے لیکن ۹ رذی الحجہ ۱۳۶۷ھ میں کسی وجہ سے دارالعلوم چھوڑ دئے پھر مذکورہ درس گاہوں میں تحصیل علم کے بعد ۱۷ رذی الحجہ ۱۳۷۳ھ میں بمبر ۱۸ رسال دوسری بار دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اور دیگر اساتذہ فن سے اکتساب فیض کیا۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ

میں دارالعلوم اشرفیہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں آپ کو تاج فضیلت سے سرفراز کیا گیا۔ مولانا غلام ربانی صاحب عظمیٰ نے فراغت کے بعد سے تاحین حیات درس و تدریس کی بافیض خدمات انجام دئے مختلف اوقات میں مندرجہ ذیل مدارس میں تعلیم و تعلم کے گراں قدر کارنامے انجام دئے۔ ۱۔ مدرسہ بحر العلوم، بیہڑی ضلع بریلی شریف ۲۔ مدرسہ اظہار العلوم، برہانپور ۳۔ مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور ۴۔ مدرسہ اسلامیہ آندھرا پردیش ۵۔ دارالعلوم معین الاسلام، بھڑوچ، گجرات ۶۔ دارالعلوم غوثیہ، کرناٹک ۷۔ مدرسہ نور الاسلام، منڈا، بستی ۸۔ دارالعلوم علمیہ، جمداشانی ضلع بستی ۹۔ مدرسہ حنفیہ، غوثیہ، بجز ڈیہہ، بنارس ۱۰۔ دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی (بحیثیت شیخ الحدیث) حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذہنیت و اختراع آپ کے عقد میں تھیں۔ حضور مفتی اعظم ہند اور حضور احسن العلماء علیہما الرحمہ سے خلافت حاصل ہے دو بار زیارت حرمین طیبین سے شرف یاب ہوئے تھے۔

مولانا غلام ربانی صاحب ایک سیال قلم کے مالک تھے انہوں نے الادب المفرد، لوائح جامی، مجانی الادب اور مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ آپ نے سفر نامہ حج و زیارت بھی تحریر فرمایا ہے۔

مولانا غلام ربانی صاحب ایک زبردست عالم دین، ایک سنجیدہ خطیب، مصلح اور واعظ، ایک فکر انگیز قلم کار اور ایک مشاق شاعر بھی تھے۔ آپ کی شاعری کے حوالے سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رقم طراز ہیں۔

”وہ عالم ربانی محض درس گاہی قیل وقال کا شہسوار اور فقہ و حدیث کا شناور نہ تھا بلکہ شعر و ادب کی دنیا کا بھی باکمال فنکار تھا۔ ان کے مجموعہ کلام کی ڈائری کی زیارت سے آنکھیں فرط مسرت سے پر نور ہو گئیں اور دل و دماغ درط حیرت میں ڈوب گئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ نعت و غزل کا جتنا عظیم شاعر تھا اتنا ہی گم نام تھا انکی غزل گوئی کے سوز و ساز پر عالمانہ جلالت اور زہدانہ پارسائی کے اتنے دبیز پردے پڑے رہے کہ ان کا شاعرانہ فن کبھی آشکارا نہ ہوسکا“ آگے لکھتے ہیں۔

”اگر ان کا کوئی فرزند و تلمیذ ان کے نعت و غزل کے مجموعے جدید طرز پر مرتب کر کے شائع کر دے تو گلستان شعر و سخن میں بوئے مشکبار کا ایک تازہ جھونکا آئے گا جس کی عطر بیز خوشبووں سے ارباب علم و دانش کی مشام جاں برسوں معطر رہے گی اور خود علامہ مرحوم عالمانہ فضل و کمال کے ساتھ ایک عظیم شاعری

جہت سے ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے“ ۱۰۔

مولانا غلام ربانی تخلص فائق اعظمی کرتے تھے آپ نے حمد، نعت، غزل اور قطعہ پر طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کی نعتوں میں عشق رسول ﷺ کا سوز و گداز، فکر و اعتقاد کی ترجمان اور عظمت رسول و اختیارات مصطفیٰ ﷺ کے مضامین سلاست و برجستگی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔
نمونہ کلام!

آزادی محشر کی سند ڈھونڈھنے والو
دیکھو مرے ہاتھ میں دامن نبی ہے

☆

فرش گیتی عرش اعظم اف رے نبوت کی پہنائی
علم لدنی علم نبی کا غیب کی ہر اک بات بتائی
پھٹ گیا سینہ چاند کا فائق ان کی انگلی جب لہرائی

مولانا اکرام الحق اکرام نقشبندی

مولانا اکرام الحق صاحب نقشبندی ۲۷ رذی الحجہ ۱۳۳۳ھ میں مدار پور شمس پور، گھوسی میں پیدا ہوئے۔ گھریلو تعلیم کے بعد مدرسہ فیض عام محلہ بیواڑہ گھوسی میں مولانا محمد سعید فتح پوری اور منشی سید و ہاج الدین سے اردو اور ابتدائی عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی ۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب نقشبندی کے ہمراہ مدرسہ مظہر العلوم، بنارس گئے جہاں درس نظامی کی تمام کتابیں حضرت مولانا حافظ محمد عمر صاحب نقشبندی، مولانا عزیز الحق کوثر ندوی، مولانا حافظ عبد الحمید کی اور مولانا عبد الرحمن بادشاہ پوری سے بڑی محنت اور لگن سے پڑھیں ۱۳۶۱ھ میں اسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد دو سال تک مدرسہ مظہر العلوم میں معلمی کے فرائض انجام دئے اس کے بعد مدرسہ خیر المدارس میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۱۳۸۷ھ میں دارالعلوم خیر فیض عام کی بنیاد پڑی تو آپ اس کے صدر المدرسین ہوئے اور تاحیات اس ادارہ کے روح رواں رہے۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۷ ستمبر ۲۰۱۱ھ کو آپ کا انتقال ہوا، دارالعلوم خیر فیض عام میں اپنے مرشد حضرت مولانا حافظ محمد عمر صاحب نقشبندی کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔

مولانا محمد اکرام الحق صاحب تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر دسترس رکھتے تھے اور ہر فن پر تدریسی مہارت

رکھتے تھے خاص طور سے علم حدیث، فقہ اور کلام سے خصوصی دل چسپی رکھتے تھے۔ زندگی بھر بخاری شریف کا آپ نے درس دیا۔ اور آپ کی درس گاہ سے بہت سے لوگ فیض یاب ہوئے آپ ایک خوش بیان و اعظ بھی تھے۔ تصوف یاد آخرت، فکر عقبی اور اصلاح معاشرہ وغیرہ عنوانات پر آپ کے بیانات ہوتے تھے اور موثر ہوتے تھے۔
مولانا قمر الزماں مبارکپوری لکھتے ہیں۔

”مولانا تصوف آشنا طبیعت رکھتے تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ، مجددیہ میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب گھوسی سے مرید تھے یہ ایک سلیم الطبع، اعتدال پسند، منکسر المزاج، عبات گزار اور خلق خدا کی بھلائی چاہنے والے مرشد حق آگاہ اور وسیع النظر عالم دین تھے، زہد و تقویٰ کے ساتھ شاعری سے بھی شغف تھا“ ۱۱۔
شاعری!

مولانا اکرام نقشبندی شعر و شاعری سے بھی دل چسپی رکھتے تھے۔ حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل ان کا ایک مجموعہ کلام ۱۹۹۷ء میں شائع ہو چکا ہے اس مجموعہ میں اردو کے ساتھ عربی اور فارسی میں بھی کلام موجود ہیں جن سے موصوف کی ہر سہ زبان پر مہارت کا پتہ چلتا ہے۔
مولانا قمر الزماں مبارکپوری انکی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

”ان کے اشعار کی زبان سہل و سلیس اور سادہ ہے مگر واردات قلب کے اظہار کی وجہ سے رنگین اور پرتاثر ہو گئی ہے انہوں نے شاعری کو اپنی روحانی بالیدگی لے لئے منتخب کیا تھا اسکو وہ اپنی ذات تک محدود رکھتے تھے“ ۱۲۔

جس کو اپنا دامن رحمت اڑھا دیں مصطفیٰ
اس غلام بختور کی مرجبا کیا بات ہے
پر توئے حسن ازل ہے روئے انور آپ کا
تابش رخ سے جہاں کی روشنی سب مات ہے

☆

مری نظر میں وہ جلوے سمائے جاتے ہیں
ہٹائے جاتے ہیں پردے ہٹائے جاتے ہیں
ہنسی میں پھولوں کی تاروں کی جگمگاہٹ میں
وہی تو ہیں جو نہاں ہو کے پائے جاتے ہیں

وہ لا مکاں کے مکین ہیں مگر یہ عالم ہے
حریم دل میں ہی آکر سمائے جاتے ہیں
ہٹا کے پردہ غفلت کو دیکھ لے اکرام
تلاش جن کی ہے تجھ میں وہ پائے جاتے ہیں

علامہ بدر القادری بدر

علامہ بدر القادری ۲۵/ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں ملک پورہ قصبہ خاص گھوسی کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ ناصر العلوم ملک پورہ گھوسی اور مدرسہ خیر فیض عام میں ہوئی۔ عربی فارسی (درس نظامی) کی مکمل تعلیم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ، حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب بلیاوی، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، علامہ محمد شفیع اعظمی، علامہ مظفر حسن ظفر ادیبی، قاری مولانا محمد یحییٰ مبارک پوری، مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی، اور مولانا شمس الحق گجھڑوی سے حاصل کر کے ۲۳/ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں دستار و سند سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد دارالعلوم غوثیہ، ہبلی، مدرسہ سید العلوم، بہرائچ شریف، مدرسہ صابو الاسلام مورنواں، اتاد میں صدر لاء مدرسین کے عہدے پر رہے، کرناتک، مہاراشٹر اور گجرات کی متعدد مساجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دئے۔ ۱۹۷۴ء میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی طلب پر دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور کے شعبہ نشریات کے انچارج بن کر آئے اور آپ کی ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ کا اجرا ہوا۔ ۱۹۷۸ء میں اسلامک اکیڈمی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ہالینڈ تشریف لے گئے۔ اس وقت ہالینڈ میں اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کی زریں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

علامہ بدر القادری کی شخصیت کئی جہت رکھتی ہے۔ وہ ایک شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ مصنف، بلند رتبہ مرشد، دانشور، مفکر، مبلغ کے ساتھ ایک انقلاب آفریں شاعر بھی ہیں۔ تذکرہ سید سالار مسعود غازی، اشرفیہ کا ماضی اور حال، اسلام اور امن عالم، اسلام اور خمینی مذہب، اسلام اور تربیت اولاد، مسلمان اور ہندستان، مولانا رضوان احمد اعظمی، سنت کی آئینی حیثیت، عورت اسلام میں، فلسفہ قرآنی۔ زمین پر اللہ کا گھر، یورپ اور اسلام، جادہ و منزل، میاں بیوی اسلام کی روشنی میں، پیکر عشق آپ کی نثری نگارشات ہیں۔ الرحیل، قم باذن اللہ، حریم شوق، مناجات بدر، قطعت بدر، جمیل الشیم، بادۂ حجاز، باب جبرئیل، تحفہ حریم، شاخ سدرہ اور سلیمیل آپ کی نعتوں اور نظموں کے مجموعے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالنعیم

عزیزی نے آپ کی حیات اور کارنامے پر ۶۶۴ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب سپرد قلم کی ہے جو ۲۰۰۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر محمد ذیشان نے آپ کی شاعری پر ۲۰۰۶ء میں بہار یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

شاعری!

علامہ بدر القادری حمد، نعت، نظم، غزل، قطعہ، مناجات اور سہرا ان تمام اصناف پر استاذانہ طبع آزمائی کی ہے اور ہر ایک صنف کے جداگانہ مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے سنگلاخ اور سہل متنوع ہر بحر اور زمین میں بارگاہ سرور کو نین مآلہ میں منظوم گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔

علامہ بدر القادری کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کی نعتوں میں عشق رسول کے زمزمے کوثر و تسنیم کی پھوار کی طرح ذہن و فکر کو معطر کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عشق رسول کی وارفتگی اور سوز و گداز کا فرما نظر آتے ہیں۔ کلام میں آپ کی باطنی سرمستی لفظی حسن سے زیادہ جاذبیت اور اثر انگیزی رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعتوں سے خلوص و صداقت اور عشق و عرفان کی بو آتی ہے ملاحظہ ہو۔

بتا مجھ کو سرکار بطحا کی باتیں بڑھا درد الفت بڑھا دھیرے دھیرے
جو اسم محمد سے روشن ہو سینہ تو ہو عشق مشکل کشا دھیرے دھیرے
میں مرقد میں لے جاؤں داغ محبت بنے درد میرا دوا دھیرے دھیرے
شاعر در محبت کے دوام کی التجا اس طرح کر رہا ہے

الہی ان کی محبت کا گھاؤ باقی رہے درون دل یہ سلگتا الاؤ باقی رہے
جو ان کے فقر کا لذت چشیدہ ہے اسکو کہاں یہ فکر کہ یہ نوش و ناؤ باقی رہے

خدا کرے مراد درد درون فزوں تر ہو مریض غم پہ جو مائل ہو غمگسار حجاز
عشق رسالت میں وارفتگی کی یہ بھی کھلی علامت ہے کہ سرفرح مین طہمین سے کئی بار شرف یاب
ہونے کے باوجود آپ کے دل کی ہر ہر دھڑکن میں یاد مدینہ بسی ہوئی ہے اور جذبہ قلب در حبیب کی
رسائی کے لئے مضطرب ہے اور جب اذن حاضری کا مژدہ آجاتا ہے تو آپ کا دل خود ہی کہتا ہے

شوقی ایسی نہ تھی صبا پہلے نغمگی سی فضا میں چھائی ہے
بدر کانوں میں کہ گیا کوئی حاضری کی نوید آئی ہے

چھا رہی ہیں گھٹائیں رحمت کی دل کی وادی ہری بھری ہوگی

دھڑکنیں کہ رہی ہیں سینے میں شاید اس بار حاضری ہوگی

اور مدینہ پہنچنے کے بعد آپ کی تمنا دیکھیں

اے کاش قیامت سے پہلے نہ کھلیں آنکھیں اس طرح میں سو جاؤں اک بار مدینے میں

تن خاکی کو مرے خاک مدینہ ملتی غلہ سے پہلے مرا غلہ میں ڈیرا ہوتا

علامہ بدر القادری کی نعتیں فی محاسن اور ادبی لطافت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی فراوانی، علم و فن کی جولانی کے ساتھ تخیل کی بلندی، فکری نزاکت اور برجستگی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

پڑھو حمد نعت نبی گنگناؤ حضور آگئے ہیں حضور آگئے ہیں

دلوں کو لٹاؤ نگاہیں بچھاؤ حضور آگئے ہیں حضور آگئے ہیں

علامہ بدر القادری کی شاعری، صفائی، سادگی، پاکیزگی، اثر آفرینی، واردات قلبی اور معرفت حقیقی سے لبریز ہے۔ آپ کے کلام میں علامہ جامی کی سرمستی، امیر خسرو کی عشوہ طرازی، حافظ شیرازی کی منظر کشی، شیخ سعدی کی تخیل پروازی اور فاضل بریلوی کی فصاحت و بلاغت کا عکس ملتا ہے۔

مولانا ڈاکٹر شکیل احمد شکیل اعظمی

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی ۱۲ ستمبر ۱۹۴۲ء کو محلہ کریم الدین پور گھوسی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں متوسطات تک مدرسہ فضل رحمانیہ، پچھڑوا میں اور متوسطات سے فضیلت تک الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں حاصل کی۔ ۱۹۵۹ء کو یونانی میڈیکل کالج، الہ آباد میں داخلہ لیکر ایف۔ ایم۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں حافظ قمر الحق، سید محی الدین، مولانا محمد سعید فتح پوری، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ قادری، حافظ ملت حضرت علامہ عبدالعزیز محمد مبارک پوری، غزالی دوران علامہ عبدالروف بلیاوی، بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی، مولانا ظفر ادیبی، مولانا محمد شفیع اعظمی، مولانا قاری محمد سخی مبارک پوری، مولانا سید محمد حامد اشرف کچھو چھوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں حضور مفتی اعظم ہند کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔

اوّل عمر ہی سے شعر و شاعری، افسانہ نگاری، انشاء پردازی کا شوق رہا ہے۔ ۱۹۶۳ء سے تادم تحریر بڑا گاؤں گھوسی میں مطب کر رہے ہیں۔ موصوف ایک بالغ فکر نقاد، بلند پایہ انشاء پرداز، اور کہنہ مشق شاعر

ہیں۔ آپ کے تین مجموعہ شاعری چھپ چکے ہیں۔ ۱۔ گلِ قدس (نعتیہ مجموعہ) ۲۔ حرفِ ثنا (مستحق مجموعہ) ۳۔ عکس خیال (مجموعہ غزلیات) آپ کے مقالات کا مجموعہ ”شعورِ نظر“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

شاعری!

ڈاکٹر شکیل اعظمی ایک استاد شاعر ہیں جن کو فن شاعری پر عبور حاصل ہے۔ وہ صنعتی نکات کے رمز شناس ہیں ان کی شاعری زبان و بیان کی خوبیوں سے مالا مال ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں تشبیہات، استعارات، تلمیحات، ترسیلات، سلاست روانی، برجستگی کی خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ عشق رسول میں ڈوب کر انہوں نے قلبی واردات کو شعر کے پیکر میں ڈھالا ہے۔

علامہ بدر القادری صاحب انکی نعت نگاری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”محترم شکیل اعظمی حضور انور مآب ﷺ سے قلبی وابستگی رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی نعتوں میں اسلامی عقائد و نظریات کی تعبیر و تشریح بھی کی ہے۔ اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں نت نئے انداز میں نذر عقیدت بھی گزاری ہے۔“ (حریمِ قدس)

محترم بیکل اتساہی آپ کی شاعرانہ عظمت اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ڈاکٹر شکیل اعظمی صاحب چونکہ شاعری کے فن سے کماحقہ واقف ہیں اس لئے انکی شاعری میں کسی لغزش کا سوال ہی نہیں، وہ عالم دین ہیں اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قدموں میں بیٹھ کر علم کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں مشکل زمینوں میں بھی اشعار پانی کی طرح رواں دواں ہیں۔ جو انکی قادر الکلامی کی غمازی کرتے ہیں۔“ (حریمِ قدس)

نمونہ کلام!

ارباب ذوق سن لیں ادب کا مقام ہے

اب میرے لب پہ مدحت خیر الانام ہے

کیا محو کر سکے گا شکیل انقلاب دہر

فرمان مصطفیٰ میں وہ رنگ دوام ہے

وہ جس کے فیض سے اب تک شام جاں معطر ہے

وہ خوشبوئے بدن ہے کہت زلف پیمر ہے

سراپا معجزہ ہے عقل انسانی سے برتر ہے

محمد مصطفیٰ شہکار تخلیقات داور ہے

زیارت شہر طیبہ کی نہ بوسہ ارض اقدس کا
ابھی میں کیسے سمجھوں اوج پر میرا مقدر ہے
جسے حق کی طلب ہو دامن رحمت میں آجائے
محمد حق نما ہے، حق نگر ہے حق کا مظہر ہے

مولانا سیف الدین سیف انصاری

مولانا سیف الدین انصاری ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو بڑا گاؤں گھوسی میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدا سے لیکر تکمیل درس نظامی تک جامعہ شمس العلوم کی آغوش میں رہ کر علوم و فنون کی تکمیل کی۔ ۱۹۶۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے مخصوص اساتذہ میں حضرت مولانا قمر الدین صاحب قمر اثرنی، حضرت مولانا محمد رمضان صاحب مرحوم، حضرت مولانا سمیع اللہ صاحب امجدی، حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری اور ماسٹر اعجاز احمد خاں مرحوم ہیں۔

آپ نے تعلیمی زمانے میں منشی، مولوی (عربی فارسی بورڈ) اور ادیب ماہر و ادیب کامل (جامعہ اردو علی گڑھ) کے امتحانات پاس کئے اور زمانہ تدریس کے دوران عالم، فاضل ادب، فاضل دینیات اور کامل (عربی فارسی بورڈ) کے امتحانات اچھے نمبروں سے پاس کئے۔ مطالعہ اور کتب بینی کے شائق ہیں۔

۱۹۷۲ء تا دم سبک دوشی جامعہ شمس العلوم میں شاندار تدریسی خدمات انجام دئے۔ اس وقت جامعہ برکاتیہ گھوسی میں استاذ ہیں۔ فارسی زبان و ادب کی تدریس میں خاص کمال رکھتے ہیں۔ فارسی لکھنے اور بولنے میں ملکہ حاصل ہے۔ عربی زبان و ادب اور دیگر علوم و فنون کے بھی ماہر استاذ ہیں ہزاروں تلامذہ آپ کی درس گاہ سے فیض اٹھا چکے ہیں انہوں نے اشعۃ المعات شرح مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ شاعری!

زمانہ طالب علمی ہی سے شعر و ادب کے مطالعہ کا ذوق رہا ہے اسی وقت سے وقتاً فوقتاً شاعری بھی کرتے رہے ہیں۔ کسی استاذ سے شرف تلمذ حاصل نہیں بلکہ اپنے ذوق سلیم سے اپنے خیالات کو شعری پیکر میں ڈھال رہے ہیں۔ نعت، غزل، نظم ان تینوں اصناف پر طبع آزمائی جاری ہے۔ نعت نگاری سے خصوصی لگاؤ ہے۔ ان کی نعتوں میں صفائی، سادگی اور طرز ادا میں دل کشی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی عقیدت و محبت کی مہک انکی نعتوں سے بھرپور محسوس ہوتی ہے۔ غزل کی ہیئت میں انہوں نے کئی نعتیں کہی ہیں جو فن کی کسوٹی پر بھی پوری اترتی ہیں۔ ان کے ذخیرہ نعت میں سے ایک کلام بطور نمونہ مذکور کیا ہے۔

نمونہ کلام!

باغ عالم کا ہر اک گوشہ نکھرتا جائے ہے
اسوہ حضرت سے یہ عالم مہکتا جائے ہے
ترے پیغام حق افزا سے ہمیشہ دم بدم
گلشن ہستی کا ہر پودا لہکتا جائے ہے
ترا رستہ امن عالم صلح عالم کا امین
جس نے چھوڑا اس روش کو وہ بھٹکتا جائے ہے
ان کی زلفیں ہیں کہ ہے مشک تیار بے مثال
جس طرف وہ چل دئے کوچہ مہکتا جائے ہے
کہکشاں بن جائے ہے اس عارض پر نور پر
زرگی آنکھوں سے جو آنسو چھلکتا جائے ہے
ان سے کر کے شوخ چشمی ناصح کوتاہ بین
راہ ایمان و یقین سے دور ہٹا جائے ہے
قافلے والو بتاؤ کیا مدینہ آگیا
کیوں دل مضطر مرا اتنا مچلتا جائے ہے
وہ مجسم نور ہیں نورانیت سے انکی سیف
گوشہ تاریک دل میرا چمکتا جائے ہے

مولانا فداء المصطفیٰ فدا قادری

مولانا فداء المصطفیٰ قادری حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے کفرزند اصغر ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۴۷ء میں ریاست دادوں، علی گڑھ میں ہوئی۔ اس وقت صدر الشریعہ اپنی حرم محترم کے ساتھ وہیں مقیم تھے۔ آپ نے عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے گھر پر پڑھیں۔ آپ کی اعلیٰ تعلیم جامعہ شمس العلوم گھوسی، جامعہ حمیدیہ، بنارس اور الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں ہوئی۔ ۱۹۷۸ء میں جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف سے سند و دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ نے ہائیکول اور انٹر میڈیٹ کی تعلیم انگریزی مضمون کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ مولانا قادری صاحب کے وہاں دینی اور عصری علوم کا

امتزاج پایا جاتا ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہے اور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا زہری کے خلیفہ حجاج ہیں۔

آپ کی تدریس کی ابتدا ہاشمیہ ہائی اسکول ممبئی سے ہوتی ہے جہاں برسوں آپ نے عربی، انگریزی، جغرافیہ اور ریاضی کی تعلیم دی ہے پھر جامعہ شمس العلوم گھوسی میں استاذ مقرر ہوئے اور ریٹائرمنٹ تک اسی ادارے میں شعبہ عالیہ کے مدرس رہے اس وقت مدرسہ رضویہ بدر العلوم میں ”شیخ الحدیث“ کے منصب پر فائز ہیں۔

علامہ قادر صاحب اعلیٰ درجے کے مدرس ہیں جن کو افہام و تفہیم کا گراں قدر ملکہ حاصل ہے وہ بلند پایہ خطیب اور ساحر البیان مقرر ہیں جن کی خطابت کا شہرہ رہا ہے۔ آپ ایک خوش نویس قلم کار ہیں جن کے قلم سے تنویر الابصار، تفہیم الکبریٰ، تہبہات اور ولولہ انگیز تقریریں جیسی کتابیں مصنفہ شہود پر آئیں، مذہبی، سماجی اور ادبی شعور کے ساتھ سیاسی بصیرت بھی رکھتے ہیں۔

شاعری! مولانا قادری صاحب ایک قادر الکلام، خوش فکر اور زود گو شاعر ہیں، جنہوں نے نعت اور منقبت کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ متعدد بحر اور نوع بنوع ردیف و قوافی میں پیغمبر آخرا الزماں ﷺ کی مدح و ثنا کے گل بوٹے کھلائے۔ آپ کی نعتوں میں عشق رسول کی والہانہ سرمستی پائی جاتی ہے۔ انداز شستہ اور شگفتہ ہے جس میں تاثیر اور جاذبیت کے عناصر شامل ہیں جو دلوں کے لئے مقناطیسی کشش رکھتے ہیں۔

نمونہ کلام!

ہر دل میں یاد تیری ہر لب پہ نام تیرا
اے رحمت دو عالم ہے ذکر عام تیرا
شمس و قمر ستارے سب میں تری چمک ہے
بیلا گلاب جو ہی سب میں تری مہک ہے
ہر جز و کل میں جلوہ خیر الانام تیرا
سارے جہاں سے ظلمت کا فور ہوگی ہے
تری چمک سے ہر شے معمور ہو گئی ہے
ہر سمت چل رہا ہے آقا نظام تیرا
صدیق کو صداقت فاروق کو عدالت

عثمان کو سخاوت کرار کو شجاعت
یہ سب ملا ہے ان کو پی کر کے جام تیرا



اے سرور عالم شاہ ہدیٰ اے دین کے رہبر نور خدا
یہ شمس و قمر یہ ارض و سما ترے نور سے ہیں معمور
طیبہ سے چلی جب ٹھنڈی ہوا خوشبو سے مہک اٹھی ساری فضا
ہر برگ و شجر پہ چھایا نشہ سب ہو گئی ہیں مخمور
وہ ابر کرم ہے چھایا خوشیوں کا موسم آیا
ہر غنچہ و گل نے سنبھل نے مستی میں یہ نغمہ گایا
اے سرور عالم شاہ ہدیٰ
اے کاش مدینہ جاؤں جا کر نہ واپس آؤں
ہو گند خضر! پیش نظر اور جھوم کے نغمہ گاؤں
اے سرور عالم شاہ ہدیٰ
ہونٹوں پہ تبسم آیا ہر سمت اجالا چھایا
دندان نبی کی کرنوں سے صدیقہ کا گھر چمکایا
اے سرور عالم شاہ ہدیٰ
سرکار کی ہوگی عنایت محشر میں کریں گے شفاعت
ہم کو تو یقین کامل ہے ہم کو ہی ملے گی جنت
اے سرور عالم شاہ ہدیٰ

مولانا فروغ احمد فروغ اعظمی

مولانا فروغ احمد اعظمی ۲۵ دسمبر ۱۹۶۲ء میں محلہ کریم الدین پور گھوسی میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے مولویت تک کی تعلیم دارالعلوم شمس العلوم گھوسی میں حاصل کی اور مولویت سے فضیلت تک کے اسباق الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے اساتذہ سے حاصل کئے۔ آپ کے اساتذہ میں شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری،

حضرت علامہ محمد شفیع اعظمی، حضرت علامہ عبداللہ خاں عزیز، حضرت علامہ عبدالشکور گیلوی، حضرت علامہ قمر الدین قمر اشرفی، حضرت علامہ عبدالمنان کلیمی، حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں فارغ ہو کر دارالعلوم علیہ، جہاد شاہی، ضلع بستی میں مدرس ہوئے۔ اور ۲۰۰۲ء سے صدر الدرسین کے عہدہ پر فائز ہیں۔

مولانا فروغ اعظمی بہترین مدرس، عمدہ مصنف اور ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کو عربی زبان و ادب پر کمال دسترس حاصل ہے۔ نیک طبیعت اور بلند اخلاق صفت انسان ہیں۔ ان کی تصنیفات میں ترجمہ فتنۃ الوبابیہ، ترجمہ التوسل بالنبی، ترجمہ صور من حیاۃ الصحابہ، قادیانیت اور تحریک تحفظ ختم نبوت، شرح عربی المعلقات السبع، تحریک وہابیت اور نشان منزل بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ”نفیر حرم“ زیر طبع ہے۔

شاعری! مولانا فروغ اعظمی دور طالبی علمی ہی سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ نے حب رسول کے پاکیزہ جذبات کو اپنی شاعری کا محور بنایا۔ انکی نعتوں میں فور عشق، سوز باطن در حبیب کی تڑپ اور شوق زیارت کے جلوے ملتے ہیں۔ ان کے کلام میں سلاست، روانی، تسلسل اور کشش بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مولانا فروغ اعظمی اپنی رواں گئی حج کے موقع پر جو نعت کہی اس کا ہر شعر سوز و گداز سے پر اور عشق رسول کا ترجمان ہے پورے کلام میں تڑپ سوز اور اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس کے چند اشعار نذر قارئین ہے۔

کریم السجایا جمیل الشیم ہو	نبی البریا شفیع الامم ہو
مری بے کسی خد ہی ہو جائے بے کس	اگر سامنے روضہ محترم ہو
کھڑا اس طرح تیرے در پہ ہو مجرم	ندامت سے سرخم ہو اور آنکھ نم ہو
تفکّر کے اشکوں کی جھڑیاں لگی ہوں	مرالب درودوں سے رشک ارم ہو
کروں عرض و معروض رو رو کے جب میں	سماعت میں مصروف گوش کرم ہو
جیوں ہو جھکی میری کعبہ کی جانب	مرے دل کا قبلہ نبی کا حرم ہو
اگر یاد آئے تو بس یاد تیری	اگر ہو کوئی غم تو بس تیرا غم ہو
مدینہ پہنچ کر میں واپس نہ آؤں	جنازہ مرا خاک طیبہ میں ضم ہو
مرا عشق لئے جائے گا مجھ کو طیبہ	اگر چہ مری راہ میں پیچ و خم ہو
فروغ اے جلد چلے مدینہ	حیات گریزاں عجب کیا کہم ہو

سرکارِ دو عالم ﷺ کے روضہ انور کے سامنے مولانا اعظمی نے جو استغاثہ پیش کیا ہے وہ سوز باطن، والہانہ عقیدت اور حسن طلب کی بہترین مثال ہے وہ عرض کرتے ہیں۔

آپ نے اب تک نہ کوئی بات ٹالی یا رسول
آپ سے میں آپ ہی کا ہوں سوالی یا رسول

میں نے پالی آپ کی گر ذات عالی یا رسول
دو جہاں کی میں نے پھر ہر چیز پالی یا رسول
کس مہر سی کا اگر شکوہ کروں تو ہے غلط
آپ ہیں جب میرے حامی اور والی یا رسول

طلعت زیبا سے چمکائیں مرا تاریک دل
تاکہ میں دیکھا کروں صورت جمالی یا رسول
میرے آنسو کہ رہے ہیں آج دل کی ساری بات
سامنے ہے آپ کے روضے کی جالی یا رسول

تشنہ لب کو ڈھونڈتا ہے آپ کا بحر کرم
میں لب دریا کھڑا ہوں لے کے پیالی رسول
طعنہ دیں گے ہند والے نقص الفت کا بہت
جاونگا گر میں یہاں سے ہاتھ خالی یا رسول

کیوں فرشتے مجھ کو پیشی کے لئے لے جائیں گے
حشر میں مل جائے گردامان عالی یا رسول
جب ہوئی فرقت میں جنت کی کیاری بے قرار
اپنے پہلو میں جگہ تم نے نکالی یا رسول

ہند بھیجیں گر تو پھر میری لحد کے واسطے
اپنے قدموں میں جگہ رکھیں گے خالی یا رسول
نعت کہ لی اور سنالی آپ کے در پہ فروغ
اب ہمیں چادر اڑھا دیں اپنی کالی یا رسول

مولانا مظفر الدین سحر اعظمی

مولانا مظفر الدین احمد سحر اعظمی ۱۴ ستمبر ۱۹۵۵ء میں امجد نگر گھوسی کے ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جامعہ شمس العلوم گھوسی، جامعہ مظہر العلوم، بنارس، مدرسہ احسن المدارس جدید، کان پور، مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد میں حفظ، قرأت اور درس نظامیہ کی تعلیم ہوئی۔ ۱۹۷۷ء میں پہلے عرس حافظ ملت کے موقع پر آپ کو دستار فضیلت اور سند سے نوازا گیا۔ آپ کے اساتذہ میں حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری، شمس العلماء علامہ قاضی شمس الدین جعفری جون پوری، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، محدث کبیر علامہ صمصام المصطفیٰ قادری، علامہ حفیظ اللہ قادری، علامہ حافظ عبدالشکور گیواوی، مولانا یسین اختر مصباحی، قاری محمد یونس مجددی، مولانا شمس الضحیٰ ضیائی اور حافظ عبدالحمید کے نام قابل ذکر ہیں۔

حفظ، تجوید و قرآن اور فضیلت کی سند کے ساتھ فاضل دینیات۔ فاضل ادب اور فاضل طب کے امتحانات پاس کئے اور سندیں حاصل کیں۔ بنارس یونیورسٹی سے ایم۔ اے (اردو) کا امتحان دیا۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے مرید اور ڈاکٹر شہاب الدین صدیقی رضوی اور مولانا سید شاہ مرتضیٰ حسین قادری لاٹوری کے خلیفہ ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں جناب عبدالغفور صاحب ساکن بی بی پور کی دختر نیک اختر سے آپ کا عقد ہوا جن کے بطن سے پانچ بچے تولد ہوئے چار بچے ماشا اللہ زندہ و سلامت ہیں۔

فراغت کے بعد الجامعۃ الصمدیہ، پھیرونڈ شریف سے اپنی تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۸ء میں مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم جلالی پورہ بنارس میں تشریف لائے اس وقت اسی ادارے میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ درس و تدریس کی مشغولیت کے باوجود قلم و قسط اور شعر و شاعری کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں تبلیغی جماعت کا اصلی روپ اور تذکرہ امجدی شائع ہو چکی ہیں۔

مولانا سحر اعظمی ایک منجھے ہوئے مدرس، خوش مقال خطیب، عمدہ ادیب، سنجیدہ عالم دین اور ایک خوش مشق شاعر ہیں۔

شاعری!

۱۹۸۰ء سے آپ شاعری کرتے ہیں۔ نعت اور منقبت جیسی نقدی صنفیں آپ کی جولانگہ فکر ہیں۔ عشق رسول کی تسکین کے لئے آپ جذبہ دروں کو شعر کا پیکر عطا کرتے ہیں۔ آپ کی زیادہ نعتیں چھوٹی اور سہل بحروں میں ہیں۔ آپ کے کلام آپ کی جودت طبعی کی غمازی کرتے ہیں۔ آپ کی نعتوں میں شائستگی، شگفتگی اور سادگی کے عناصر غالب ہیں۔

نمونہ کلام!

دولت دنیا نہیں ہے غم نہیں تیرے کہلائیں یہ عزت کم نہیں
دل نہیں جس میں نہ تیری یاد ہو سر نہیں جو تیرے در پہ خم نہیں

☆

اپنی قسمت کو یوں جگاتے ہیں نعت شاہ ام سناتے ہیں
لب کے بوسے فرشتے لیتے ہیں جب گہر نعت کے لٹاتے ہیں
یا نبی اذن حاضری دیجئے ہجر میں اشک خوں بہاتے ہیں
ہم ادائے نبی میں گم ہو کر سر جھکاتے ہیں سر اٹھاتے ہیں
ہم تصور میں انکے کوچے میں روز جاتے ہیں روز آتے ہیں

مولانا وصال احمد وصال اعظمی

مولانا وصال احمد اعظمی گھوسی کے مشہور شاعر نثار کریمی مرحوم کے اکلوتے فرزند ہیں جن کی ولادت ۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء میں محلہ کریم الدین پور گھوسی میں ہوئی۔ بہت ناز و نعم کے ساتھ ان کی پرورش و پرداخت ہوئی، جامعہ شمس العلوم گھوسی سے انکی تعلیم کا آغاز ہوا پھر جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے فخر روزگار اساتذہ سے تعلیم و تربیت حاصل کی جن ارباب فضل و کمال نے بادہ حلم سے آپ کو سرشار کیا ان میں محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، علامہ عبدالشکور مصباحی، علامہ محمد احمد مصباحی، مفتی نظام الدین رضوی، مفتی حبیب اللہ نعیمی، مولانا ممتاز عالم مصباحی، مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، مولانا رضوان احمد شریفی اور مولانا سیف الدین شمس کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۲۷ نومبر ۱۹۹۲ء میں عرس حافظ ملت کے موقع پر آپ کی دستار بندی ہوئی۔ امین ملت حضرت مولانا سید محمد امین برکاتی مدظلہ سے بیعت ہیں۔ فراغت کے بعد مدرسہ اصلاح المسلمین، کلیان ضلع تھانہ (مہاراشٹر) مدرسہ صراط الاسلام، گوپال گنج، مدرسہ غوثیہ سلیم پور، دیوریا اور دارالعلوم امام احمد رضا، رتناگیری میں اپنی صلاحیت کے جوہر دکھا چکے ہیں اس وقت دارالعلوم غوثیہ تیغیہ، رسول آباد، سلطان پور کے شعبہ عالیہ کے موقر استاذ ہیں۔

مولانا وصال احمد اعظمی درس و تدریس کے ساتھ مقالہ نگاری اور شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتے ہیں آپ کی کتاب ”شب برآت“ ۱۹۹۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ آپ ایک سلجھے ہوئے عالم دین، جفا کش مدرس اور خوش بیان واعظ ہیں۔

شاعری!

موصوف نے جب شعور کی آنکھیں کھولی تو اپنے گھر میں شعر و سخن کا بول بالا دیکھا ان کے والد کے ساتھ جناب انجم اعظمی، جناب یعقوب اعظمی، جناب اقبال اعظمی کی شاعری کا شہرہ تھا فطرۃً ان کا میلان طبع بھی شعر گوئی کی سمت بڑھا اور انہوں نے نعت کی نازک صنف کو اپنے فکر و فن کا محور بنایا۔ انکی شاعری کا آغاز ہے مگر زبان صاف ستھری اور طرزِ ادا چھوتا ہے انکی نعتوں کے مطالعہ سے کسی کہنہ مشفق شاعر کے کلام کا گمان ہوتا ہے وہ اپنے کلام کی اصلاح اپنے چچا جناب اقبال اعظمی سے لیتے ہیں۔

نمونہ کلام!

میرے آقا کی جو مجھ پر مہربانی ہو گئی
مجھ کو مشکل میں بھی حاصل کامرانی ہو گئی
خواب میں جس نے بھی دیکھا ہے جمالِ مصطفیٰ
کامراں واللہ اسکی زندگانی ہو گئی
مصطفیٰ پیارے کے صدقے میں مقدر کیا بنا
مطلع انوار ذاتِ امّہا نی ہو گئی
ناز کر اے خاکِ پاک ارضِ طیبہ ناز کر
آئے جب سرکار ہر سو شادمانی ہو گئی
ظلم کی آندھی تھمی ہر سو اجالا ہو گیا
آپ جو تشریف لائے رُت سہانی ہو گئی
اپنی قبروں میں ہیں زندہ جاں نثارانِ نبی
انکی ذاتِ پاک کی نقلِ مکانی ہو گی
حضرت فاروق کی زندہ کرامت ہے وصال
جن کے خط سے خشک دریا میں روانی ہو گئی

ڈاکٹر شکیل احمد شکیل اعظمی

ڈاکٹر شکیل اعظمی (مضمون نگار) کی ولادت یکم جنوری ۱۹۷۱ء کو محلہ ملک پورہ قصبہ خاص گھوسی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ رضویہ بدرالعلوم اور مدرسہ خیر فیض عام میں ہوئی، عربی فارسی کی تعلیم

جامعہ شمس العلوم گھوسی اور الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں حاصل کی۔ موخر الذکر ادارہ سے ۱۹۹۵ء میں فراغت ہوئی۔ ایک سال جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، دہلی میں عربی اور انگریزی تعلیم حاصل کی۔

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت مفتی نظام الدین رضوی، حضرت علامہ نصیر الدین صاحب پلاموی، حضرت علامہ اسرار احمد صاحب گجہروی، ماسٹر آفتاب احمد خاں صاحب جامعہ اشرفیہ کے مشفق استاذ رہے ہیں۔ حضرت علامہ قمر الدین اشرفی، حضرت علامہ مفتی عبدالرشید، حضرت علامہ شفیق احمد عزیز، حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، حضرت علامہ رضوان احمد شریفی، حضرت علامہ سیف الدین شمس، حضرت علامہ فدا المصطفیٰ قادری، حضرت علامہ ممتاز عالم مصباحی، حضرت علامہ ثار احمد اعظمی جامعہ شمس العلوم میں استفادہ حاصل کیا۔ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ، حضرت علامہ محمد حسین اشرفی مقيم حال قطر حضرت علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی مقيم حال امریکہ سے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی میں اکتساب فیض کیا۔ تعطیل کلاں میں عربی ادب کی کچھ کتابیں حضرت علامہ فروغ احمد صاحب اعظمی سے پڑھیں۔

جولائی ۱۹۹۷ء میں جامعہ حنفیہ، بستی میں مدرس ہو گئے ۹ سال کی تدریسی خدمات کے بعد دارالعلوم حق الاسلام لال گنج، بستی چلے گئے یکم جولائی ۲۰۱۰ء میں ٹرانسفر کے ذریعہ دارالعلوم مدینۃ العربیہ، دوست پور، سلطان پور پہنچ گئے اس سوقت اسی ادارے کے صدر المدرسین کے عہدے پر خدمت تدریس انجام دے رہے ہیں۔

۱۹۹۷ء میں گل گزار برکاتیت حضرت علامہ سید محمد حسنین نظمی میاں علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ مفکر اسلام حضرت علامہ بدر القادری صاحب، ہالینڈ، شیخ القرا حضرت علامہ قاری علی حسن صاحب نعیمی علیہ الرحمہ نے سلسلہ قادریہ رضویہ کی خلافت عطا فرمائی اور نجم الاصفیاء حضرت مولانا سید نجم الدین صاحب قبلہ سہروردی، جھونسوی نے سلسلہ سہروردیہ کی خلافت سے سرفراز کیا۔ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری نے سند حدیث عنایت فرمائی۔ خطیب البراہین حضرت علامہ صوفی محمد نظام الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے دلائل الخیرات شریف کی اجازت عطا کی۔ دورانِ تعلیم، منشی، مولوی، کامل، عالم، ادیب، ماہر، ادیب کامل، معلم اردو، بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے کے امتحانات پاس کئے۔ نیز دورانِ تدریس فاضل دینیات، فاضل ادب، فاضل معقولات، اور فاضل طب کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ ۲۰۰۵ء میں ”اردو نثر کے فروغ میں فقہی لٹریچر کا حصہ“ کے عنوان پر پنجاب یونیورسٹی، چنڈی گڈھ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

شاعری! ڈاکٹر شکیل اعظمی ایک اچھے خوش گو اور اعلیٰ فکر شاعر ہیں اپنے ذوق کی تسکین کے لئے نعت، منقبت، غزل، نظم اور سہرا وغیرہ اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں اور خوب کرتے ہیں۔ مگر نعت رسول مقبول ﷺ سے دلی لگاؤ ہے۔ عشق رسول میں ڈوب کر نعت کہتے ہیں۔ ان کا کلام شستہ اور شگفتہ ہوتا ہے جو بڑی آسانی سے قاری کے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ان کے کلام کی اثر آفرینی کا یہ عالم ہے کہ قاری کی زبان پر بے ساختہ آہ اور واہ کے کلمات آجاتے ہیں۔ اس طرح کے کلمات کا تعلق دل کی گہرائی و گیرائی سے ہے۔ اولاً آپ اپنے کلام کی اصلاح جناب مضطر اعظمی صاحب سے لیتے تھے مگر ان کے انتقال کے بعد مولانا فروغ احمد فروغ اعظمی سے لیتے ہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ”فانوسِ جاز“ ترتیب و تہذیب کی منزل سے گزر کر طباعت کی منزل میں ہے۔

نمونہ کلام!

عشق سرکار میں جینے کی ادا دی جائے
رب کے محبوب کی سیرت ہے یہی اپنالو
حکم سالار ہے باقی نہ رہے گھر کا خیال
آج بھی ہم سے صحابہ کا عمل کہتا ہے
روح نکلے رخ آقا یہ فدا ہو کے مری
لوگ پائیں گے شفا دیکھنا دم بھر میں شکیل

☆

مرحبا عرش بریں مسند رفعت ان کی
آیہ نور سے ظاہر ہے مقام توقیر
شان محبوب کا یوں سلسلہ رکھا رب نے
دین و دنیا سبھی مل جائے کوئی مانگے تو
حسن عقلمی کے لئے حب نبی پیدا کر
حشر کے دن نہیں مایوس عطا سے یہ شکیل

ماخذ!

۱۔ مولانا رضوان احمد اعظمی۔ مولانا بدر القادری۔ الجمع الاسلامی، مبارکپور، اعظم گڑھ

(۱۹۸۷ء) ص ۱۳

- ۲۔ معارف شارح بخاری (ملخصاً)۔ مولانا محمد عاصم اعظمی۔ دائرۃ البرکات، گھوسی ص ۱۳۸
- ۳۔ صدر الشریعہ حیات و خدمات۔ از مضمون مفتی شریف الحق امجدی۔ دائرۃ المعارف الامجدیہ، گھوسی، مئوس ۲۲۶
- ۴۔ نگارشات۔ مولانا محمد عاصم اعظمی، جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئوس (۲۰۱۴ء) ص ۳۴۱
- ۵۔ سنخوران اعظم گڑھ (اول)۔ قمر الزماں مبارکپوری۔ جعفر لائبریری، مبارکپور اعظم گڑھ (۲۰۱۵ء) ص ۵۰۰
- ۶۔ نگارشات۔ مولانا محمد عاصم اعظمی، جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئوس (۲۰۱۴ء) ص ۲۵۹
- ۷۔ نگارشات۔ مولانا محمد عاصم اعظمی، جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئوس (۲۰۱۴ء) ص ۲۶۰
- ۸۔ سنخوران اعظم گڑھ۔ قمر الزماں مبارکپوری۔ جعفر لائبریری، مبارکپور اعظم گڑھ (۲۰۱۵ء) ص ۳۷۷
- ۹۔ مصباح التجوید (مقدمہ)۔ مولانا محمد عاصم اعظمی۔ مولانا رضوان احمد عثمانی، حسین پور گھوسی (۲۰۲۲ء) ص ۲۲
- ۱۰۔ ماہنامہ اشرفیہ۔ مولانا مبارک حسین مصباحی۔ شمارہ ماہ نومبر ۲۰۰۰ء۔ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ ص ۵
- ۱۱۔ سنخوران اعظم گڑھ۔ قمر الزماں مبارکپوری۔ جعفر لائبریری، مبارکپور اعظم گڑھ (۲۰۱۵ء) ص ۲۲۵
- ۱۲۔ سنخوران اعظم گڑھ۔ قمر الزماں مبارکپوری۔ جعفر لائبریری، مبارکپور اعظم گڑھ (۲۰۱۵ء) ص ۲۲۶
- ۱۳۔ ولولہ انگیز تقریریں۔ مولانا فدا المصطفیٰ قادری۔ امجدی بک ڈپو، گھوسی، مئوس (۲۰۱۴ء) ص ۲۰۰



مولانا نور الہدیٰ مصباحی۔ بی۔ اے (یو پی)

مولانا فروغ اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری

اعظم گڑھ (حال ضلع منو) میں خطہ گھوسی شروع ہی سے مردم خیز رہا ہے۔ ہر دور سے اس کی کوکھ میں صاحب تصنیف علما پر گوشعرا، دانشور، قاعد اور اصحاب علم و فضل پیدا ہوئے۔ بہار شریعت، جنتی زیور، اسلام اور امن عالم اور مشائخ عظام یہیں کی پیداوار ہیں جنہیں عالمی شہرت حاصل ہے۔ ارباب علم و دانش نے اس سرزمین کو ”مدینۃ العلماء“ کہا ہے۔ یہاں کے علماء ادبی ذوق رکھتے ہیں۔

بہت سے ایسے باکمال بھی ہیں جنہیں نظم و نثر دونوں پر یکساں دسترس حاصل ہے۔ عصر حاضر کے انہیں باوقار شخصیتوں میں سے ایک گراں قدر نام حضرت علامہ الحاج فروغ احمد اعظمی (صدر المدرسین دارالعلوم علیہ جہد اشاہی) کا بھی ہے۔

مولانا فروغ احمد اعظمی ابن الحاج ممتاز احمد قادری ابن مولوی محمد قمر الدین اشرفی مرحوم ۲۵ دسمبر ۱۹۲۲ء کو محلہ کریم الدین پور، گھوسی کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آغاز تعلیم کے لیے گاؤں کے مشہور ادارہ جامعہ شمس العلوم (گھوسی) میں آپ کو داخل کرایا گیا جہاں ابتدا سے مولویت تک کی تعلیم حضرت مولانا قمر الدین قمر اشرفی صاحب، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، حضرت مولانا سیف الدین شمش، حضرت مولانا شفیق احمد صاحب عزیزی حضرت مولانا عبدالمنان صاحب کلیمی، حضرت مولانا ابواللیث محمد دی، حضرت مولانا فداء المصطفیٰ قادری، جناب ماسٹر محمد ایوب، جناب ماسٹر محمد صوفی جناب ماسٹر عبدالرزاق، اور ماسٹر ابوالحسن جیسے فخر روزگار اساتذہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد از ہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور تشریف لے گئی جہاں شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی، محدث کبیر حضرت علامہ ضیا المصطفیٰ قادری، حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی، حضرت مولانا عبداللہ خاں عزیزی، حضرت مولانا عبدالشکور گیواوی، حضرت مولانا نصیر الدین مصباحی، حضرت مولانا افتخار احمد قادری، حضرت مولانا یسین اختر مصباحی اور حضرت مولانا اعجاز احمد مبارکپوری کے چشمہ علم و حکمت سے سیراب ہو کر ۱۹۸۳ء میں سند فراغ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد دارالعلوم علیہ،

جہد اشاہی ضلع بستی میں درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ انکی حسن کارکردگی، تدریسی لیاقت، سرگرم خدمات، اخلاص و اللہیت کے ساتھ تعلیمی انہماک کو دیکھتے ہوئے ادارے کے حل و عقد نے ۲۰۰۲ء میں آپ کو صدر المدرسین کے منصب پر فائز کر دیا اور اب تک موافق اور ناموافق حالات کے باوجود بڑی تندی اور حکمت عملی کے ساتھ ہی عہدے پر رہ کر دارالعلوم کی تعمیر و ترقی میں چار چاند لگا رہے ہیں۔

مولانا اعظمی کو مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمن صاحب عباسی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ اور رئیس ملت حضرت الشاہ سید رئیس اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشین خانقاہ میرانیہ، کھمبات، گجرات و سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھو مقدسہ نے آپ کو خلافت سے سرفراز کیا، مفسر قرآن حضرت علامہ مبین الدین امر و ہوی، بحر العلوم علامہ عبدالمنان اعظمی اور شرف ملت حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہم الرحمہ سے حدیث اور دیگر اوراد و وظائف کی سندیں حاصل ہیں۔

مولانا اعظمی دور طالب علمی ہی سے قلم و قراطس سے جڑ گئے تھے۔ اور نثر و نظم دونوں میدان میں زور آزمائی کی اور زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کے مضامین اور نعت و مناقب رسائل و جرائد کی زینت بننے لگے تھے۔ آپ کی تحریری خدمات میں ”ترجمہ فتنۃ الوہابیہ“ ترجمہ التوسل بالنبی، ترجمہ صور من حیات الصحابہ، قادیانیت اور تحریک تحفظ ختم نبوت، شرح عربی المعلقات السبع، تحریک وہابیت اور نشان منزل گراں قدر عظمت کی حامل ہیں۔

سیر و تفریح، زیارتوں کا شوق، مطالعہ کتب، بزرگوں کے آستانوں پر حاضری ان کے خیر میں شامل ہے عارفانہ مزاج رکھتے ہیں۔ رمضان المبارک کے موسم خیر میں ہر سال ایک ہفتہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے آستانہ سے فیض اٹھاتے ہیں۔ اور شب برأت سرکار خادم سمنان کی دلیلیز پر گزارتے ہیں۔ دوبار زیارت حرمین طہیین سے بھی شرف یاب ہو چکے ہیں۔ خندہ روئی، دل جوئی، نرم خوئی اور دین داری ان کی سرشت میں ہے۔ علم و فضل کے باوجود منکسر مزاج ہیں مگر تملق اور حاشیہ نشینی سے دور رہتے ہیں۔ تعمیری ذہن و فکر کے مالک ہیں۔ علمی، تحقیقی اور دینی کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور انکی ہر ممکن مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ملی اور جماعتی وحدت کو منتشر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

مولانا فروغ اعظمی کو شعر گوئی سے فطری مناسبت ہے۔ اوایل عمر ہی سے شعر و شاعری کا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں اردو اور عربی دونوں انکی جولا نگاہ فکر ہیں مگر انہوں نے کبھی شاعری کو ایک ذوق مشغلہ نہیں

بنایا برابری طبع آزمائی نہیں کرتے کبھی احباب کی فرمائشوں کے احترام میں کچھ کہہ دیا، کبھی شاگردوں کی خواہشوں کی تکمیل میں کچھ لکھ دیا۔ اگر رشہ انہماک رکھتے تو آپ کے کلام درگاہوں کی زینت ہوتے۔ ان ذخیرہ سخن میں حمد و نعت، منقبت تہنیتی نظم، ترانہ اور کچھ غزلیں ملتی ہیں۔ انکی نعتوں کا مجموعہ ”نفسِ حرم“ مرتب ہے مگر منتظرِ اشاعت ہے۔

نعت میں اس مدوح کی عظمت شان بیان کی جاتی ہے۔ جن کی ہر خوبی کہنے کے مبالغہ کی محتاج نہیں۔ اس لیے نعت کہنے کے لیے فرط محبت اور جذبہ عقیدت کے ساتھ مقام رسالت اور توحید باری تعالیٰ کی کمال معرفت ناگزیر ہے۔ سیرت طیبہ پہ گہری نظر کے ساتھ واقعات و روایات کی صحت و ضعف کا علم بھی لازم ہے۔ ضرع عقیدت فکر و فن کی گل کاری کے ساتھ ادب اور حد ادب کا عرفان بھی ضروری ہے۔ یعنی نعت نگاری میں احترام رسالت کے ساتھ تقاضے کی تکمیل بھی ہو۔ اور افراط و تفریط سے اجتناب بھی سچا عشق رسول اسی کا متقاضی بھی ہے۔

مولانا فروغ اعظمی ایک زبردست عالم دین ہیں قرآن و حدیث پر انکی گہری نظر ہے سیرت طیبہ کا غائرانہ مطالعہ ہے۔ تاریخ اسلام پر گرفت رکھتے ہیں۔ ان کا محتاط قلم شریعت کی پاس داری بھی رکھتا ہے اور ادب و احترام کے تقاضوں سے شناسائی بھی۔ موزوں الفاظ، متین آہنگ اور شیریں اسلوب ہیں انکے اشعار دیکھیں ۔

ہمارے خانہ دل میں کوئی مہمان آیا ہے
یہاں جلوؤں کا میلہ ہے یہاں رحمت کا سایہ ہے
خدا یکتا خدائی میں محمد مصطفائی میں
نہ میں نے ایسا پایا ہے نہ میں نے ویسا پایا ہے
☆

حرم کی سرزمین جب سے بنی آرام گہ تیری
یہاں پیہم تیرے انوار کے چشمے اہلتے ہیں
☆

منزل عشق بھی یہی جادہ عشق بھی یہی
نقش قدم حضور کا اپنا ہے رہنما فقط
☆

جو خدا سے ڈر رہے ہیں جو نبی پر مر رہے ہیں
انہیں کوئی غم نہیں ہے انہیں کوئی ڈر نہیں ہے

مولانا اعظمی کی نعتوں میں خلوص کی مہک، صداقت کی تابانی۔ عشق رسول کی جلوہ گری اور عجز و انکساری کے ساتھ مقناطیسی تاثیر پائی جاتی ہے اور دن بدن کلام فروغ کے کہکشاں کے حسن میں کشش بڑھتی جا رہی ہے اور فکر و فن، سوز دروں اور زبان و بیان کے خصائص سے مالا مال ہو رہا ہے۔ انکا پہلا کلام نذر قارئین ہے ۔

بت کدے سنسان بت تنہا ملے کعبہ کو جب حضرت والا ملے
رہ رو راہ محبت کو خدا کب ملا ہے بے شہ بطحی ملے
حق تعالیٰ نے بنایا بے نظیر کس طرح پھر آپ کا ہمتا ملے
اک زمانہ سے تھی دنیا منتظر رہبری کے واسطہ آقا ملے
بن کے رحمت پیش آئے سب کے ساتھ چاہے ان کو غیر یا اپنا ملے
در بدر کب تک پھریں گے نامراد یا خدا ہم کو در مولا ملے
شہر یار اپنے کو سمجھو گنا فروغ ان کی کملی کا اگر ٹکڑا ملے

مذکورہ کلام پہلا ہونے کے بوجہ اپنے آپ میں پر ہے۔ سلاست، روانی، شکفتگی، بندش کی آمیزش اور تخیل کی پاکیزگی سب کچھ موجود ہے۔ اب آنے والے اشعار کی روشنی میں ان کے شاعرانہ سفر کے ارتقائی منازل کو محسوس کریں۔

نعت کا سرچشمہ عشق رسول ہے اس والہانہ جذبے خالی نعت لفظی صنعت گری ہو سکتی ہے مگر روحانی کشش اور قلبی تاثیر سے خالی ہوگی۔ مولانا فروغ اعظمی کا دل عشق رسول کے پاکیزہ جذبات سے معمور ہے اس لیے ان کے کلام میں درد دل، اشک، ہجر شوق و ید، سوز دروں اور در رسول کی تڑپ کی جھلکیاں ملتی ہیں، ملاحظہ ہو ۔

کریم السجایا جمیل الشیمہ ہو نبی البرایا شفیع الامم ہو
☆

میرے دل میں مدینہ ہے مدینہ میں میرا دل ہے
تعلق ہے عجب محبوب کا اس کے ثنا خواں سے
☆

جبیں ہو چکی میری کعبہ کی جانب مرے دل کا قبلہ نبی کا حرم ہو
اگر یاد آئے تو بس یا دتیری اگر ہو کوئی غم تو بس تیرا غم ہو
مرا عشق لے جائے گا مجھ کو طیبہ اگر چہ مری راہ میں پیچ و خم ہو
سلاست، سادگی، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ تمنائے دید کی تڑپ ملاحظہ فرمائیں ۔

آپ نے اب تک نہ کوئی بات ٹالی یا رسول
آپ سے میں آپ ہی کا ہوں سوالی یا رسول
میں نے پالی آپ کی گردنات عالی یا رسول
دو جہاں کی میں نے پھر ہر چیز پالی یا رسول
طلعت زیبا سے چمکائیں مرا تاریک دل
تاکہ میں دیکھا کروں صورت جمالی یا رسول

☆

دل زنگار مرا چمکائیں یا رسول اللہ
پھر اس میں جلوۂ زیبا دکھائیں یا رسول اللہ
عجز و انکساری، امید شفاعت، وارفستگی، شوق، اعتماد کامل، قلبی التجا اور حسن طلب کی
مثالیں دیکھیں۔

خطاؤ پر خطائیں کرتے جانا اپنی عادت ہے
طریقہ آپ کا کرنا عطا ئیں یا رسول اللہ
کس مہر سی کا اگر شکوہ کروں تو ہے غلط
آپ ہیں جب میرے حامی اور والی یا رسول
کیوں فرشتے مجھ کو پیشی کے لیے لے جائیں گے
حشر میں مل جائے گر دامان عالی یا رسول

☆

لرزتے کانپتے جب پل سے گزروں آپ کو دیکھوں
میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں یا رسول اللہ

☆

بہت آسان ہے جینا بہت آسان ہے مرنا
اگر دل میں رسول اللہ کا سودا سمایا ہے
عاشق کو محبوب کی ہر شے سے عقیدت ہوتی ہے۔ مدینہ کو نسبت ہے سرور کو نین ﷺ سے اس لیے
یہاں کہ خاک عاشقوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے۔ کلام فروغ کا بیشتر حصہ مدینہ کی تڑپ، مدینہ پہنچنے کی
آرزو، اور در رسول پر شمار ہونے کا جذبہ لیے ہوئے ہے ۔

مدینے کی فضاؤں میں گزرے کاش کچھ گھڑیاں
جہاں غفران و رحمت میں ہر اک منظر نہایا ہے
فروغ اپنے مقدر میں کوئی ایسا بھی دن آئے
کوئی زائر کہے آکر کہ آقا نے بلایا ہے
مدینہ اپنے گھر ہم کو بلائیں یا رسول اللہ
وگر نہ آپ تشریف لائیں یا رسول اللہ
مدینے میں مرا گھر ہو میرے دل میں مدینہ، ہو
حضور کی کوئی حکمت لگائیں یا رسول اللہ

☆

مرے بال و پر جو ہوتے تو مدینہ جا پہنچتا
کوئی قرض مجھ کو دیدے مرے پاس پر نہیں ہے

☆

میرے گھر آپ آئیں آپ کے گھر میرا جانا ہو
یہی دستور الفت ہے تقاضائے رفاقت ہے

قسمت نے یاوری کی در رسول سے بلاوا آگیا۔ سفر حج کی تاریخ آگئی اس وقت آپ نے بڑے
کیف آور اور وجد آفریں اشعار کہے ہیں ملاحظہ ہو ۔

خدا لائے جلدی سے جلدی وہ ساعت کہ طیبہ کی گلیوں میں میرا قدم ہو
مری بے کسی خود ہی ہو جائے یکس اگر سامنے روضہ محترم ہو
کھڑا اس طرح تیرے در پہ ہو مجرم ندامت سے سرخم ہو، آنکھ نم ہو
تشکر کے اشکوں کی جھڑیاں لگی ہوں مرا لب درودوں سے رشک ارم ہو

کروں عرض و معروضِ رورو کے جب میں سماعت میں مصروف گوشِ کرم ہو
جبیں ہو جھگی میری کعبہ کی جانب مرے دل کا قبلہ نبی کا حرم ہو
مدینہ پہنچ کر میں واپس نہ آؤں جنازہ مرا خاکِ طیبہ میں ضم ہو
فروع آئیے جلد چلئے مدینہ حیات گریزاں عجب کیا کہ کم ہو
ساری کائنات کے مرکز عقیدت کے روضے کی جالی پیش نظر ہے بے قرار دل کو تھام کر بھیگی پلکوں کے
ساتھ شاعر بڑے پرسوز انداز میں استغاثہ پیش کر رہا ہے، پڑھئے اور اس پر کیفِ منظر میں کھوجائیے ۔

میرے آنسو کہ رہے ہیں آج دل کی ساری بات
سامنے ہے آپ کے روضے کی جالی یا رسول
تشنہ لب کو ڈھونڈتا ہے آپ کا بحرِ کرم
میں لب دریا کھڑا ہوں لے کے پیالی یا رسول
طعنہ دیں گے ہند والے نقصِ الفت کا بہت
جاوگا میں گر یہاں سے ہاتھ خالی یا رسول
ہند بھیجیں گر تو پھر میری لحد کے واسطے
اپنے قدموں میں جگہ رکھیں گے خالی یا رسول
نعت کہ لی اور سنا لی آپ نے در پہ فروع
اب ہمیں چادر اڑھا دیں اپنی کالی یا رسول

آقائے کائنات ﷺ کا اسم مبارک ورد زبان بن جائے آپ کا عشق غزائے جان بن جائے تب
ایسے دل پزیر اشعار نوکِ قلم سے مترشح ہوتے ہیں۔ یہ اشعار دل کی اتھاہ گہرائی سے نکلے ہوئے ہیں
جہاں آورد اور تکلف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا پورا کلام آمدِ تسلسل اور بے پایاں عقیدت کی غمازی کر رہا ہے۔
نعت کا اساسی عنصر مدحتِ رسول ہے اب سرکار کی ذات سے جو چیز منسوب ہے خوش اقبال
شاعروں نے اسے بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ آپ کے فضائل و کمالات، جود و سخا، اخلاقِ حسنہ، میلاد
مصطفیٰ گویا کہ سیرت کے تمام گوشے عنصرِ نعت میں شامل ہیں۔ اظہارِ عجز، احساسِ عصیاں، شفاعت
رسول، یادِ حبیب، ذکرِ مدینہ، تمنائے زیارت، حسنِ نبی یہ سب نعت کے اجزا ہیں۔ دن بدن ذہن و فکر
کے دریچے کھلتے جا رہے ہیں اور عناصرِ نعت وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے ہیں۔

کلامِ فروغ میں تنظیمِ رسول کے ساتھ تعلیمِ رسول کا پیامِ حسنِ رسول کا کمال اور اتباعِ سیرت کی

دعوت بھی والہانہ انداز میں پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو ۔

تقاضہ کر رہا ہے عہدِ حاضر ہر مسلمان سے
کہ اپنا لو پیامِ سیرتِ نبوی دل و جاں سے
نہ زہرہ سے نہ اختر سے نہ مہر ماہ تاباں سے
محبت ہے اگر کرنی کرو محبوبِ یزداں سے
بہت پوچھا فلک سے پھر بھی اس نے کچھ نہ بتلایا
کہو تصویر ہے اچھی کوئی تصویرِ جاناں سے
ادب، عظمت، محبت اور اطاعت کا سبق سیکھو
فروع احمد رضا خاں قادری جیسے ثنا خواں سے

مولانا فروغِ اعظمی کے مجموعہٴ نعتِ عناصرِ نعت کی بہت سی جہتیں زبان و بیان کی سادگی، روانی، شستگی
کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ استغاثہ کی صورت میں مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں ۔
بلاؤں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے
چھڑائیں بے سہاروں کو چھڑائیں یا رسول اللہ
سنیں گے آپ منگتا کہ اسی امید میں ہر دم
لگا تا ہوں صداؤں پر صدائیں یا رسول اللہ
خیال کی ندرت ملاحظہ ہو ۔

حرم کی سرزمین جب سے بنی آرام گہ تیری
یہاں پیہم تیرے انوار کے چشمے ابلتے ہیں



وہ شہنشاہ ہیں مالک و مختار جہاں ہر کہ و ہر کو ہر وقت ہے حاجت ان کی
گھر فروغ آج مرا رشک جہاں لگتا ہے ہو نہ ہو بادِ صبا لائی ہو نکہت ان کی
زیارتِ حریمِ طہیین کا منظر دیکھئے ۔

ارضِ مکہ پر جلالِ رب اکبر دکھئے پھر جمالِ مصطفیٰ طیبہ میں آکر دیکھئے
بارگاہِ مصطفیٰ وہ بارگاہِ ناز ہے خلد کی ساری بہاروں کو نچھاور دیکھئے

مولانا فروغِ اعظمی کے کلام میں تمثیلی اشارے بھی ملتے ہیں ان کا تمثیلی رنگ بڑا گہرا اور معنی خیز ہوتا ہے

قرآن وحدیث، آثار صحابہ، تاریخ وسیر کے نقوش عکس اور جلوے جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ تلمیحی رمز سے پورا پورا واقعہ ذہن کے پردے پر منعکس ہو جاتا ہے۔

خون کے پیاسے عمر نکلے مگر اک دعا میں آپ سے وہ آ ملے
بوصری کو وسیلہ میں نے بنایا آقا بیمار جسم و جاں کو در سے شفا ملے

☆

ام اسماعیل دوڑی تھیں سفا مروہ پہ کب
آج بھی جاری ہے کچھ ایسا ہی چکر دیکھئے

☆

شان ان کی ورفنا لک ذکرک سے عیاں
ان کے مولا نے بیاں کی ہے فضیلت ان کی
دینے والا ہے خدا بانٹنے والے ہیں نبی
ان کا فرمان سمجھ مانگ وساطت ان کی

معراج سرور کو نین ﷺ ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ نعتیہ عناصر کا یہ معروف عنصر ہے۔ شروع ہی سے شعرِ نعت نے اسے سرنامہ سخن بنایا ہے، بہت سے معراج نامے وجود میں آئے معراج پر بہت سے اشعار موزوں ہوئے اس کا رشتہ حب رسول سے ہے جو الہانہ عقیدت کو اجاگر کرتا ہے اس موضوع پر اردو شاعری میں نئی علامات، تشبیہات، استعارات اور اصطلاحات کا اضافہ کیا۔ مولانا اعظمی کے کلام میں معراجیہ اشعار کم ہیں مگر اچھے ہیں۔

رسولوں کی امامت کا شرف حاصل کسے ہوگا
فقط یہ تیرا رتبہ ہے ، فقط یہ تیرا پایہ ہے
تری خاک قدم اہل نظر کی آنکھوں کا سرمہ
ترے تلووں سے آنکھیں حضرت جبریل ملتے ہیں

☆

معراج میں فلک پر ان کو کئی پیہر کہہ کر کے خیر مقدم اور مرحبا ملے
شاعر چھوٹی بحر اور آسان لفظوں میں جب اپنے خیالات کو شعری پیکر میں ڈھالتا ہے تو اسے ”
سہل منتع“ کہا جاتا ہے۔ سہل منتع میں غزلیں اور نظمیں کہنا آسان ہے اس لیے کہ اس کی فضا وسیع اور

میدانِ فکر کشادہ ہے لیکن سہل منتع میں نعت کہنا بڑا مشکل ہے یہاں ایک حد ہے اس حد سے آگے بڑھنا اور نیچے اترنا دونوں صورتوں میں اپنے ایمان کو چیلنج کرنا ہے۔ مولانا اعظمی نے سہل منتع میں کئی نعتیں کہی ہیں اور عمدہ کہی ہیں ملاحظہ ہو۔

مری شب بھی اب تو نہار ہے ہمہ دم گلوں کی بہار ہے
مرا دل نبی کا دیار ہے مرا دل نبی کا مزار ہے
تری بارگاہ ہے مری پنہ تری رحمتوں پہ مری نگہ
ترا شہر ہے اک عجب جگہ کہ جناں بھی جس پہ نثار ہے
تو کریم ہے تو رحیم ہے ترا لطف سب کو عمیم ہے
ترا خلق کتنا عظیم ہے تجھے دشمنوں سے بھی پیار ہے

☆

گھر ہو اللہ کا اور میں ہوں محمد دعا واسطہ آپ کا یا رسول خدا
ان کو اللہ نے سب سے اچھا کیا ان کو اللہ نے سب سے اچھا کہا
ہمسری خاک طیبہ کی ممکن نہیں ہمسری ان کی کیسے کرے کوئی کیا
آپ کا جو ہوا وہ خدا کا ہوا آپ سے جو کتا وہ خدا سے کتا
اپنے بیمار پر اک نظر کیجئے دیجئے اپنے دامن کی ٹھنڈی ہوا
حق فروغ انکا کچھ ادا کیجئے ہر گھڑی کیجئے ورد وصل علی

مختصر یہ کہ مولانا فروغ اعظمی نعت کے ایک خوش مشق شاعر ہیں جنہوں نے تمام بہاریہ اصناف سے منہ موڑ کر نعت کے مقدس فن کو اپنا شعار اور مقصد حیات بنایا ان کی نعتوں میں احساس شعور کی بالیدگی کے ساتھ شستہ اور سلیس اسلوب میں سیرت طیبہ کے جزوی عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان کے کلام بے پناہ عقیدت و محبت کے آئینہ دار ہیں وہ آسان لفظوں اور سلیس بحروں میں اعلیٰ خیالات پیش کرنے پر قدرت رکھتے ہیں ان کے کلام میں شریعت و شعریت کا حسن امتزاج ملتا ہے ان کی نعتوں میں موج طرب بھی ہے اور سوز باطن بھی ان کے شعری اجمال میں تہدار تفصیلیں ہیں جو قارئین کو محظوظ، مستفیض اور مستنیر کرتی ہیں۔



مولانا وصال احمد اعظمی (یوپی)

نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر

ضلع اعظم گڑھ (حال منو) کا گھوسی قصبہ اپنی مذہبی، علمی اور ادبی خدمات کے اعتبار سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ علم و ادب کے اعتبار سے یہاں کی مٹی بہت زرخیز ہے، اس سرزمین سے ایسے بہت سے ادیب و شاعر، عالم اور دانشور ابھرے جنہوں نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ حضور صدر الشریعہ، شیخ العلماء غلام جیلانی اعظمی، علامہ غلام یزدانی اعظمی، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، قاری محمد عثمان اعظمی، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، مولانا سمیع اللہ امجدی، مولانا حفیظ اللہ عاصم قادری، مفتی وکیل احمد اعظمی، نثار کریمی، مضطر اعظمی۔ اور عہد حاضر میں محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی، مفتی محمد مجیب اشرف رضوی، مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، مولانا رضوان احمد نوری شریفی، مولانا بدر القادری مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مفتی محمود اختر رضوی، ڈاکٹر شکیل اعظمی، اقبال اعظمی، ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے علم و ادب کے مختلف شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیں، اور جو مقدر ہستیاں باحیات ہیں وہ شب و روز علمی، دینی و ادبی خدمات بحسن و خوبی انجام دینے میں مصروف ہیں۔ بلاشبہ ان شخصیات نے قصبہ گھوسی کو شہرت و مقبولیت کے آسمان ہفتم پر پہنچا دیا ہے۔

والد محترم جناب نثار احمد نثار کریمی صاحب اس مردم خیز علاقے کے ایک گاؤں کریم الدین پور میں ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم سے حاصل کی۔ بعد ازاں جوئیر ہائی اسکول گھوسی سے ۱۹۵۶ء میں مڈل پاس کیا۔ جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل اور پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انگریزی مضمون کے ساتھ پری یونیورسٹی کا امتحان بھی پاس کیا۔ خانگی ذمہ داریوں کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا۔

۱۹۶۲ء سے شعر کہنا شروع کیا اور تا دم حیات اس صنف کی آبیاری کرتے رہے۔ حمد و نعت، منقبت، غزل، نظم اور قطعہ پر طبع آزمائی کی۔ صاحب فن شاعر یعقوب اعظمی سے مشورہ سخن کرتے رہے، چار مجموعہ کلام آپ نے یادگار چھوڑے ہیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) سیل نور (۲) سنگ ریزے

بولتے ہیں (۳) دھوپ کی چادر (۴) ضرب العباس۔ نعتوں کا مجموعہ ”سیل نور“ ۲۰۰۷ء میں آپ کی حیات ہی میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔ تین انتہائی اہم مجموعے ہنوز منتظر اشاعت ہیں۔

جناب نثار کریمی صاحب سیل نور میں عرض حال کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”شعر و شاعری کے میدان میں تقریباً چالیس سال سے سرگرم ہوں حالات سازگار ہوتے تو غزلوں، نظموں کے کئی مجموعے بہت پہلے منظر عام پر آچکے ہوتے، غزلوں کے دو مجموعے، نظم کا ایک مجموعہ مرتب کر چکا ہوں، چھپے نہ چھپے اس کی مجھے فکر نہیں، نعتیہ مجموعہ جسے میں حاصل زندگی سمجھتا ہوں آج آپ کے ہاتھوں میں ہے، میں مطمئن ہوں اس میدان میں ذکر رسول کے حوالہ سے پہچانا جاؤں بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔“ (سیل نور ص ۲۳)

حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی دام ظلہ آپ کی شاعرانہ صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

”نثار کریمی صاحب میرے ہم وطن بھی ہیں اور ہم مشرب و ہم مذہب بھی، بجزہ تعالیٰ نعت گوئی کو انہوں نے شغل مذہبی کے طور پر اپنایا ہے۔ پیشہ و ناموری کے طور پر کوئی نعت نہیں کہی، ان کے اس اخلاص سے میں طویل عرصے سے ان سے متاثر ہوں، ان کی نعت گوئی تعقید و غرابت سے پاک ہوتی ہے ساتھ ہی آداب بارگاہ رسالت کا التزام بھی ملحوظ خاطر رہتا ہے، ان کے اشعار میں کافی حد تک جدت پسندی، بلندی فکر اور حسن تخیل کا امتزاج ملتا ہے۔ کہیں کہیں ان کے اشعار پڑھ کر استاذ فن ہونے کا گمان بھی ہوتا ہے ان کا مزاج شعر گوئی بالکل فطری ہے میں نے ان کے سیل نور کا بھرپور مطالعہ نہیں کیا لیکن جو حصہ پڑھا پسند آیا اور اسے شرع کے مطابق پایا میں دعا کرتا ہوں کی اللہ تعالیٰ ان کی کاوش نعت گوئی کو شرف قبول عطا فرمائے اور علامۃ الناس کے دلوں میں ان کی نعتوں سے ایمانی حرارت و تازگی پیدا فرمائے۔“ (آمین)۔“ سیل نور ص ۹۔

مشہور محقق علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے ”سیل نور پر“ ایک مبسوط اور انتہائی وقیع مقدمہ تحریر فرمایا ہے آپ لکھتے ہیں۔

”جناب نثار کریمی صاحب موجودہ دور میں اسلاف کی صالح شعری روایت کے امین ہیں وہ پختہ مشق، قادر الکلام شاعر ہیں غزل، نظم اور نعت پر یکساں قدرت رکھتے ہیں شاعری میں ان کا لب و لہجہ باوقار اور سنجیدہ ہے ان کے کلام میں نظر کی وسعت، فکر کی گہرائی، حالات کی تنگی اور داخلی کرب کا اظہار بڑے سلیقے سے ہوتا ہے، نظموں میں ان کا جذباتی تیور قاری کو کافی متاثر کرتا ہے۔ امریکہ اور عراق کی

پہلی جنگ کے موقع پر انہوں نے متعدد نظمیں لکھیں جو اخبارات و رسائل میں خوب چھپیں اور انھیں بڑی دھوم دھام کے ساتھ پڑھا گیا ایک نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو ۔

دشمن اسلام اٹھائیں حرم کی خاک پر
ایسا دل آزار منظر سرزمینِ پاک پر
آہ! کتنے زخم کھائیں ہم دل صد چاک پر
پاؤں اے صدام رکھ دے سینہ سفاک پر
غم نہ کر فضلِ خدائے پاک تیرے ساتھ ہے
رحمت ذاتِ شہ لولاک تیرے ساتھ ہے

اس نظم میں شاعر کا جذباتی متوج قاری کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ واقعیت اور حقیقت پسندی نثار کی شاعری کے بنیادی اجزاء ہیں، ان کی غزلوں میں زندگی کے تجربات و مشاہدات، شاہراہ حیات کے پیچ و خم اور زمانہ کی ناسماعت کی ترجمان نظر آتی ہے۔ نثار نے گرد و پیش کے حالات کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور ان کے عوامل و محرکات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں ماحول اور گرد و پیش کی تصویریں دکھائی دیتی ہیں اور ان کے اشعار اس زمانہ اور زندگی کی نمایاں تصویریں پیش کرتے ہیں وہ ایک حساس دل رکھتے ہیں اس لیے ان کے اشعار داخلی کیفیات و جذبات کا مرقع بن جاتے ہیں ۔

اپنی بربادی کا چپ چاپ تماشا دیکھو
سانس بھی لوگے تو غدار کہا جائے گا
تن سے اتار پھینک یہ کاغذ کا پیرہن
ایسا نہ ہو کہ آگ پہ چلنا پڑے تجھے
اٹھائی تیغ مگر ہم نے یہ ستم نہ کیا
کسی جھکے ہوئے سر کو کبھی قلم نہ کیا
بجھتے ہیں دیئے کتنے تیگی کے پردے میں
تب کہیں ابھرتی ہے صبح جاں فزا کوئی
سرخرو پہونچے جو منزل پہ تو حیرت کیا ہے
ہم نے بھر پور چکائی ہے سفر کی قیمت
تہائیوں کا غم ہی بھلا اس سے عذاب
ہو زندگی میں ساتھ کسی بے ضمیر کا
لوگ جھٹلاتے ہیں جب سچائیوں کو
اگر ہے کچھ میری قیمت تو اہل زر کو نہ بیچ
کسی غریب کے ہاتھوں میں دے ادھار مجھے
جینے والا اس عہد نو میں نثار
گھر کو میدان کر بلا جانے

(سیل نور ص ۱۶-۱۵)

حضرت نثار کریمی صاحب کی فطری ذہانت اور ذہن رسا کی جولانیوں نے شاعر کے تمام گوشوں کو منور کیا ہے۔ آپ جملہ اصنافِ سخن پر یکساں قدرت رکھتے تھے لیکن نعت گوئی کی طرف رجحان زیادہ تھا، سب سے پہلے آپ نے نعت شریف کے اشعار کہے ہیں ڈاکٹر عاصم اعظمی لکھتے ہیں۔

”نثار کریمی نے شاعری کا آغاز نعت شریف سے کیا اور آج تک اس صنف میں مسلسل طبع آزمائی کرتے رہے ہیں یوں تو انہوں نے نظمیں، قطعات، منقبتیں اور سہرے سب کچھ لکھے مگر ان کی شاعری کا غالب عنصر نعت شریف رہا جس کی بنا پر ہم انہیں بنیادی طور پر نعت کا شاعر قرار دے سکتے ہیں چونکہ انہوں نے سب سے پہلے محبوب رب الغلیمین کی مدح میں زبان کھولی اور قلب و دماغ کی طہارت کے ساتھ اس کوپے میں قدم رکھا اس لیے دینی احساس اور حب رسول کے جذبات نے ان کے شعری سفر کو صالح دینی سخنوری کی منہاج سعادت سے آشنا کر دیا۔ ان کی پہلی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں سیدھے سادے الفاظ میں قلبی احساس اور ارادت کی ترجمانی ہوتی ہے ۔

آج کی شب جو سویرا ہوتا کاش طیبہ کا نظارہ ہوتا
اللہ اللہ رے جدائی کا غم موت آجاتی تو اچھا ہوتا
آنکھ کھلتی جو دم صبح میری سامنے گنبدِ خضریٰ ہوتا

ڈاکٹر صاحب قبلہ نے والد محترم نثار کریمی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ بڑے ہی دلکش انداز میں لیا ہے، ان کی شعر گوئی کی غیر معمولی قدرت کے شروع سے معترف رہے ہیں، حضرت نے والد صاحب کو بڑے قریب سے دیکھا ہے حضرت کی اس چشم کشا تحریر کو ملاحظہ فرمائیں۔

”مدحت پیمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نثار کریمی کا قلم اپنی جولانیاں دکھاتا ہے انھوں نے نعت کے روایتی مضامین و خیالات ہی کو باندھا ہے مگر حسن ادا اور لطافت بیان نے نیا آہنگ عطا کر دیا ہے قوتِ تخیل اور تعمق فکر کے ساتھ حب رسول کے جذبے نے ان کے اشعار کو فن کی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا ہے اور وہ اسلوب بیان میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سارا عالم ہوا ایمان کی خوشبو سے نہال ایسے پھیلی میرے آقا کے بدن کی خوشبو
خوشبوئے زلف لوٹ رہی ہوئے خلد ماتھے سے چن رہی ہے پسینہ میرے رسول
منہ پھیر لیں تو موت بھی آئے نہ پوچھنے ورنہ نفس نفس کو نئی زندگی ملے
گر ہونہ آپ کے لب و عارض کا تذکرہ غنچوں کو دل کشی نہ گلوں کو ہنسی ملے
انگلیوں سے نور کی پاکی اشارا نور کا بٹ گیا دو نور کے ٹکڑوں میں ٹکڑا نور کا

۷۸۶/۹۲

۲۱ جولائی ۱۹۹۲ء

محترم نثار کریمی صاحب..... سلام مسنون

طالب خیر بخیر ہے بزم احباب مبارکپور کا سالانہ طرحی نعتیہ مشاعرہ امسال مورخہ ۱۸/ اگست ۱۹۹۲ء بروز جمعرات منعقد ہو رہا ہے دعوت نامہ حاضر ہے امید ہے کہ منظور نامہ جلد ہی عنایت فرمائیں گے۔

نیاز مند

محمد خلیل گوہر مبارکپوری

”مصرع طرح“ محمدی غلامی شانِ سلطانی سے بڑھ کر ہے“

اس مصرع طرح پر جو نعت پاک کہہ کر شرکت فرمائی تھی ملاحظہ ہو۔

رہ حق سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے نہ کچھ ڈر ہے
نظر میری برابر نقش پائے مصطفیٰ پر ہے
گناہوں کا سر میدان بھاری بوجھ سر پر ہے
تیرے ہاتھوں میں پیارے آبروئے اہل محشر ہے
شجر دوڑا چلا آیا تمہارے اک اشارے پر
تمہارا کلمہ گو بو جہل کی مٹھی میں کنکر ہے
گنہگارو! ہمیں کیوں پیاس تڑپائے گی محشر میں
ہم اس کے ہیں جو ساقی مئے تسنیم و کوثر ہے
وہی تو نعمتیں تقسیم کرتا ہے دو عالم کو
سر میدان خندق پیٹ پر باندھے جو پتھر ہے
تو ہی جانے کہ تھی سدرہ سے آگے کون سی منزل
تیری رفعت پہ پرواز پر جبریل ششدر ہے
اے طائف کی زمیں تو نے تو دیکھا ہے وہ منظر بھی
بدن ہے خون میں تر اور دعائے خیر لب پر ہے
جہاں پر خاکساروں کو میسر ہے سرفرازی
سلاطین کی جہاں خم ہے جبیں وہ آپ کا در ہے

نثار اعزاز جیتے جی یہ مل جائے تو کیا کہنا

محمد کی غلامی شانِ سلطانی سے بہتر ہے

ایک دعوت نامہ اور دستیاب ہوا تھا جسے جناب مضطر مبارکپوری صاحب نے بھیجا تھا، ملاحظہ ہو۔

محترم نثار کریمی صاحب-----تسلیم

طالب خیر بخیر ہے، بزم احباب مبارکپور کا سالانہ طرحی نعتیہ مشاعرہ امسال مورخہ ۱۵/ جولائی ۱۹۹۲ء بروز منگل درج ذیل مصرع طرح پر منعقد ہو رہا ہے۔ امید ہے آپ اس میں اپنی شرکت کا منظوری نامہ جلد عنایت کریں گے۔ کافی دنوں بعد آپ سے گزارش ہو رہی ہے، امید ہے اراکین مایوس نہیں ہوں گے۔

”مصرع طرح:“ نبی کے ذکر سے عالم کو مشکبار کریں“ ق ر

طالب خیر مضطر مبارکپوری

۲۲/ جون ۱۹۹۲ء

مندرجہ بالا مصرع پر پوری نعت پاک لکھی اور نعتیہ مشاعرہ میں شریک ہو بملاحظہ فرمائیں۔

ہمیں بھی اپنے غلاموں میں وہ شمار کریں کرم بس اتنا دوعالم کے تاجدار کریں
کرم سے خاک کے ذرے کو ذی وقار کریں قدم وہ رکھ دیں تو صحرا کو لالہ زار کریں
پھرے نہ ان کی گلی میں اگر تو کچھ نہ کیا طواف خانہ کعبہ ہزار بار کریں
طلب کریں تو ہر اک شے خوشی خوشی گھر کی نثار یار کے قدموں میں یار غار کریں
ہے آرزو کہ ترے شہر میں پہنچ کے کبھی متاع دل کو تری راہ میں غبار کریں
ہر ایک سمت سے اٹھے صدائے صلّ علی نبی کے ذکر سے عالم کو مشکبار کریں
فراز عرش سے آئے صدا درودوں کی ادھر سلام تجھے دشت و کوہسار کریں
یہ ربط ہے تو میسر ہے دیں بھی دنیا بھی نبی کی آل سے رشتے کو استوار کریں
ہے آرزو کہ جہاں سے عطا ہوئی ہے نثار یہ کائنات دل و جاں وہیں نثار کریں
بالینڈ سے مفکر اسلام علامہ بدر القادری صاحب قبلہ نے مصرع طرح بھیجا، مصرع طرح تھا

”کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی“

والد محترم نے نعت پاک کہی اور علامہ بدر القادری صاحب کے نام ایک خط تحریر فرمایا، خط کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

مکرمی! حضرت مولانا بدر القادری صاحب قبلہ..... سلام مسنون!

۲۴ جون ۲۰۲۳ء کو طرحی نعتیہ مصرع موصول ہوا یاد آوری اور اس عنایت نامہ کا بہت بہت شکریہ۔ حکم کے مطابق نعت پاک کے چند اشعار کہنے کی جسارت کی ہے اس امید کے ساتھ کہ نعت پاک کے حوالے سے اس عظیم محفل پاک میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جائے گی، چوں کہ دس جون تک کلام پہنچ جانے کی پابندی ہے اس لیے بہت ہی عجلت کے ساتھ اشعار کہے گئے ہیں، تاہم بہت محتاط ہو کر نعت رسول کی بات ہے۔

ایک گزارش آپ سے یہ ہے کہ اگر ان اشعار میں کچھ تبدیلی کی ضرورت ہو تو آپ کو پورا اختیار ہے اسے درست فرمادیں کہ آپ ایک زبردست عالم دین اور عظیم شاعر ہیں، آپ کی باریک بین نگاہیں جہاں تک دیکھ سکتی ہیں وہاں تک ہماری کم علمی اور ناقص معلومات پہنچنے سے قاصر ہے۔ بہر حال پھر ایک بار اس بے پناہ عنایت اور نوازش کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، امید کہ آپ بخیر ہوں گے ارکان محفل نعت سے سلام عرض کریں۔ شکریہ

فقط والسلام

آپ کا خالص بھائی

نثار کریمی ۲۴ جون ۲۰۲۳ء

اے گنہگارو! جو دل میں ہو محبت ان کی کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی موت بھی آکے دم مرگ کرے کام اپنا اور ہم پیار سے تکتے رہیں صورت ان کی پائے گر حکم حضوری تو شجر دوڑ پڑے چاند سورج پہ بھی چلتی ہے حکومت ان کی جن کو حاصل ہوا آقا کی غلامی کا شرف کون دنیا میں سمجھ پائے گا قیمت ان کی دوش پر حضرت صدیق کے ہیں رحمت کل اللہ اللہ! یہ قسمت شب ہجرت ان کی سارے عالم کے لیے لطف و کرم ہے ان کا سارے عالم کے لیے عام ہے رحمت ان کی نور بھی ہیں وہ بشر بھی مگر اس کے آگے ہے بس اللہ کو معلوم حقیقت ان کی دیکھنا شان غلامان نبی حشر کے دن بڑھ کے آئے گی قدم بوسی کو جنت ان کی ہم کہاں جاتے نثار اور کہاں کے ہوتے ہم پہ ہوتی نہ اگر خاص عنایت ان کی استاذ شاعر جناب یعقوب اعظمی صاحب کی رحلت پر آپ نے رباعیات میں خراج تحسین پیش کیا تھا ملاحظہ ہوا ان کی اس فن پر گرفت۔

دنیاے فکر و فن کا وہ یعقوب اعظمی کردار کا بلند طبیعت کا صاف تھا علم عروض میں نہ تھا اس کا کوئی جواب ہر صاحب کمال کو یہ اعتراف تھا کہتے ہیں جس کو اہل سخن گلشن ادب اس بزم میں چراغ جلایا اسی کا ہے آئے ہیں یہ اسی کی عنایت سے برگ و بار یہ شاخ شاخ پھول کھلایا اسی کا ہے یہ سرفراز و خالد و عارف سے پوچھئے کیوں گلشن ادب کی فضا میں ہیں مشکبار کس کو نہیں ملا ہے تری صحبتوں سے فیض اقرار ہوں شریف ہوں صوفی ہوں یا نثار

آپ کے وصال سے متاثر ہو کر آپ کے چھوڑے بھائی جناب اقبال اعظمی صاحب نے آپ کی بارگاہ میں اپنی دلی کیفیت کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے۔

بیادگار برادر مکرم جناب نثار کریمی صاحب مرحوم

نہ میرے دل سے کبھی جائے گا خیال اس کا ہے بھول جانا میرے واسطے محال اس کا عروج پر تھی زمانے میں شاعری اس کی کوئی سخن میں تو دیکھے کوئی کمال اس کا خوشی کے وقت بھی سنجیدہ غم میں بھی خاموش غم و خوشی میں بھی دیکھا ہے اعتدال اس کا نبرد آزما وہ ظلمتوں سے رہتا تھا کہ ”سیل نور“ کا لشکر تھا بے مثال اس کا نہ صرف یہ کہ وہ علم و ہنر کا حامل ہے متاع شعر کا حامل بھی ہے وصال اس کا خدائے پاک سے کرتا ہوں میں دعا اقبال کہ رحمتوں سے رہے بھگیا بال بال اس کا

جناب نثار کریمی صاحب کے برادر خرد محترم اقبال اعظمی صاحب جو خود بھی ایک عظیم شاعر ہیں ایک پر مغز اور جامع مضمون ”محبت رسول ﷺ کا ترجمان شاعر نثار کریمی اعظمی“ کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا جس میں انہوں نے ان کی نعتیہ شاعر پر کچھ اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

”نعت گوئی کے ذریعہ شاعر حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اظہار کرتا ہے نعت کے معیار کو پر کھنے کے لیے اس میں صنائع بدائع اور فنی محاسن کی تلاش نہ کر کے یہ دیکھنا چاہیے کہ شاعر اپنے جذبہ حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار میں کہاں تک کامیاب ہے جدید لب و لہجہ اختیار کرنے کی فکر میں نعت کہیں اپنے معیار سے گرنے کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

معیاری نعت وہ ہے جس میں شوکت الفاظ، ہنجیدگی، متانت، لطافت، سلاست بلاغت، روانی سوز و گداز شیفنگی اور وارفتگی کے ساتھ شعر کا بھی پاس و لحاظ ہو اس تناظر میں دیکھا جائے تو نثار کریمی ایک کامیاب نعت گو شاعر کے روپ میں ابھرتے ہیں۔“

مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ جناب نثار کریمی صاحب کے نعتیہ کلام میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے ہیں جو معیاری نعت کے لیے ضروری ہیں۔

مولانا ڈاکٹر شکیل احمد صاحب اعظمی پرنسپل مدرسہ مدینۃ العربیہ دوست پور قم طراز ہیں۔
”استاذ الشعراء حضرت نثار کریمی ہندوستان کے شہرت یافتہ شاعر تھے، اسٹیج، ریڈیو اسٹیشن اور رسائل و جرائد کے ذریعہ زندگی بھر اردو ادب کی خدمت کرتے رہے، انھوں نے حمد، نعت، منقبت، غزل، نظم، سہرا اور قطعہ وغیرہ پر قابل التفات طبع آزمائی کی۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ ”سیل نور“ شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکا ہے، غزلوں اور نظموں کا مجموعہ بھی انھوں نے اپنی زندگی میں مرتب کر دیا تھا جو ابھی تشہ طبع ہے۔ نثار کریمی کوفن پر الگ الگ گرفت حاصل تھی، اور صنعت شاعری کی رموز و اسرار سے بدرجہ اتم واقفیت رکھتے تھے۔ وہ شعر کا تعاقب نہیں کرتے تھے بلکہ شعر ان کا تعاقب کرتا تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ بحروں میں بھی وہ بہت شستہ اور شگفتہ شعر کہتے تھے۔ نعتیہ شاعری ان کا قلبی میدان تھا۔ گوشہ گوشہ حب رسول کے پاکیزہ جذبات سے معمور تھا۔ اسی عشق کی تسکین کے لیے وہ نعتیں کہا کرتے تھے۔ ان کی نعتیں از دل خیز و بردل ریز دلی مصداق ہیں۔ وہ جو کہتے تھے دل کی گہرائی سے کہتے تھے اسی لیے اس میں مقناطیسی تاثیر پائی جاتی ہے۔ حضرت نثار کریمی کے ذخیرہ نعت میں سیرت طیبہ، معجزات رسول، اختیارات مصطفیٰ تمنائے دید، شفاعت کبریٰ کے ساتھ مدینے کی تڑپ، درحیب پر پہنچنے کی آرزو اور روضہ رسول پر نثار ہونے کا جذبہ بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے۔ ان کی نعتوں میں تسبیح، تہلیل، بحار مرسل، لف و نشر اور ایہام و ابجاز کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ نثار کریمی تو اس دار فانی سے کوچ کر گئے مگر ان کی نعتوں نے انھیں آفتاب و ماہتاب کی زندگی بخش دی اور رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے۔“

بنارس کے ایک قادر الکلام اور صاحب فن شاعر جناب جوہر صدیقی نے والد محترم کے مجموعہ کلام کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کر کے چار صفحات پر مشتمل ایک جائزہ پیش کیا ہے، جس میں جوہر نے حضرت کریمی صاحب کی غیر معمولی شاعرانہ صلاحیت کا کھلے ذہن کے ساتھ عتراف کیا ہے ایک اقتباس نذر کرتا ہوں۔

”نثار کریمی صاحب کو میں نے دو چار نعتیہ مشاعروں میں دیکھا اور سنا ہے ان کی غزل یا اور کسی صنف سخن میں ان کا کوئی کلام سننے یا پڑھنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا وہ کب سے مشق سخن فرما رہے ہیں اس کا کبھی مجھے علم نہیں البتہ ان کے مجموعہ غزلیات کو دیکھنے سے یہ اندازہ کر لینا دشوار نہیں کہ وہ اس راہ کے ابتدائی مرحلوں سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ آج پہلی بار ان کی غزلیں میرے پیش نظر ہے جنھیں پڑھتے

ہوئے یہ بات بخوبی محسوس ہوتی ہے کہ اس شاعر کو شعور فن بھی ہے اور اسے برتنے کا سلیقہ بھی۔“
مضمون کا اختتام آپ کے چھوٹے بھائی جناب اقبال اعظمی صاحب کی ایک منقبت پر کرنا چاہوں گا جو انہوں نے ان کے وصال کے بعد ان کے اوصاف کو احساس کا جامہ پہنایا ہے میرے اپنے خیال میں ایک بھائی کی عظیم شخصیت کو اس بہتر انداز میں حرز جاں نہیں بنایا جاسکتا ہے ملاحظہ ہو۔

منقبت در شان جناب نثار احمد صاحب کریمی مرحوم

سجی ہے محفل یاراں کی اسی کی ہے
چراغ گل ہے مگر روشنی اسی کی ہے

گزر چکا ہے وہ اس راہ سے بہت پہلے
مگر فضاؤں میں خوشبو ابھی اسی کی ہے

رداں دواں ہے جو یہ کارواں سوئے منزل
اسی کی بانگ درا رہبری اسی کی ہے

جیسے جو حق کے لیے اور مرے بھی حق کے لیے
اسی کی موت ہے اور زندگی اسی کی ہے

ہو اس کی قبر پہ دن رات نور کی بارش
میرے خدا اسے حاجت ابھی اسی کی ہے

نثار اس پہ ہے اقبال یہ متاع حیات
متاع لوح و قلم دی ہوئی اسی کی ہے



تویر پھول (نیو یارک)

آفتاب آسمان نعت مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی کی دو مشہور نعتیں

دنیا نعت میں مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ ۱۴۱۴ء میں پیدا ہوئے اور ۷۸ سال کی عمر میں نومبر ۱۴۹۲ء میں وفات پائی۔ پندرھویں صدی کے صوفی شعراء میں وہ خاص مقام رکھتے ہیں۔ اُن کے مشہور شعری مجموعوں میں ”ہفت اورنگ“ اور ”تحفۃ الاحرار“ شامل ہیں۔ کون ہے جس نے اُن کی مشہور زمانہ یہ فارسی نعت نہ سنی ہو۔

و صلی اللہ علیٰ نور کزو شد نور ہا پیدا

ز میں از حب او ساکن، فلک در عشق او شیدا

اور اللہ کی رحمت ہو اُس نور پر جس سے (تمام) نور پیدا ہوئے، زمین اُس کی محبت میں ساکن (زلزلے سے محفوظ) اور آسمان اُس کے عشق میں شیدا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم، احمد صلی اللہ علیہ وسلم، وے را خالقش بستود

کزو شد بود ہر موجود، ازو شد دید ہا بینا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح محمد صلی اللہ علیہ وسلم، احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور محمود کہہ کر کی ہے۔ ہر موجود شے سے جو فائدہ اور نفع حاصل ہو رہا ہے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے صدقے میں ہے یعنی ۔

جو کچھ ہے آسمان میں، جو بحر و بر میں ہے

سب کچھ جہاں میں صدقہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے

اور چشم بصیرت کی بینائی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل ہے۔

ازو در ہر تن ذوق، وزو در ہر دل شوق

ازو در ہر زباں ذکرے، وزو در ہر سرے سودا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی کے صدقے میں ہر تن کو (جینے کا) ذوق اور ہر دل کو شوق اور اشتیاق

گوشہ

علامہ عبد الرحمن نور الدین جامی رحمۃ اللہ علیہ

یہاں اک نگار ہے خیمہ زن یہ حریم حُسن نگار ہے

یہاں محو جلوہ سردی وہ ہزار رشک بہار ہے

یہاں قدسیوں کا نزول ہے یہ دلیل حسن قبول ہے

یہاں سور ہا ہے وہ نازیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق زار ہے

(سید نفیس اکسینی نفیس۔ لاہور)

نصیب ہوتا ہے۔ اُن صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ہستی کی برکت سے ہر زبان کو ذکرِ الہی کی توفیق ملتی ہے اور ہر سر میں سودائے عشقِ حقیقی سماتا ہے۔

اگر نامِ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم را نیاوردے شفیق آدم

نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرقِ نجینا

اگر نامِ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا واسطہ نہ دیتے تو نہ آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح طوفان میں غرق ہونے سے

بچتے ۔

نہ ایوب از بلا راحت، نہ یوسف حشمت و جاہت

نہ عیسیٰ آں مسیحا دم، نہ موسیٰ آں یدِ بیضا

نہ ایوب کو بلا سے نجات پاکر راحت ملتی، نہ یوسف کو جاہ و حشمت نصیب ہوتی، نہ عیسیٰ و

مسیحیٰ کو ملتی اور نہ موسیٰ کو یدِ بیضا کا مجرہ ملتا ۔

دو چشمِ زرگینش را کہ مازاغ البصر خوانند

دوزلفِ عنبرینش را کہ واللیل اذا یغشی

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی دوزگی آنکھیں ہمیں ”مازاغ البصر“ پڑھنے کو کہتی ہیں اور دو عنبریں زلفوں کا

کہنا ہے کہ ہم ”واللیل اذا یغشی“ پڑھیں ۔

ز سرّ سینہ اش جامی الم نشرح لک برخواں

ز معراجش چمی پُرسی کہ سبحان الذی اسری

اے جامی! تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سینہء اطہر کے راز کے بارے میں ”الم نشرح لک“ پڑھ لے اور

اُن صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی معراج کی شان کا کیا پوچھنا کہ ”سبحان الذی اسری“ سے ظاہر ہے۔

مشہور نعت خواں قاری وحید ظفر قاسمی نے اس نعت کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے جو

انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

مولانا جامی کی یہ نعت بھی بہت مشہور ہے:

نسیم! جانبِ بطحا گزر گن ز احوالم محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم را خبر گن

اے بادِ نسیم! جب تو شہرِ بطحا سے گزرے تو میرے حال کی خبر حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دے دے۔

توئی سلطانِ عالم یا محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ز روءِ لطف سُوئے من نظر گن

یا محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ دو عالم کے سلطان ہیں، میری طرف بھی لطف و کرم کی نظر ہو ۔

بہ بر این جانِ مشتاقم بہ آں جا فدائے روضہء خیر البشر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم گن

میری جان اس بات کی مشتاق ہے کہ وہ خیر البشر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے روضے پر فدا ہو جائے ۔

مشرّف گرچہ شد جامی ز لطفش خدایا! ایں کرم بارِ دگر گن

اگرچہ جامی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس پر اُن صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا لطف ہوا، اے خدا! بارِ دگر یہ کرم

کر دے۔

ایک نعت گو شاعر ثار علی اجاگر نے اس فارسی نعت کا منظوم اردو ترجمہ اس طرح کیا ہے:

صبا! پھر جانبِ بطحا گزر کر مرے احوال کی اُن صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو خبر کر

تو ہی سلطانِ عالم ہے محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کرم اور لطف کی مجھ پر نظر کر

مری مشتاق جاں اُس در پہ لے جا ثارِ روضہء خیر البشر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کر

یہ جامی لطف اُن صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا پاچکا ہے خدایا! یہ کرم بارِ دگر کر

ڈاکٹر سید یحییٰ شیط (مہاراشٹر)

مولانا جامعی کی نعت نگاری

ازمنہ وسطیٰ کے فارسی ادب پر نظر ڈالی جائے تو دور سامانی میں ہمیں رودکی کے علاوہ کوئی دوسرا اہم شاعر دکھائی نہیں دیتا، مگر اس نے نعتیں لکھ کر نور احمدی سے اپنی آنکھوں کو منور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اگرچہ فارسی شاعری کے دورِ اوّل کا ممتاز شاعر مانا جاتا ہے مگر نقدِ بی شاعری سے اس کا بساط شاعری خالی نظر آتا ہے۔ عہدِ غزنوی تو فتوحات کا زمانہ ہے اور اسکی تاریخِ جنگ و جدال اور میدان کارزار کے معرکوں سے بھری پڑی ہے۔ اس دور کے فارسی ادب میں قدماء کے کارناموں کو بیان کرنے کی مختلف اصناف رائج تھیں۔ بالخصوص ”شاہ ناموں“ کے رواج سے فارسی میں محارباتی شاعری کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ فردوسی کا ”شاہنامہ“ اسی زمانے میں منصہ شہود پر آیا اور عوام الناس میں وہ مقبول بھی ہوا۔ فردوسی نے جہاں بادشاہوں کی تاریخ بیان کرنے میں اپنا زور قلم صرف کیا ہے وہاں نعتیہ اشعار قلم بند کرنے میں اس کا قلم سست دکھائی دیتا ہے۔ البتہ سلجوقی دور میں صوفیائے کرام کی تحریک نے جہاں انسانوں کے دلوں پر محنت کر کے انکے اندرون کو سنوارنے کے جتن کے وہاں گلستان شاعری کی تزئین کاری میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس زمانے کے مشہور شعراء میں باباطاہر، ابوسعید ابوالخیر، سنائی، نظامی، خاقانی، رومی، سعدی شیرازی، عراقی، امیر خسرو وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ یہ تمام شعراء اس وقت کے مشہور صوفی خانوادوں سے جڑے ہوئے تھے اور سالکانِ تشنگان کو اپنی فارسی کے ذریعہ درسِ تصوف دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے کے آخری شعراء میں مولانا جامعی کا کلام متصوفانہ شاعری کا گل سرسب مانا جاتا ہے۔

متصوفانہ شاعری میں نعت، روایتی نعت گوئی سے قدرے مشترک ہونے کے باوجود بعض مضامین میں اسکی فکری جہات ایک دم علاحدہ ہوتی ہیں۔ متصوفانہ نعتیہ شاعری میں مقام و منصب رسالت کے مضامین ہوتے ہیں، تعلیمات نبوی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ سیر و شکیل بھی اس میں بیان کے جاتے ہیں تو حیاتِ مبارکہ اور معجزات و واقعات نبوت بھی انتہائی عقیدت کے ساتھ نعتیہ شاعری میں

شامل کر لیے جاتے ہیں۔ مگر جہاں تک روحانیت کا متصوفانہ فکر و فلسفہ ہے وہاں شانِ نبوت کے بیان میں صوفیانہ طرز اور نعت کی روایتی اسلوب میں کافی فرق دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرز فکر کی وجہ سے اردو فارسی کی نعتیہ شاعری میں ”میم کا گھونگھٹ“، ”احمد بے میم“، ”مسئلہ امتناع النظر“، ”مدینے کا پیا“، ”کملی والا“، ”دیدار خداوندی سے مشرف“، ”شہزادہ لولاک“، ”آقا و مولیٰ“، ”بگڑی بنانے والا“، ”ذاتِ اوّل و آخر“، ”ظاہر و باطن“، ”عالم الغیب“ وغیرہ کی تراکیب کو اوصافِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کر لیا گیا ہے۔ بعض اوقات عقیدت کا یہ غلو حد و دشریعہ کو پھلانگ جاتا ہے اور عقیدے کے مبالغہ میں شانِ الوہیت میں استخفاف کا پہلو نکل آتا ہے۔ اسی لیے اکثر عقیدت مند ان رسول اور صوفی شعراء نے حب رسول کے اظہار کے لیے اپنے نعتیہ کلام میں احتیاط برتی۔ جامعی کا شمار ایسے ہی محتاط شعراء کے سلسلے میں ہوتا ہے۔

مولانا نور الدین جامعی فارسی ادب میں اپنی مثنویوں اور نعتیہ شاعری کے لیے معروف ہیں۔ وہ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۵ھ میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خسرو کی طرح ان کا ادبی سرمایہ بہت سارا ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ سے بیعت ہونے کے بعد جامعی نے علم و عرفان کے کئی مدارج طے کیے اور سالکانِ تشنگان کی علمی و روحانی پیاس بجھانے لگے۔ انکی نعتیہ شاعری کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں حب رسول کو حکمت و عرفان کے موتیوں سے جڑا گیا ہے۔ جامعی نے مضامینِ نعت میں ایسے نکلتے نکالے ہیں کہ اہل دل کی زبانوں پر آفریں و شادباش کے کلمات اتر آتے ہیں۔ نعت کا یہ طرز انکی روحانی کیفیات کی غمازی کرتا ہے۔ انکی نعت نگاری کی اصل خوبی اس میں پائی جانے والی اضطرابی، مہجوری اور تضرع و الحاح کی کیفیات کے ساتھ غم فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضوری کی تمنائے بے تاب والے مضامین کی افراط ہے۔ انہوں نے اپنی تخلیقات میں جہاں نعت کو جگہ دی ہے وہاں قصیدہ پردہ کا فارسی میں منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ انکا نعتیہ کلام علم و عرفان اور متصوفانہ مضامین کی وجہ سے بعض جگہ نہایت ادق محسوس ہوتا ہے۔ اور جب تک اسکی تفریح نہیں ہو جاتی وہ سمجھ سے بالاتر دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے نعتیہ اشعار میں بعض مضامین ایسے بھی شامل کر لیے ہیں کہ قاری معنوی تہوں کو کھولتے کھولتے حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ ذیل میں انکی نعت کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

مطلع دیباچہ ایں ابجد است پیش ترین حرف کہ در حمد است
نقطہ وحدت چو قد افراختہ از پی احمد لکے ساختہ
کرد چو قطر آں الف مستقیم دائرہ ہائی ہویت دو نیم

نیچے از اں قوس جہان قدم قوس دگر ممکن رو در عدم

(جامی! تحفہٴ احرار! کشمیری بازار، لاہور ص ۲۵)

نعت کے ان اشعار میں جامیؒ نے حضرت محمد ﷺ کی حقیقت مرتبہ اور وجود روحانی کو تمام امکانات پر مقدم کر دیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے نام رسول ﷺ ”احمد“ میں حرف ”الف“ کی یوں تشریح کی ہے کہ ”احمد کا الف دیباچہ کا آغاز ہے۔ یہ الف وحدت کے نقطے کے سر سے نکلا ہے۔ اس الف نے ”ہویت“ کے دائرے کی ”ہ“ کو قطر کی طرح دو نیم کر دیا۔ یعنی حرف ”ہ“ الف کی وجہ سے دو نیم (ہ) ہو گیا۔ اس کا ایک قوس جہان قدم دوسرا قوس عدم امکان بن گیا۔ آخری شعر کے ان پیچیدہ معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیائے فانی وجود میں آئی۔ یہاں جامیؒ کا اشارہ ”لولاک لما خلقت الافلاک“ کی جانب ہے، جس میں آپ کی بعثت کی وجہ سے کائنات کے پیدا کئے جانے کا ذکر ہے۔ جامیؒ آگے ارشاد فرماتے ہیں ۔

بود ز رخ شمع نبوت فروز آب ندیدہ گل آدم ہنوز

رفعت از دمنبر افلاک را رونق از دخطبہ لولاک را

جزنی آں شاہ رسالت مآب چرخ نزدخمہ زریں طناب

یعنی خدا نے آپ کے چہرے سے نبوت کی شمع روشن کی جبکہ ابھی آدم کی مٹی میں پانی نہ لایا گیا تھا۔ یہاں ”کنخت ننبیا“ والی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جامیؒ آگے فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے منبروں کو اسی سے مرتبہ ہے اور لولاک کے خطبے کو اسی سے رونق حاصل ہوئی۔ آسمان نے زریں طناب کا خیمہ شاہ رسالت مآب کی خاطر ہی گاڑا ہے۔ آگے شاعر کہا تا ہے کہ طوبیٰ کی قامت آپ ﷺ کے قد کا ایک سایہ ہے اور سدرہ آپ ﷺ کی بزرگی کی شاخ کا ایک مقام ہے۔ آپ ﷺ کے کرم کے پیالے کی تراوش نہر سلسبیل ہے اور آپ ﷺ کے حرم کا پرندہ جبرئیل ہے۔ آپ ﷺ کی پیشانی نور میں ہے۔

جامیؒ نے واقعہٴ معراج کو بھی اپنی نعتوں کا موضوع بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ:

”معراج آپ ﷺ کی زندگی کے آفتاب کی ایک چمک ہے۔ وہ ایک رات صبح سے زیادہ خوش

آسند اور دنوں سے زیادہ کامیاب تھی۔ اس رات کے گیسو سعادت کی خوشبو پھلانے والے تھے اور اس روشنی نور سعادت بڑا احانے والی تھی۔ لطف کی بجلی اس رات میں درخشاں تھی اور عنایت کے بادل اس میں گہر فشاں تھے۔ وہ آقا جس کے دونوں جہاں غلام ہیں اس کی لازوال دولت نے اس رات یاوری

کی۔ اس رات ملائکہ کی ولایت سے ایک قاصد بجلی صفت براق لایا، جس کا بدن سراسر نور تھا۔ وہ اشہب شہاب ستارے کی طرح بلندی طے کرنے والا تھا۔ اس کی رفتار کمان سے تیر نکلنے کی طرح تھی۔ اس کا کودنا گویا مکان کے طے کر لینے کی دلیل تھی۔ اس کے قدم سے نگاہ آگے نہ جاتی۔ اس کا قدم کو رکھنا ہی تھا کہ وہ بیت المقدس پہنچ گیا۔

جامیؒ نے اس کے بعد تمام افلاک کے احوال بیان کیے ہیں۔ اس معر جیہ نعت کی خوبی یہ ہے کہ اس میں علم نجوم کے دقائق کو بیان نہیں کیا گیا اور واقعات معراج کی شاعرانہ توضیح کو ترجیح دی گئی ہے۔

جامیؒ نے ایک نعت میں نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ آپ کے معجزوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ پوری نعت اشاروں کنایوں میں کہی گئی ہے۔ جامیؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے معجزے گنتی اور حد سے بڑھ کر ہیں۔ گویا ان کا کمربند ان کا حاطہ نہیں کر سکتا۔ شق القمر اور رد الشمس یا نواصب شمس کے متعلق جامیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی وجہ سے خرقہٴ ماہ چاک ہوا اور سورج تو آپ ﷺ کا غلام ہے۔ قصر نبوت جب سے بلند ہوا نوشیرواں کا ایوان ٹوٹ گیا۔ بادل آپ ﷺ کے سر پر چتر تانتے ہیں۔ اور آفتاب آپ ﷺ کے چتر کا سایہ نشین ہے اس لیے کسی نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کا سایہ تو بس نور تھا۔ نور۔ سیاہ پتھر آپ ﷺ کی مٹھی میں تسبیح کرنے لگے اور آپ ﷺ کی انگلیوں سے سمندر موجزن ہو گیا۔ جس سے ہزاروں بھوکوں اور پیاسوں کی بھوک اور پیاس مٹی۔ درخت آپ ﷺ کے حکم سے چل پڑا۔ جب آپ ﷺ کے لب نے بکری کے گوشت کا لقمہ لیا تو لقمہ آپ ﷺ کے لبوں کے درمیان رو رو کر کہنے لگا کہ مجھے مت کھاؤ، مجھ، میں زہر ہے۔ ایک نعت میں جامیؒ بارگاہ رسالت میں التماس کرتے ہیں کہ۔

”اے یثرب کے خیمے میں سوئے ہوئے، اٹھ کہ مشرق و مغرب خراب ہو گیا ہے۔ زمانے کو سرکشی سے نجات دے۔ اسلام کو بیماری سے شفا دے۔ مسیح مہدی کے پنگھوڑے کو آسمان سے نیچے لا اور دجال کا سامان اس کے گدھے پر ڈال کر اسے عدم کی طرف لوٹا دے۔

ملک کی حکومت کو کمینوں سے چھین اور یہو قوفوں سے انکی جمع کردہ پونجی کھینچ لے۔ بدعتیوں کو سنت کی راہ دکھا اور عبادت گاہوں کو رونق بخش دے۔ مکر کرنے والوں کے لباس مکر کو پھاڑ ڈال اور فریبیوں کا خاتمہ فرما دے۔“

جامیؒ نے ایک نعت گنہگاروں کی شفاعت طلبی میں رقم کی ہے۔ اس میں تضرع و الحاح اوج پر دکھائی دیتا ہے۔ شاعر کی بے بسی، بے کسی کے احساس میں اضطراب و بے قراری کی جھلک نمایاں ہے

نبی پاک ﷺ سے استمداد اور شفاعت کی امید میں تڑپ بھی شامل ہے اور اسی اضطراری کیفیت کے ساتھ کہتے ہیں۔

”میری طبع کی طولی جو آپ ﷺ کی مداح ہے، آپ ﷺ سے ایک بات کی آرزو رکھتی ہے۔ گناہ نے میری راہ میں کانٹے ڈال دیئے۔ اے رسول خدا آپ ﷺ میری شفاعت کیجئے۔ تاکہ یہ بوجھ میری گردن سے گر جائے اور میرے گناہوں سے مجھے رہائی مل جائے تو میں گناہوں سے پاک ہو کر آپ ﷺ کی خاک چوموں اور اپنا منہ آپ ﷺ کی تربت مبارک پر رکھوں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ اس سخت غموں کی وجہ سے میرا قد خمیدہ ہو گیا ہے۔ میں گنہگار آیا ہوں اور آپ ﷺ کے کرم اور شفاعت کا منتظر ہوں۔ آپ ﷺ اپنی ہاتھ کی انگلی سے میرے گردن پر گداز کر دیجئے تاکہ آسمان کی گردش سے میری حفاظت ہو جائے۔ وہ دائرہ میرے لیے حفاظت کا قلعہ بن جائے اور زمانے کے مظالم اور آسمان کے خطرے سے میں محفوظ ہو جاؤں۔

مولانا جامعی کی مشہور تصنیف ”یوسف زلیخا“ بھی ہے۔ یہ مثنوی صوفیائے کرام کے نزدیک تصوف کا گل سرسبد مانی جاتی ہے۔

مثنوی میں تمام عناصر ترکیبی موجود ہیں۔ تحفہ احرار کی طرح ”یوسف زلیخا“ میں نعت کا چہرہ مہرہ اور خیالات و افکار کم و بیش ایک جیسے ہیں، ہاں کہیں کہیں الفاظ، تراکیب و اصطلاحات تبدیل ہوئے ہیں۔ جیسے دائرہ دو نیم ہو کر دائرہ میم کا دو قوس بن جانا وغیرہ، جہاں تک واقعہ معراج کے نظم کرنے کا تعلق ہے تو جامعی نے وہی روایتیں نقل کی ہیں جو بالعموم رائج ہیں۔ کہیں کہیں ان میں جدت پیدا کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے۔ مثلاً جہاں براق کی تیز رفتاری کا ذکر ہے وہاں اسکی یہ صفات بھی بیان کی گئی ہیں کہ ”وہ ایسا گھوڑا ہے کہ نہ کسی نے اس کی باگ پکڑی اور نہ کسی کے پاؤں سے اسکی رکاب گھسی۔ شاعر نے اس مثنوی میں امیر خسرو کی ”نہ سپہر“ کی طرح اصطلاحات علم نجوم کا بھی مناسب استعمال کیا ہے اور عطارد، زہرہ، قمر، آفتاب، مریخ، مشتری اور زحل کی بخوبی خصوصیات کا لحاظ رکھ کر انکے اوصاف بیان کیے ہیں۔ خسرو کی طرح ”نوافلاک“ کا تصور جامعی کی نعت میں بھی پایا جاتا ہے۔ ساتویں آسمان کے سردار ”زحل“ کی مشکلیں آسان کرنے کے بعد آپ ﷺ کی سواری اٹھیں آسمان پر بنات العرش، ”پروین“ اور سرطائر ستاروں سے ملاقات کے بعد نویں آسمان پر پہنچتی ہے وہاں براق کی بجائے رُفرف آپ کی سواری ہو جاتی ہے۔ وہاں سے آپ ﷺ عرش معلیٰ پر پہنچتے ہیں۔ یہ مقام ”لامکاں“ ہے۔ یہ ایسی جگہ ہے جس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ جامعی اسی لیے کہتے ہیں کہ ”تو گفتار کا قدم

اپنی حد سے باہر مت رکھ اور اس دریا سے جس کا کنارہ بے پایاں ہے، وہاں سے باہر نکل۔ اس جامے شہادت

جامعی کی ”سبحۃ الارار“ بھی ایک مثنوی ہے۔ اس کے نعتیہ اشعار نہایت رواں ہیں اور خود سپردگی کی کیفیات سے مملو اشعار عشق رسول ﷺ کی شہادت دیتے ہیں۔

اے قمر طلعت مکی مطلع مدنی مہد، یمانی برقع
قاب تو سین عیاں زابرویت نقش خم خم گیسویت

انکی مثنویات ”لیلیٰ مجنوں“ ”سلسلۃ الذہب“ ”خردنامہ سکندری“ اور مثنوی سلاماں، میں نعتیں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ انکی کلیات کی غزلوں میں بھی نعتیہ عناصر مل جاتے ہیں۔ ذیل میں جامعی کی چند مشہور نعتوں کے منتخب اشعار درج ہیں۔

نسبہا جانب بطحا گزر کن ز احو الم محمد را خبر کن
مشرف گر چہ شد جامعی ز لطف خدا یا ایں کرم بار دگر کن

☆

ز مجبوری برآمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم
اگر چہ غرق دریائے گناہم فتادہ خشک لب برخاک راہیم

☆

تم فرسودہ، جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللہ دلم پردرد آوارہ ز عصیاں یا رسول اللہ
شب و روز از شکیبائی ز حد گشتم تمنائی مخلوت سوئے من آئی خراماں یا رسول اللہ
ز جام حب تو مستم بہ زنجیر تو دل بستم نمی گویم کہ من ہستم سخن داں یا رسول اللہ
بوقت نزع در مانم، رود از تن بروں جانم نگہ داری تو ایمانم ز شیطان یا رسول اللہ
چو بازوئے شفاعت را کشای برگنہ گاراں ز دیدن خون دل ریزم فراواں یا رسول اللہ

مذکورہ بالا نعتیہ اشعار میں جامعی کا تضرع، فراق، شوق، حضوری، دل رنجوری، بے بسی، خوف گناہ اور شفاعت کی اس تمام کیفیات جمع ہو گئی ہیں۔ حب رسول ﷺ ان اشعار میں چھلک پڑتا ہے۔ یقیناً جامعی کی نعتیہ شاعری کبھی بھی صرف نظر کا شکار نہ ہوگی اور حب رسول ﷺ کی یہ شیخ دوسروں کو بھی روشن کرتی رہے گی۔

ڈاکٹر رضوان انصاری (لکھنو)

حضرت عبدالرحمن جامی نادر روزگار شخصیت

سرزمین ہند جو عہد قدیم سے اہل تصوف اور اہل اللہ کی ضیا بارگزنوں سے روشن اور منور ہے اور یہاں کے باشندوں کے قلوب کو اپنے مواعظِ حسنہ سے راہِ مستقیم دکھا کر خدا اور رسول آشنا بنایا۔ ان میں خراسان، سمرقند، بخارا، بغداد اور ہرات جیسے مردم خیز مقامات کا کلیدی کردار رہا ہے۔ یہاں کے صوفیائے کرام رشد و ہدایت کا پیغام لیکر دنیا کے مختلف گوشوں کے ساتھ ہندستان میں بھی تشریف لائے۔ یہ صوفیائے گرام زیادہ تر فارسی زبان و ادب کے شاعر اور نثر نگار ہوئے ہیں۔ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان سے منسوب یہ اشعار ضرب المثل ہو چکے ہیں۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد نہ داد در دست یزید تھا کہ بنائے لالہ است حسین
بعینہ مولانا شیخ سعدی کا یہ شعر آپ اپنی مثال ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
تصوف، صوف سے مشتق ہے جس کے معنی پشیمین پہننا یعنی اون کا کبیل اور ہنا۔ یہ عربی ہے۔ اصطلاح میں خواہش نفسانی سے پاک ہونا، ہر شے میں جلوہ الہی کا مشاہدہ کرنا۔ ایسے حضرات صوفی کہلاتے ہیں۔

جب فاتح کی حیثیت سے اہل عرب، ایران آئے تو ان کے بود و باش اور مذہبی نیز غیر مذہبی رسم و رواج اہل ایران نے قبول کیے۔ انہیں میں تصوف بھی ہے۔

تصوف کی جانب لوگوں کے رجحان دو وجوہات سے پائے جاتے ہیں۔ ۱۔ حالات ۲۔ ماحول۔ ایران کے ملکی حالات اکثر پرتسدد اور انقلابات سے گزر رہے ہیں۔ ان حالات میں ملک کے حساس طبقے کا ذہنی و فکری رجحان تصوف کی جانب مایل ہونا امر لازم ہے۔ اسکی مثال اردو میں دلی کا دبستان

شاعری ہے۔ چونکہ شاعر ایک حساس فکر و شعور کا مالک اور معاشرہ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے شاعر کا کلام ملک و قوم کا ترجمان بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں میر تقی میرؔ اور خواجہ میر دردؔ ہلوی کا ایک ایک شعر بات کی وضاحت کے لیے درج کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شہا کہ کل جواہر تھی خاک پا جن کی
انہیں کہ آنکھوں میں پھرتی سلائیوں دیکھی
(میرؔ)

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
(خواجہ میر دردؔ ہلوی)

زیر نظر مقالہ فارسی زبان و ادب کے عظیم المرتبت اور بزرگ ترین صوفی شاعر حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؔ کی حیات اور شاعری پر مبنی ہے۔ ہزار بار بشویم دہن را ز مشک و گلاب ہنوز نام تا گفتن کمال بے ادبی است



ز مہجوری بر آمد جان عالم
تر خم یا نبی اللہ ترخم

متذکرہ بالا اشعار کے خالق مولانا جامیؔ ہی ہیں۔ نویں صدی ہجری کی ایران کی ممتاز ترین شخصیتوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان میں سب سے زیادہ جاذب نگاہ مولانا جامیؔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی نظر آتے ہیں۔ آپ جس مرتبہ کے شاعر ہیں اس سے بلند تر مرتبہ کے عالم اور صوفی کامل ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے زمانہ ظاہری میں صرف خراسان اور ایران ہی میں شہرت اور مقبولیت حاصل نہیں کی، بلکہ افغانستان و ہندستان، ماورائے انہر و ایشیائے کوچک اور دیگر دور دراز کے ممالک میں بھی وہ مقبولیت حاصل کی کہ جس کا جواب نہیں۔ ہر صوفی اور عالم ان کے اشعار و اقوال پر سر دھنتا ہے۔

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمن، لقب نور الدین اور تخلص جامیؔ ہے۔ یہ خراسان کے ایک چھوٹے سے قصبہ جام میں ۲۲ شعبان ۷۱۷ھ مطابق ۷ نومبر ۱۳۱۴ء کو بوقت عشا پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب امام محمد شیبانیؔ تک پہنچتا ہے۔ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم، زاہد اور مجتہد ہوئے ہیں۔ ان کے والد نظام الدین احمد بن محمد الدمشقی تھے، جو نہایت عابد و متقی ہوئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم اپنی جائے ولادت جام میں حاصل کی۔ پھر فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ہرات، مشہد اور بغداد جیسے مرکز علوم کا سفر کیا۔ معقولات و منقولات میں کمال تامہ کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ اس وقت کے عظیم المرتبت روحانی دنیا کے بزرگ صوفی شیخ سعدی کاشغری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ شیخ موصف نے اپنے مرید کی پیشانی کو نظر باطنی سے پڑھا اور بقول سعدی شیرازی۔

بالائے سرش ز ہوش مندی می تافت ستارہ بلندی

اپنے روحانی بیٹے کی ایسی تربیت فرمائی کہ مولانا جاجی علیہ الرحمہ اپنے پیر طریقت کے پردہ فرمانے کے بعد سجادہ نشین قرار پائے۔

مولانا جاجی علیہ الرحمہ نے اپنی تاریخ ولادت کے ضمن میں یوں کہا ہے۔

بسال ہشت صد و ہفدہ ز ہجرت نبوی کہ زد مکہ بہ یثرب سراوقات جلال
ز اوج قلعہ پرداز گاہ عز و قدم بدیں حنیض ہواں سست کردام پروبال
آپ نے اپنا تخلص جاجی اختیار کرنے کے بارے میں فرمایا کہ۔

مولد م جام ورثہ قلم جرمہ جام شیخ الاسلامی است
لا جرم در جریہ اشعار بدو معنی مخلصم جاجی است

رب العالمین نے مولانا جاجی علیہ الرحمہ کو دار فانی کی کل ۸۱ سال کی زندگی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے ساری عمر علمی، ادبی اور عرفانی خدمات میں بسر کی۔ انکی پوری زندگی تین ادوار میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

دور اول۔ حصول علوم وفنون کا زمانہ۔ جو زیادہ تر ہرات میں اور سمرقند میں گزرا۔ اس عہد کے ان کے مشہور و معروف اساتذہ میں خواجہ علی سمرقندی اور قاضی زادہ رومی وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص ہیں۔ دور دوم۔ یہ زمانہ تصنیف و تالیف پر مشتمل رہا، مگر اس دور میں زیادہ تر غزلیات و قصاید پر توجہ مرکوز رہی۔

دور سوم۔ یہ آپ کی زندگی کا سب سے اہم اور انقلاب آفریں رہا ہے۔ بلکہ پختہ شعور اور عرفان و تصوف کا زمانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی زمانے میں مولانا باقاعدہ سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے اور خواجہ سید بہاء الدین عمر بخاری رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۹۱۰ھ) کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر عرفانی و روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل کیا۔ سید صاحب اپنے دور کے بہت بڑے

عالم و عارف باللہ اور صاحب عرفان بزرگ تھے۔ جن کی بزرگی کا شہرہ دور دور تک تھا اور شاہان وقت انکی عظمت کے قایل اور علم و عرفان کے معترف تھے۔ ان کے علاوہ خواجہ احرار (وصال ۸۹۵ھ) اور مولانا سعد الدین کاشغری (وصال ۸۶۰ھ) سے بھی مستفیض ہوئے۔ ان تینوں عارف باللہ بزرگوں نے مولانا جاجی رحمۃ اللہ علیہ کو کندن سونا بنا دیا۔

مولانا عبدالرحمن جاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عرفانی زندگی پر روشنی دالتے ہوئے ڈاکٹر رضا زادہ شفق رقم طراز ہیں۔

”بچپن میں جاجی اپنے والد کے ساتھ ہرات آئے۔ اس کے بعد سمرقند تشریف لے گئے۔ یہ مقامات اس زمانے میں اسلامی علوم اور ایرانی ادب کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ آپ نے یہاں علم ادب کی تحصیل کی اور دینی علوم و ادب و تاریخ میں کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ نے عالم عرفان میں قدم رکھا۔ اور سیر و سلوک کی دنیا میں پہنچ گئے محمد بن محمد کاشغری، خواجہ علی سمرقندی اور قاضی زادہ رومی جیسے استادوں اور مرشدوں کی پیروی شروع کی۔ اسی طرح آپ نے ریاضت کے راستے پر قدم رکھا۔ روز بروز معنوی مقامات میں ترقی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ طریقہ نقشبندیہ (جس کے موسس حضرت بہاء الدین نقشبند ہونے لگے) کے مرشدان کامل میں شمار کے جانے لگے۔ چنانچہ نقشبندی خلیفہ سعد الدین کاشغری کی وفات کے بعد اس طریقہ کی خلافت آپ کو ملی۔ آپ اپنے زمانے ہی میں مشہور عوام و خواص ہو چکے تھے۔“ (تاریخ ادبیات ایران، ص ۴۲۷)

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ مولانا جاجی علیہ الرحمہ والرضوان اس دنیائے فانی میں کل ۸۱ سال زندہ رہے چنانچہ آپ کا وصال ۱۸ محرم ۸۹۸ھ مطابق ۹ نومبر ۱۴۹۲ء بروز جمعہ بوقت اذان جمعہ بمقام ہرات میں ہوا۔ اور اپنے استاذ پیر طریقت اور خسر مولانا سعد الدین کاشغری کے مزار شریف کے پہلو میں خواب سردی میں آرام فرمانے لگے۔ مولانا جاجی علیہ الرحمہ والرضوان کی رحلت اور اس سے قبل کا آنکھوں دیکھا حال ان کے شاگرد رشید مولانا رضی الدین عبدالغفور کچھ اس طرح رقم طراز ہیں۔

”معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کے آخری دنوں میں مولانا جاجی کو اپنے سفر آخرت کی اطلاع ہو گئی تھی۔ چنانچہ برابر وہ اُس کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے۔ اور جدائی کے متعلق مختلف اوقات و مواقع پر اشارات کرتے رہتے تھے۔ اس دوران میں اکثر یہ اشعار ان کے ورد زباں رہے۔

دریغا کہ بے ما بے روزگار بروید گل و بشکفتد بہار
بے تیرو وے ماہ دارو بہشت بیاید کہ ما خاک باشیم و خشت

انتقال سے تین روز قبل حاضرینِ صحبت میں سے ایک صاحبِ عرفان کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ گواہ رہنا کہ ہم کو اب کسی سے کوئی بھی دل بستگی نہیں رہی ہے۔ آخر ۱۸ محرم بروز جمعہ صبح چاشت کے وقت آثارِ رحلت ظاہر ہونے لگے۔ لوگوں نے آیۃ الکرسی اور سورۃ یٰسین پڑھنا شروع کی کچھ دیر بعد خود ہی فرمانے لگے ”ہم چین“ گویا کسی نے اُن کو کسی بات کی خبر دی ہے جو بالکل جو اُن کی مرضی کے مطابق ہے۔ پھر آپ نے نماز کا قصد کیا اور باقاعدہ ہاتھ باندھ کر ”وَجْهَتُ وَجْهِي لِلذِّی“ با آواز بلند کہا اور دو رکعت نماز شروع کر دی۔ پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون پڑھی اور دوسری میں قل هو اللہ احد۔ پڑھی کسی قسم کی بے چینی یا پریشانی کے آثار چہرے سے ظاہر نہ ہوتے تھے۔ جیسے ہی موزن نے نماز جمعہ کی اذان دی آپ کی روح دار البقا کی طرف پرواز کر گئی“ (حاشیہ نجات الانس) حضرت مولانا عبدالرحمن جاجی علیہ الرحمہ والرضوان کی تدفین دوسرے روز یعنی منیچر کو ہوئی۔ بادشاہ وقت ابولغازی سلطان حسین بہادر خاں، شاہر دگان۔ امر اوزر اور بزرگانِ زمانہ نے بڑے شوق و احترام کے ساتھ شرکت کی۔

مولانا جاجی علیہ الرحمہ کا مزار پاک ہرات کے شمال مغرب میں تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اُن کے مزار شریف کی تعمیر و تزئین میں بادشاہ وقت کے ساتھ اُن کے بعد امیر حبیب اللہ خاں اور احمد شاہ بابا وغیرہ نے خصوصی دلچسپی لی۔ مولانا علی جاجی علیہ الرحمہ کا مزار اقدس عصرِ حاضر میں بھی مرجعِ خلائق خاص و عام ہے۔ ہرات اور اردگرد سے ہندوگانِ خدا شنبہ کے روز مزار اقدس پر حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ ۔

ہر کہ آید یومِ شنبہ در طوافِ مولوی

ہر طوافِ مولوی ہفتاد حج اکبر است

آپ کی تاریخِ رحلت مندرجہ ذیل قرآن کی آیت سے نکالی گئی اور قطع میں یوں کہا گیا ہے ۔

جای کہ بود مائلِ جنتِ مقیم گشت

فی روضۃ مخارۃ ارضہا السَّمَا

کَلْبِ قِضَا نَوْشَتِ رَوَاں بِرِ دَرِ بَہِشَتِ

تَارِیخُہٗ وَ مِنْ دَخَلِہٖ کَانَ آمَن

۱ ۵۸۹۸ھ

یہ قطعہ تاریخ آپ کی مزار پاک پر کندہ ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمن جاجی علیہ الرحمہ جس دن سے حضرت خواجہ سید بہا الدین عمر بخاری نقشبندی کے سلسلہ طریقت میں داخل ہو کر حضرت مولانا سعد اللہ بن کاشغری سے مرید ہو کر ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اُس دن سے ان کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ اور سلوک و عرفان نیز تصوف کے راہ پر گامزن ہو گئے۔ حضرت مولانا جاجی علیہ الرحمہ نے راہِ تصوف کیوں اختیار کیا۔ اُس کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں ۔

زِدَمِ قَدَمِ بَصْفِ صُوفِیَانِ صَافِی دِل

کہ نیست مقصدشان از علومِ جزِ اعمال

دنیا میں صوفی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ پانی میں لُٹخ جس طرح لُٹخ پانی میں رہتی ہے۔ لیکن پانی اس کے پروں کو پرواز سے نہیں روک سکتا۔ اسی طرح صوفی دنیا میں رہتے ہوئے بھی علائقِ دنیوی سے آزاد رہتا ہے۔ مولانا عبدالرحمن جاجی علیہ الرحمہ نے عرفان کی وہ منزلیں طے کر لی تھیں جن کے بعد وہ حضرت مولانا سعد الدین کاشغری کے محبوب بن گئے تھے۔ وہ دنیا کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسانی زندگی کا ہر لمحہ مشیتِ ایزدی کا تابع ہوتا ہے۔ اور اس میں رد و بدل کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ انسان دستِ قدرت میں محض ایک کھلونا ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ آفتابِ حقیقت کی منزل بہت بلند ہے اور اس تک اس وقت رسائی ہو سکتی ہے جب انسان دونوں جہانوں سے گزر جائے۔ مولانا سمجھتے تھے کہ بندگیِ نفس سے نجات تزکیہِ باطن کے لیے ضروری ہے اور جب نفس کی غلامی سے نجات مل جاتی ہے تو عارف کو ہر شے میں جلوة الہی نظر آتا ہے۔ فہم و ادراک انسانی حقیقت ازلی اور ذات الہی کا حصار نہیں کر سکتی۔ دنیا بے حقیقت شے ہے اور ذات الہی کے ماسوا جو کچھ بھی ہے اس کی حیثیت سراب سے زیادہ نہیں۔ عقلمند وہ ہے جو ان سے دل نہیں لگاتا۔ مولانا عبدالرحمن جاجی علیہ الرحمہ نے ان خیالات کا جا بجا اپنے کلام میں اظہار کیا ہے۔ اور اُن کا خلوص اظہار اس بات کا شاہد ہے کہ جن کیفیتوں کو اُنہوں نے بیان کیا ہے وہ اُن سے گزر چکے ہیں۔ اپنے ان عارفانہ خیالات کے اظہار میں بھی عُدتِ فکر سے کام لیا ہے۔ مولانا عبدالرحمن جاجی علیہ الرحمہ والرضوان فنا فی اللہ والرسول تھے۔ وہ عشقِ رسول ﷺ میں سرشار رہا کرتے تھے۔ وہ غمِ جدائی میں مایہ بے آب کے مثل بے چین و بے قرار رہتے تھے۔ چنانچہ اپنے دل کی کیفیت کا اظہار یوں کرتے ہیں ۔

تم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللہ ﷺ

دلِ پشمرده آلودہ ز عصیاں یا رسول اللہ ﷺ

چوں سوئی من گزر آری من مسکین ز ناداری
فدائے نقشِ تعلیمت کنم جاں یا رسول اللہ ﷺ
ز جامِ حبّ تو مستم بہ زنجیر تو دل بستم
نمی گویم کہ من ہستم سخن داں یا رسول اللہ ﷺ

مولانا عبدالرحمن جاجی علیہ الرحمہ کی شخصیت جامع الصفات تھی۔ وہ بیک وقت مختلف علوم و فنون میں کمال تامہ رکھتے تھے اعلیٰ تصنیفات تقریباً ایک درجن ہیں جن میں زیادہ تر تصوف اور عرفان پر مبنی ہیں۔ چند کا ذکر اجمالی طور سے کیا جا رہا ہے۔

۱۔ ہفحات الانس۔ یہ معرکہ الآراء تصنیف اولیائے کرام کے تذکرہ پر مستمل ہے جو ۸۳۳ھ میں تالیف ہوئی۔ آغاز کتاب میں تصوف کے موضوع پر بہت بسیط بیان ہے۔ اولیائے کرام کے حالات تاریخی ترتیب سے تحریر کئے گئے ہیں زبان نہایت سلیس و رواں ہے۔

اس کتاب کی اصل محمد بن حسین سلمیٰ نیشاپوری متوفی ۸۱۲ھ کی عربی کتاب ”طبقات الصوفیہ“ ہے۔ مولانا عبدالرحمن جاجی علیہ الرحمہ نے امیر علی شیر نوائی کی فرمائش پر اسے نے سرے سے فارسی ادب کی شکل دی۔ جس میں کل ۶۱۴ علمائے صوفی اور اولیا کا تذکرہ ہے۔ اور اپنے زمانے تک کے اولیا و صوفی شعرا کو جگہ دی ہے۔

۲۔ نشو و بند النبوہ۔ یہ کتاب ۸۸۵ھ میں مکمل ہوئی۔ اس میں حضور سرورِ دو عالم ﷺ کے مقاماتِ ارفع و اعلیٰ اور صحابہ کرام کے حالات ہیں۔

۳۔ اشعة اللمعات۔ یہ فخر الدین عراقی کے لمعات کی شرح ہے۔ جو آپ نے ۸۸۵ھ میں تحریر کی تھی۔ اس میں دقائق و معارف اور تصوف کا بیان نہایت آسان زبان میں کیا گیا ہے۔

۴۔ لوائح جامی۔ یہ کتاب تصوف کے موضوع پر لاثانی اور لا جواب ہے۔ طرزِ نگارش نہایت شگفتہ ہے۔ اس میں ردیف و قافیہ کا اجتماع اس طرح ہے گویا نثر میں شاعری کی گئی ہے۔ ”لوائح جامی“ آپ کے آخری دور کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کی سالِ تصنیف ۹۰۷ھ ہے۔

مولانا جاجی علیہ الرحمہ جس مسلکِ تصوف کے مبلغ اور پیروکار تھے وہ شیخ محی الدین ابن عربی کا مسلک ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ عشقِ حقیقی کے توسط سے انسان سعادتِ سرمدی حاصل کر سکتا ہے۔ اصل شاہد و مشہود و شہود سب ایک ہی ہیں۔ انسانی زندگی ایک گوزہ کے مثل ہے۔ جس کو مُجذد برف سے بنایا گیا ہے۔ اور اس میں پانی بھر دیا گیا ہے۔ بصورتِ موجودہ یقیناً گوزہ برف اور اُس میں بھرا ہوا پانی دو

ممتاز و مختلف اشیاء ہیں لیکن سورج اپنی نمازت سے جب گوزہ کو پگھلانا شروع کرتا ہے تو یہ امتیازی شان ختم ہو جاتی ہے۔ گوزہ برف پانی میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اور پانی جو گوزہ برف کے مانند سرد و یک جان ہے۔ اسی طرح حقیقتِ مطلقہ جب تعینات کی صورت اختیار کرتی ہے تو متعدد اور مختلف معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب آفتابِ احدیت چمکنا شروع کرتا ہے۔ اور کسی اہل عرفان کا دلِ نازک آگینہ سے واقف ہو جاتا ہے تو بجز حقیقتِ مطلق کے کوئی شئی باقی نہیں رہتی۔

صیاد ہم او، صید ہم او، دانہ ہم او

ساقی و حریف و می پیمانہ ہم او

مولانا جاجی علیہ الرحمہ کی شاہکار تخلیق لوائحِ پر تفصیلی جائزہ آخر میں پیش کیا جائے گا۔ قبل ازیں موصوف کی دیگر تصنیفات پر سرسری روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

۵۔ بہارِ رستخان۔ یہ گلستانِ سعدی شیرازی کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔ اس کی عبارت پُر لطف ہے۔ نفسِ مضمون کے لحاظ سے کتاب بہت اچھی ہے مگر مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

۶۔ سلسلۃ الذہب۔ یہ صنفِ مثنوی پر مبنی ہے۔ اس میں کل سات ہزار دو اشعار ہیں۔ جو سلطانِ حسین کو ۸۹۰ھ مطابق ۸۵۱ھ میں نذر کی گئی ہے۔ اس کے حصہ اول میں اعتقادیات، دوم میں عشقِ مجازی اور حقیقی کی بحث ہے جبکہ حصہ سوم میں سلطان و حکما وغیرہ کے قصے ہیں۔

۷۔ تحفۃ الاحرار۔ وعظیہ اور اخلاقیات پر مبنی مثنوی ہے۔ سالِ تصنیف ۸۸۶ھ مطابق ۸۱۲ھ ہے۔

۸۔ سبحة الابرار۔ اس مثنوی میں تصوف کے حقائق اور اخلاقی تعلیمات سے بحث کی گئی ہے۔

۹۔ خردنامہ سکندری۔ بوستانِ سعدی کے بحر میں ہے۔

۱۰۔ سلامان والبسال۔ یہ ایک تمثیلی قصہ مثنوی کی بحر میں ہے۔ یہ مثنوی ایک قدیم قصہ سے ماخوذ ہے۔ مولانا جاجی علیہ الرحمہ سے قبل بوعلی سینا نے اُسے تصنیف کیا تھا۔ مولانا موصوف نے اس قصے میں صوفیانہ مطالب بیان کئے ہیں۔

۱۱۔ لوامع۔ یہ ابنِ فارس کے ثمریہ قصاید کی شرح ہے اور ۸۷۵ھ میں لکھی گئی۔

۱۲۔ لیلیٰ و مجنون۔ یہ مثنوی نظامی کی مثنوی لیلیٰ و مجنون کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ صرف

۴ ماہ میں ۸۸۹ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب میں کل ۶۰۷۳ اشعار ہیں۔ پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

اے خاک تو تاجِ سر بلند اس مجنون تو عقل و ہوشمند اس

۱۳۔ یوسف و زلیخا۔ یہ مولانا جامی علیہ الرحمہ کی مشہور ترین مثنوی ہے۔ جو نظامی کی مثنوی خسرو شیریں کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ ۸۸ھ سن تصنیف ہے۔ مثنوی کا آغاز اس شعر سے ہوا ہے۔

الہی غنچہ امید بکشائے گلے از روضہ جاوید بنمائے

جیسا کہ ماقبل میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ مولانا جامی علیہ الرحمہ کا روحانی سلسلہ نقشبندیہ ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ خاص مقام رکھتے ہیں۔ اور اپنی تمام تصانیف کا تعلق تصوف سے ہے۔ اصول و عقائد نقشبندیہ کے متعلق مندرجہ ذیل فقرہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور جس میں ”طریقہ خواجگان“ کے سب اصول مختصراً یکجا کر دئے گئے ہیں۔

۱۔ ہوش در دم (اپنی سانس میں ہوش رکھنا)۔ ۲۔ نظر بر قدم (نیچی نظر رکھنا)۔ ۳۔ مفرور در وطن (وطن میں فرار رہنا)۔ ۴۔ خلوت در انجمن (محفل میں اکیلے رہنا)۔ ۵۔ یاد کرد (دل سے ذکر الہی کرنا)۔ ۶۔ بازگشت (ہر ذکر رضائے الہی پر مبنی ہو)۔ ۷۔ نگاہ داشت (غیر حق کا خیال نہ آنا)۔ ۸۔ یادداشت (یاد الہی میں مستغرق رہنا) اسکی قدرے تفصیل اس طرح ہے۔

- ۱۔ زندگی کا کوئی لمحہ اُس سے غفلت میں نہ گزرے۔
- ۲۔ چلنے میں نگاہیں ہمیشہ نیچی رہیں تاکہ دنیا کی کسی غلط چیز پر نظر نہ پڑے۔
- ۳۔ سالک صفات بشری سے صفات ملائکہ کی طرف سفر کرے جو روح کا اصلی وطن ہے۔
- ۴۔ بظاہر اگرچہ مخلوق کے ساتھ رہے مگر باطن میں حق کے ساتھ رہے۔
- ۵۔ دل سے یاد الہی میں مستغرق رہے۔
- ۶۔ کلمہ توحید کے ہر ذکر کے بعد یہ کہے کہ ان سب سے صرف رضائے الہی مقصود ہے۔
- ۷۔ یہ بات ذہن نشین رکھے کہ غیر حق دل میں جگہ نہ بنا سکے۔
- ۸۔ یاد الہی میں ایسا کھوجاے کہ ہر شے میں اُسی وحدت الوجود کا جلوہ نظر آنے لگے۔

چنانچہ اپنی ایک رباعی میں وہ یوں گویا ہیں۔

خوش آنکہ دلت ز ذکر پر نور شود در پر تو آن نفس تو مقہور شود

اندیشہ کثرت ز میاں دور شود ذکر ہمہ ذکر و مذکور شود

جس طرح مولانا جامی علیہ الرحمہ کی شخصیت اور ذات یگانہ عصر تھی، اُسی طرح مولانا موصوف کی تصوف پر مبنی تصنیف لوائح جامی ہے۔ یہ شاہکار کتاب اپنی نوعیت کی منفرد اور لاثانی ہے۔ اس میں کل ۳۴ لوائح ہیں۔ اس مختصر رسالے میں نہایت جامع طور پر آسان الفاظ میں چھوٹے چھوٹے عنوانات

کے تحت عرفانی بیان ملتے ہیں۔ جو بات نثر میں کہی گئی ہے اُسی کو رباعی میں بھی کہنے کی کوشش کی ہے۔ لائحہ اول۔ میں مولانا جامی علیہ الرحمہ نے یہ ذہن دینے کی سعی کی ہے کہ دنیا اور دنیا کی دلچسپیاں اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ اس لیے انسان کا اُن چیزوں سے لو لگانا فضول اور لالچینی ہے۔ بس صرف ذاتِ وحدہ لا شریک سے دل بستگی کرنا چاہیے۔ جبکہ لائحہ دوم میں یہ شعور بیدار کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا کے ساز و سامان موجب رنج و غم اور یاد الہی سے غافل کرنے والے ہیں۔ روح کی سر بلندی اور سکون قلب کے لیے لازم ہے کہ انسان دنیا اور دنیا کے لوازمات سے قطع تعلق کر کے ہمہ وقت ربِّ ذوالجلال کی یاد اور محبت میں مستغرق رہے۔ پورے لائحہ کا حاصل صرف رباعی کا مصرع ہی کافی ہے، ملاحظہ ہو۔

دل را بہ یکے سپار و بگسل زہمہ

لائحہ سوم۔ رب العالمین کے حاضر و ناظر پر مبنی ہے۔ ہر مقام پر وحدہ لا شریک کی موجودگی اگر انسان کے پیش نظر رہے تو زندگی کے تمام منازل از خود آسان ہو جائیں اور انسان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ جائے غلط روی سے آدمی محفوظ رہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ذلت و رسوائی سے محفوظ رہے گا۔

لائحہ چہارم۔ میں مولانا علیہ الرحمہ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ازلی اور ابدی ہے۔ باقی تمام کائنات فانی۔ ایسی ناپائدار شے سے رابطہ رکھنا فضول ہے۔

حسنے کہ نہ جاوداں از و بیزارم

لائحہ ششم۔ جسمانی کثافت دور کر کے روحانی مراتب حاصل کرنے کی آسان تدابیر پر مشتمل ہے۔ اور انا الحق کی منزل سے گذر کر ہواحق کے مقام میں پہنچنے کا راستہ دکھانا ہے۔

لائحہ ہفتم۔ میں خالق و مخلوق کے رشتے کو مستحکم کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لائحہ نہم۔ میں فنا کی تعریف اور فنائے فنا کی تلقین ملتی ہے۔ جبکہ لائحہ ہشتم بھی اسی فکر و خیال پر محیط ہے۔ یعنی احساس خودی کو ختم کر کے پرتو تجلیاتِ الہی حاصل کرنے اور قلب و نظر کو اُسی کے ذکر اور مشاہدہ میں مصروف رکھنے پر مبنی ہے۔

یوں تو تمام لوائح بلکہ پوری کتاب عرفان و تصوف کا گنجینہ معانی ہے۔ یہ انکی پوری زندگی کا تجربہ شدہ نُسخہ کیمیا بھی ہے۔ اس میں زینہ بزیۃ تصوف کی منزلیں طے کرنے کا شعور عطا کیا ہے۔ اگر اُن سب پر روشنی ڈالی جائے تو مقالہ طویل ہو جائے گا۔ اس لیے دوایک کی وضاحت کر کے بات ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

لائحہ ۲۲ میں ہمہ اوست پر روشنی ڈالتے ہوئے ہر شئی کی حقیقت کو وجودِ متعینہ سے مربوط کیا گیا ہے اور ذاتِ واحد کو کائناتِ عالم میں جاری و ساری ثابت فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ لائحہ ۲۶ میں شیخ محی الدین عربی کے حوالے سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عینِ واحد میں اغراض نے کس طرح مجتمع ہو کر عالم کی شکل اختیار کی ہے اور ہر دم کس طرح تبدل و تجدید کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ نیز ہر لمحہ سارا عالم معدوم ہوتا رہتا ہے۔ اور ہر دوسری آن از سر نو وجود پذیر ہوتا ہے۔

بظاہر جو عالم ایک حال پر معلوم ہوتا ہے۔ وہ تو صرف فریبِ نظر ہے۔ ربُّ العالمین کے اسمائے مُتَقَابِلَہ اپنا کام برابر کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہر پل صفاتِ قہریہ اور لطیفیہ سے دنیا کو دگرگوں کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ہر لمحہ دوسری شان میں جلوہ فرماتا ہے۔ اور ہر آن دوسری تجلی میں متجلی نظر آتا ہے۔ لیکن اس عدم و وجود کی خبر اور ہر آن عالم کی دگرگوئی کا حال اہل بصیرت کے ماسوا کسی دوسرے کو نظر نہیں آتا۔

اسی طرح لائحہ ۲۸ میں یہ بات ثابت فرمائی ہے کہ ہر قطرے میں دریا کی روانی پائی جاتی ہے۔ یہ بھی واضح کیا ہے کہ کس طرح ہر موجود کی ہستی میں وجودِ حقیقی جاری و ساری ہے۔ یعنی ”کل شیء فیہ کلّ شیء“ کی تشریح ملتی ہے۔ مولانا شیخ محمود شبستری کے اشعار سے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے اس کیمیائے سعادت کے آخری لائحہ یعنی ۳۴ میں یہ بتانے کی سعی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت دو تجلیات کا مالک ہے۔ ایک عالم غیبی جس کو صوفیاء کرام فیضِ اقدس سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری شہودی و جودی جس کا دوسرا نام فیضِ مقدس بھی ہے۔ تجلی ثانی تجلیِ اول ہی پر مرتب ہوتی ہے اور اسی کے کمالات کو روشن کرتی ہے۔

گویا ایک ہی چیز کے دُورِخ ہیں، جو اہل علم کے لیے فیضِ اقدس و فیضِ مقدس کا کام انجام دیتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ نے آخر میں خلاصہ کلام کے طور پر لکھا ہے کہ ان سب لوائح کا مقصد بس اتنا ہے کہ ربُّ العالمین کی ذات کے سمجھنے اور پوری طرح احاطہ کرنے میں سالکانِ طریقت غافل یا لاعلم نہ رہ جائیں۔ عاقلانِ را اشارہ کافی است۔

مکشائے زباں بکشف اسرار وجود کہ در نہ شود سفیہ الماس سخن
جس طرح مولانا جامی علیہ الرحمہ کی ذات ناقابلِ فراموش ہے اسی طرح اُنکی شاہکار تخلیق
لوائح بھی ہے۔ یہ کتاب سالکانِ راہ طریقت کے لیے خضرِ راہ ہے۔ فارسی ادب کے حوالے سے تصوف کے موضوع پر جب بھی کچھ تحریر کیا جائے گا تو لوائحِ جامی کا ذکر ضرور کیا آئے گا۔

کلامِ جامی رحمۃ اللہ علیہ

دلِ محوِ محبت ہے اسے کچھ نہیں پروا
آباد کرے کوئی کہ برباد کرے ہے
پاوے ہے وہی عشقِ سرافرزی عالم
جس عشق پہ وہ حُسنِ ازل صاد کرے ہے

(سید نفیس اکسینی نفیس۔ لاہور)

صلی اللہ علیہ وسلم

تتم فرسودہ جاں پارہ زہجراں یا رسول اللہ

تتم فرسودہ جاں پارہ زہجراں یا رسول اللہ
 دلم پُردرد آوارہ ز عصیاں یا رسول اللہ
 یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے غم ہجر میں میرا تن ناکارہ اور میری جان پارہ پارہ ہوگئی۔
 میرا دل گناہوں کے سبب غم و اندوہ میں مبتلا ہو کر بالکل بیکار ہو گیا۔
 چو سوئے من گذر آری من مسکین ز ناداری
 فدائے نقشِ نعلینت کنم جاں یا رسول اللہ
 یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر میرا نصیب بیدار ہو جائے اور آپ مجھ نادار مسکین کی طرف
 تشریف لے آئیں، میرے پاس تو کوئی شے ایسی نہیں کہ جس کو حضورِ عالی کے روبرو پیش کر سکوں۔ مگر
 ہاں جس مقام پر آپ کے نعلین پاک کا نشان پڑے گا میں ضرور اُس پر اپنی جان مشتاقِ نثار کر دوں گا۔
 ز کردہ خویش حیرانم سیہ شد روزِ عصیانم
 پشیمانم پشیمانم پشیمان یا رسول اللہ
 جو کچھ میں نے کیا ہے اُس پر سخت پریشان ہوں۔ گناہوں کے باعث میرا چہرہ سیاہ ہو گیا
 ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے حد شرمندہ ہوں میں نہایت ہی شرمندہ ہوں، میں از حد
 شرمندہ ہوں۔

ز جامِ حُب تو مستم بہ زنجیر تو پابستم

نمی گویم کہ من ہستم سخنِ داں یا رسول اللہ

میں آپ کی شرابِ محبت سے مست ہوں اور آپ کی زنجیرِ غلامی کا پابند ہوں یا رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ کو کچھ آتا ہے یا میں کسی کام کے لائق ہوں۔

چو بازوئے شفاعت را کشائے بر گنہگاروں

مکن محروم جاتی را دروں یا رسول اللہ

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آپ گنہگاروں کی شفاعت کے لئے بحضور پروردگارِ کرم
 ہمت باندھیں تو جاتی گنہگار کی آپ سے یہ التجا ہے کہ اُس حالت پریشانی میں مجھ کو فراموش نہ فرمائیں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

زِ رحمت یک نظر بر حالِ زارم یا رسول اللہ

زِ رحمت یک نظر بر حالِ زارم یا رسول اللہ

غریم بے نوایم خاکسارم یا رسول اللہ

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے حالِ زار کی طرف ایک نظر کرم فرمائیے۔ یا
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے سہارا ہوں۔ میں مفلس ہوں۔ میں بے وقعت ہوں۔
 توئی تسکینِ دل آرامِ جاں صبر و قرارِ من
 رُخ پر نور بنما بے قرارم یا رسول اللہ
 آپ ہی میرے دل کے لئے باعثِ تسکین ہیں۔ آپ ہی میرے لئے آرامِ جاں ہیں۔ آپ ہی
 میرا صبر و قرار ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نہایت ہی بے چین ہوں۔ اپنے چہرہ مبارک
 کی زیارت سے مشرف فرمائیے۔

دمِ آخر نمائی جلوۂ دیدارِ جامی را

ز لطفِ تو ہی امید دارم یا رسول اللہ

بوقتِ نزع اپنے دیدارِ پاک سے جامی کو مشرف فرمائیے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 آپ کے لطف و کرم سے ہم ایسی ہی امید رکھتے ہیں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

اے خاکِ رہ تو عرشِ راتاج

اے خاکِ رہ تو عرشِ راتاج

یک پایہ ز قدر تست معراج

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ہی کے پائے مبارک کی خاک عرشِ معلیٰ کی عزت افزائی کے لئے تاج کے مانند ہے اور واقعہ معراج آپ کی رفعتِ شان کا ایک ادنیٰ سا حصہ ہے۔

تو دُرِّ قیمتی و ثُرّا جانی

بر تر ز ہمہ چو دُرّالتاج

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ یگانہ موتی کے مانند ہیں اور آپ کا مقام تمام بنی نوع انسان میں بلند و بالا ہے جس طرح تاجِ شاہی میں منقش کیا ہوا ایک لوہا موتی۔

فخر تو بہ فقر و تاجِ داراں

آوردہ بہ فرقِ برورتِ باج

الفقر فخری آپ کی علوِ شان کے لئے حد و بس ہے مگر تمام بادشاہانِ وقت اپنے سروں پر خراج لئے ہوئے آپ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہیں۔

در تیرہ شبِ ضلالِ خدلاں

نورِ تو شد سراجِ وِباں

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گمراہی و تباہی کی رات کی تاریکی میں آپ کا نور جگمگاتے ہوئے روشن آفتاب کی مانند جلوہ گر ہوا۔

بر روئے زدہ کفِ خجالت

با جودِ کفِ تو بحرِ مؤاج

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے جود و سخا والے ہاتھوں کو دیکھ کر ٹھٹھیں مارنے والے سمندر نے شرمندہ ہو کر اپنے چہرے کو چھپا لیا ہے۔

مشتاقِ رہ ترا مُغیلاں

در زیرِ قدمِ حریر و دیباچ

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی زیارت کرنے والوں کے راستے میں ببول کا کاٹنا بھی ایسا ہے، جیسے ریشم و دیباچ۔

جامی کہ ز شدِ بادِ عصیاں

شدِ خرمنِ طاعتش بتاراج

بے چارہ جامی کہ جس کی طاعت و عبادت کے خرمن (کھلیان) کو معصیوں کے بادِ صرصر (آندھی) نے تباہ و برباد کر دیا ہے۔

اکنوں رہِ معذرتِ گرفتہ

مسکین بہ شفاعتِ تو محتاج

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیچارہ جامی اب ایسی مشکلات میں پھنسے ہوئے ہزار ہا معذرت کے ساتھ مسکین کے مانند آپ کی شفاعت اور عنایت کا محتاج ہے۔



صلی اللہ علیہ وسلم

ماءِ معین چیت خاکِ پائے محمد ﷺ

ماءِ معین چیت خاکِ پائے محمد ﷺ
 خبلِ متین رقبہِ ولایے محمد ﷺ

ماءِ معین وہ پانی جو خاک کی گہرائی سے نکل کر پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے۔ تم جانتے ہو وہ کیا چیز ہے۔ سنو وہ محمد ﷺ کی محبت ہے۔

خَلَقْتَ عَالَمَ بَرِّ نَوْعِ بَشَرٍ شَدِّ

خَلَقْتَ نَوْعِ بَشَرٍ بَرِّ نَوْعِ بَشَرٍ شَدِّ

تمام جہاں کی پیدائش بنی نوع انسان کے لئے ہوئی اور بنی نوع انسان کی پیدائش محمد ﷺ کے لئے ہوئی۔

سُودُهُ هَمَّ قَدَسِيَا جَبِينِ ارَادَتِ

بَرِّ نَعْلِينِ عَرْشِ سَائِ مُحَمَّدٍ ﷺ

عالمِ ملکوت کے تمام فرشتوں نے اپنی ارادت (گرویدگی) کی پیشانی کو حضرت محمد ﷺ کے عرش پر جانے والے نعلینِ پاک (جوتیوں) پر ملا۔

عُرْوَةُ وَثْقَى بَسِ اسْتِ دِينَ وَدَلِ رَا

رِيشَةٍ اَزْ كُوشَةِ رَدَائِ مُحَمَّدٍ ﷺ

اے جاتی دین اور دل کی مضبوطی کے لئے حضرت محمد ﷺ کی ردائے مبارک (چادر) کے ایک گوشے کا ایک تاری کافی ہے۔

حَدِّ ثَنَائِشِ بَجَزِ خَدَا كِه شَنَاسِدِ

مَنْ كِه وَ اَنْدِيشَةُ ثَنَائِ مُحَمَّدٍ ﷺ

آپ کی تعریف و توصیف کی حد کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون جانتا ہے۔ میں کون ہوتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کی تعریف کے لئے سوچوں۔

جَانِ مُحَمَّدٍ دَرَوْنِ خُلُوتِ جَانِ اسْتِ

نِیْسْتِ مَرَا دِیْگَرِے بَجَائِ مُحَمَّدٍ ﷺ

مری جان کی خلوت گاہ میں حضرت محمد ﷺ کی جان ہے۔ اب مجھک و حضرت محمد ﷺ کی بجائے کسی اور کی حاجت نہیں ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

حر از اماں چیت نعت و نام محمد ﷺ

حر از اماں چیت نعت و نام محمد ﷺ

صلی علی سید الانام محمد ﷺ

اے دوستو وہ تعویذ کہ جو تمام بلاؤں اور مصیبتوں سے نجات دلادے تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے۔ سن لو وہ حضرت جناب محمد ﷺ کی نعتِ پاک اور آپ کا نامِ پاک ہے۔ اے اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ پر رحمتیں بھیج۔

بہرہ نیابی ز ذوقِ مشربِ مستان

تا نہ چُشی جُرمِ ز جامِ محمد ﷺ

اے مخاطبِ عشق رکھنے والوں کے مشرب سے تجھ کو کوئی ذوق حاصل نہ ہوگا جب تک حضرت جناب محمد ﷺ کے میخانہ معرفت سے ایک گھونٹ نہ پی لے۔

چرخِ بریں با ہمہ مدارجِ رفعت

ہست مکیں پایہ از مقامِ محمد

یہ آسمان باوجود اس قدر بلند و بالا ہونے کے حضرت جناب محمد ﷺ کے مقاماتِ علیا کے مقابل ایک بالکل معمولی سا مرتبہ رکھتا ہے۔

پیکِ نسیمِ شمالِ اے شدہ محرم

در حرمِ جاہ و احترامِ محمد

اے شمال کی جانب سے صبح کے وقت چلنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تو ہمارا بہترین قاصد ہے جب جناب محمد ﷺ کی بارگاہِ عالیہ تک تجھ کو رسائی ہو۔

بہرہ خدا چوں بجزِ عرضِ رسائی

از قبلِ بیدلانِ سلامِ محمد ﷺ

خدا کے واسطے جب تو حضرت جناب محمد ﷺ کی عاشقوں کا سلام حضور کے دربار میں پیش کرے۔

شرحِ کنی افتخار و عجز رہے را

با کرمِ خاص و لطفِ عام محمد ﷺ

اے نسیمِ ثمالِ خدا را جب تو حضرت جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لطفِ عام اور کرمِ خاص دیکھے تو اُس وقت اُس بارگاہِ عالی میں نرم نرم لہجوں میں ہم جیسے فقیروں اور عاجزوں کا حال زار بھی بیان کر دے۔

بُو کہ در آیم بدیں وسیلہ دولت

در کنفِ ظلِّ اہتمامِ محمد ﷺ

بہت ممکن ہے کہ تیرے وسیلے کی بدولت چونکہ کرمِ خاص اور لطفِ عام ہو رہا ہے حضرت جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہتمام کے سائے میں ہم بھی دولتِ حاضری سے مشرف ہونے میں کامیاب ہو جائیں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

صبحِ ہدیٰ تافت از جبینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صبحِ ہدیٰ تافت از جبینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عرصہ دنیا گرفت دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے ہدایت کی صبح طلوع ہوئی۔ تمام دنیا کے میدان کو آپ کے دین نے اپنی گرفت میں لے لیا۔

گشتہ بھوئے مارمیت ہویدا

سرّ ید اللہ ز آستینِ محمد ﷺ

مَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى (نہیں کنکری پھینکی جب کنکری پھینکی آپ ﷺ نے) اُس کا بھید آپ کی آستینِ مبارک سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

از پس و پیش ہرچہ بودہ و باشد

دیدہ عیاں چشمِ تیز بینِ محمد ﷺ

جو کچھ پہلے ہو چکا یا جو کچھ بعد میں ہوگا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تیز بین (دور بین) نگاہوں نے ظاہر و باہر طور پر دیکھ لیا۔

نقدِ ہمہ کائنات آمدہ قاصر

از ثمنِ گوہرِ ثمنینِ محمد ﷺ

تمام جہان کے نقد کی کوئی وقعت نہیں حضرت جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ پاک بیش بہا گوہر کے سامنے۔

تختِ نشینانِ تاجِ بخشِ کشیدہ

باجِ گدایانِ رہِ نشینِ محمد ﷺ

تاجِ بخشنے والے بادشاہوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بیٹھنے والے آپ کے گداؤں نے خراج وصول کیا۔

غیر جہاں آفریں کس نہ شناسد

در دو جہاں حد آفرین محمد ﷺ

دنیا کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے سوا دونوں جہاں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حدِ کمالیہ کو کوئی نہیں جانتا پہچانتا۔

لیس کلامے لینی بعثت کمالہ

صلن الہی علی النبی و آلہ

میرا کلام آپ کی صفاتِ کمالیہ کو پورا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ تعالیٰ رحمتیں بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آلِ پاک پر۔



صلی اللہ علیہ وسلم

مطلع صبحِ صفاست روئے محمد

مطلع صبح صفاست روئے محمد ﷺ

منع احسان و لطف خوئے محمد ﷺ

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ انور بزرگی کے ظہور کا اولین مقام ہے اور آپ کے شہنشاہ (خودِ خصلت) کرم و احسان کے منبع ہیں۔

سلسلہ کائنات را سبب نیست

جز شکن زلف مشکبویئے محمد ﷺ

تمامی کائنات کی پیدائش کا کوئی سبب اس کے سوا نہیں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکبوی زلفوں کی خوشبو سے تمام جہاں کو معطر کیا جائے۔

بادِ صبا اے رسولِ یثرب و بطحا

خیز و قدم نہ بہ جُست و جوئے محمد ﷺ

اے یثرب و بطحا کی جانب پیغام لے جانے والی بادِ صبا اُٹھ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں قدم آگے بڑھا۔

بر رُغم از خونِ دلِ دُور رواں ہیں

تحفہ رساں ایں درودِ سوئے محمد ﷺ

بادِ صبا اے قاصدِ یثرب و بطحا اس دلِ دور سے میرے چہرے پر خون بہتا ہوا دیکھ اس کی اطلاع اور میرے اس درود کا تحفہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچا دے۔

چشمِ رمدیدہ بر ہست کرم گن

کحلِ جلالی ز خاکِ کوئے محمد ﷺ

اے بادِ صبا میری دکھتی ہوئی بیمار آنکھ تیرے راستے پر نگاہ جمائے ہوئے منتظر ہے کرم کر اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچے کی خاک کا سرمہ صیاب بخش میری آنکھوں کے لئے لے آ۔

مرہم راحت جرات دگراں را
جان من و داغ آرزوئے محمد ﷺ
زخموں سے آرام دلانے والا مرہم اور لوگوں کو مبارک ہو۔ میری جان کے
لئے تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرزو کا داغ اور زخم کافی ہے۔
دولت جامی بس ایں کہ می گذاراند
عمر گرامی بگفت و گوئے محمد ﷺ
اس مسکین جامی کی دولت تو بس اس قدر کافی ہے کہ اس کی عمر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
تعریف و توصیف میں گذر جائے۔

لیس کلامی یفی بعت کمالہ
صلی الہی علی النبی و آلہ
میرا کلام آپ کی صفات کمالیہ کو پورا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ تعالیٰ رحمتیں
بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر۔



صلی اللہ علیہ وسلم

آج شوقاً الی دیارِ لقیٹ فیہا جمالِ سلیمی
اجن شوقاً الی دیارِ لقیٹ فیہا جمالِ سلیمی
کہ می رساند ازاں نواحی نوید لطف بجانب ما
میرا شوق بے چین کئے ہوئے ہے۔ اُس شہر کی جانب جہاں پر میں نے اپنے
محبوب کا جمال دیکھا ہے۔ کیونکہ اُس طرف سے ہر آن لطف و محبت کے پیغام کی خوشبوئیں
چلی آرہی ہیں۔

بودی غم منم فداہ زُ مامِ فکرتِ ز دستِ دادہ
نہ بخت یاور نہ عقل رہبر نہ تن توانا نہ دل شکوبا
میں غم کی وادی میں آکر پھنس گیا ہوں۔ سوچ اور سمجھ کا دامن ہاتھ سے جاتا
رہا ہے۔ اب اس وقت میرا یہ حال ہے کہ نہ نصیب ساتھ دے رہا ہے نہ تن میں
سکت باقی ہے نہ دل میں صبر رہ گیا ہے۔

زہے جمال تو قبلہ جاں حریم کوئے تو کعبہ دل
فان سجدنا الیک نسجدوان سيعنا الیک نسعی
کیا خوب آپ کا جمال پاک ہماری جان کا قبلہ ہے۔ آپ کی گلی ہمارے دل
کا کعبہ ہے۔ اگر ہم سجدہ کرتے ہیں تو آپ کی طرف سجدہ کرتے ہیں اور اگر
کوشش کرتے ہیں تو آپ کی طرف۔

بکت عیونی علی شیونی فسا حالی ولا ابالی
کہ دائم آخر طبیب و صلت مریض خود را کند مداوا
میری آنکھیں میری حالت پر روتی ہیں۔ میرا برا حال ہو گیا ہے لیکن مجھے پرواہ
نہیں کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرے وصل کا طبیب اپنے مریض کا یقیناً
علاج کرے گا۔

اگر بجورم بر آوری جاں و گر بہ تیغم بیٹگنی سر
قسم بجانت کہ بردارم سر ارادت ز خاکِ آل پا
اے میرے محبوب خواہ تو میری جان پر ظلم کرے یا اپنی تلوار سے مرا

سر جدا کر دے مگر اے دوست تیری جان کی قسم میں اپنی ارادت (گرویدگی) کا سر تیرے آستانے سے باہر نہ رکھوں گا۔

بہ ناز گفتمی فلاں کجائی چہ بود حالت دریں جدائی
مرضتہ شوقہ و مٹُ ہجراً فکیف اشکوا اِلَیک شکواً
اے دوست تو نے ناز کے ساتھ دریافت کیا کہ اے فلاں تم کہاں تھے اور اُس جدائی میں
تمہارا کیا حال تھا۔ سچ جانو تمہارے شوق میں بیمار ہوا۔ ہجراں کے باعث مر گیا۔ پس کس
طرح تجھ سے تیری شکایت کروں۔

بر آستانت کمینہ جامی مجال بودن ندید ازاں رُو
نکبُ فرقت نشستہ محروں بکوائے محنت گرفتہ ماوی
اے دوست تیرے آستانے پر میں نے ٹھہرنے کی طاقت نہ پائی اس وجہ سے فرقت
کے گوشے میں غمگین ہو کر محنت کی گلی میں آ پڑا ہوں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

روحی فداک اے صنمِ ابطحی لقب

روحی فداک اے صنمِ ابطحی لقب
آشوب ترک۔ شورِ عجم۔ فتنہ عرب

اے بطحا کے بدرِ منیر محبوب۔ میری روح آپ پر قربان۔ آپ کی شانِ جلالت۔ آپ
کی شانِ شوکت۔ آپ کے دبدبہٴ عظمت نے آشوب ترک شورِ عجم۔ فتنہ عرب سب کو
قصہٴ پارینہ بنا دیا۔

کس نیست در جہاں کہ زحسنت عجب نماںد
اے در کمالِ حسن عجب تر زہر عجب
دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جس نے آپ کے حُسنِ لامتناہی پر تعجب نہ
کیا ہو۔ بیشک آپ کمالِ حُسن میں ابوالعجب کہلانے کے مستحق ہیں۔
ہر کس نیافت جرعہٴ از جام وصل تو
زیں بزمِ گاہ تشنہ جگر رفت خشک لب
جس شخص کو آپ کے جامِ وصل سے ایک گھونٹ بھی میسر نہ ہو سکا یقیناً یہ
سمجھنا چاہئے کہ وہ شخص اس جہان سے تشنہ جگر اور پیاسا ہی گیا۔

تا زلفِ توشب است و رُخت آفتابِ چاشت
و اللیل والضحیٰ است مرا ورد روز و شب

جب سے مجھ کو پتہ چلا ہے کہ رات کا حُسن آپ کی رُفوں کے حُسن سے
مستفاد ہے اور آفتابِ نصف النہار کا نور آپ کے چہرہٴ انور سے اخذ کیا ہو اے
جب سے رات اور دن میرا وظیفہ سورۃ و اللیل والضحیٰ ہے۔

رفتن بسر طریق ادب نیست در رہت
ما عاشقیم و مست نیاید ز ما ادب

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے حضور میں حاضر ہونے کے لئے سر سے بھی

چلنا میرے نزدیک ادب کے خلاف ہے مگر ہم معذرت خواہ ہیں کہ ہم عاشق اور مست ہیں ہم سے طریقِ ادب مکمل طور پر عمل نہیں ہوتا۔

دل باد منزلِ غم و سرِ خاکِ مقدمت

کایں موجبِ شرف بود آں مایہِ طرب

بہتر تو یہ ہو کہ میرا دل آپ کے غم کا مقام بنا ہو اور میرا سر آپ کے درِ پاک کی خاک پر رکھا ہوا ہو۔ کیونکہ اگر میرا دل آپ کے غم کی منزل بن گیا تو یہ میرے لئے موجبِ شرف ہے اور اگر میرا سر آپ کی چوکھٹ پر نثار ہو گیا تو یہ عمل بھی بے حد خوشی کا باعث ہوگا۔

مطلوبِ جامی از طلبم گفتہ کہ چیست

مطلوبِ او ہمیں کہ دہد جاں دریں طلب

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے میری عرض اور طلب پر فرمایا کہ اے جامی تمہارا مطلوب کیا ہے سوائے علیجاہِ روحی فداک مطلوبِ اس کا یہی ہے کہ آپ کی راہِ طلب میں جان دے دے اور بس۔



صلی اللہ علیہ وسلم

اے وہ مقدس ذات کہ جس کی پیشانی مبارک سورۃ والضحیٰ کی تفسیر ہے

اے واضح وَالضَّحٰی جہینت

وَاللَّیْلِ نقابِ عنبرینت

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی پیشانی مبارک سے سورۃ والضحیٰ کی پوری وضاحت ہو رہی ہے اور آپ کا نقابِ عنبریں سورۃ واللیل کی تفسیر ہے۔

ظہ لقی ز آستان

یُسَ عَلَمی بر آستینت

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۃ ظہ آپ کی آستانِ عالیہ کی ادنیٰ ترجمان ہے اور سورۃ یسین آپ کی آستینِ مبارک کا ادنیٰ نشان ہے۔

جنت اثرے ز فیضِ مہرت

دوزخ شرارے ز زلفِ کینت

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت آپ کے لطف و کرم کے فیض کی ادنیٰ سی علامت ہے اور دوزخ آپ کے غصے کی چنگاریوں میں سے ایک چنگاری ہے۔

اسرار وجود را کما ہے

دیدہ نظرے خدائی بینت

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے وجود کے اسرار کو جیسا کہ چاہئے آپ کی خدا میں نگاہِ شریف نے ملاحظہ فرمایا۔

پیش تو سپہر چوں زمیں پست

عالم ہمہ روئے بر زمینت

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی عظمت و شان کے رو برو آسمان ایسا بے وقار ہے جیسے زمین۔ اور سارا جہان آپ کے سامنے روئے زمین ہے یعنی جھکا ہوا ہے۔

تو صاحبِ کان کنُت، کنُزاً

اعیانِ رسل قراضہ چینت

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ صاحبِ کائنات کُنزاً ہیں یعنی آپ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے مظہرِ اتم ہیں اور جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کے دسترخوان کے ریزہ چیں ہیں۔

چوں بر تو خدائے آفریں گفت

جامی چہ سزائے آفرینت

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب خود باری تعالیٰ نے آپ کی تعریف فرمائی ہے تو پھر جامی بے چارے کی کیا بساط ہے کہ آپ کی تعریف بیان کرے۔

موثر در وجودِ اِلَّا یکے نیست

دریں حرفِ شگرف اصلاً شکے نیست

تمہائی وجود کے اندر ایک ذات کے سوا دوسری کوئی اثر کرنے والی ذات نہیں ہے۔ اس قیمتی اور بامعنی بات کے اندر ہرگز کوئی شک نہیں ہے۔

دلے جز زیرِ کاں ایں را ندانند

دریغاً زیرِ گردوں زیرِ کے نیست

لیکن عقلمندوں کے سوا کوئی اس بات کو نہیں جانتا۔ افسوس کہ اس جہان میں اس بات کے سمجھنے والے نہیں ہیں۔

جمالِ اوست تاباں ورنہ بردن

دل از مردانِ دل ہر کود کے نیست

صرف اُسی مؤثرِ کائنات چمک رہا ہے ورنہ اربابِ دل کا دل موہ لینا کسی بے بنیاد بچے کا کام نہیں ہے۔

بکوائے نیستی جامی فرو رو

کہ سالک را ازیں بہ مسلکے نیست

اے جامی فنا حاصل کرنے کی کوشش کر۔ کیونکہ راہِ حق کے سالک کے لئے اس سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

انسان نور لم یزل کا ایک عکس ہے

کُلُّ ما فی الکون و ہم

کُلُّ ما فی الکون و ہم او خیال

او عکوس فی المرآیا او ظلال

جو کچھ اس دنیا میں ہے محض وہم یا خیال ہے۔ یا آئینہ میں عکس (تصویر) ہے یا سائے ہیں یعنی بے حقیقت ہیں۔

کیست آدم عکس نور لہر یزل

چست عالم موج بحر لایزال

انسان کون ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نور کا ایک عکس ہے اور یہ دنیا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ جو کہ نہ مٹنے والا سمندر ہے۔ اُس کی ایک موج ہے۔

عکس را کے باشد از نور انقطاع

موج را چوں باشد از بحر انفصال

بھلا عکس اپنے نور سے الگ کیونکر قائم رہ سکتا ہے اور موج اپنے سمندر سے کیونکر جدا ہو سکتی ہے۔

گفتگو تا چند جامی لب بہ بند

حال می باید چہ شود از قیل و قال

اے جامی عشق و محبت کی باتیں کب تک کرتے رہو گے خاموش ہو جاؤ۔ یہاں حال درکار ہے قیل و قال سے کچھ فائدہ نہیں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے لالہ رخ محبوب سے جدا رہ کر بہار کو کیا کروں

جدا ز لالہ رخ خود بہار را چہ کنم
ہزار داغ بدل لالہ زار را چہ کنم
اپنے خوب رو محبوب سے جدا رہ کر بہار کو لے کر کیا کروں۔ ہزاروں
داغ دل میں ہوتے ہوئے لالہ زار کی سیر سے مجھ کو کیا واسطہ۔
ز خون دیدہ کنارم پُست بے لب یار
کنار گشت لبِ جو بہار را چہ کنم
دوست سے جدائی کے باعث میرا دامن خون سے بھرا ہوا ہے۔ ایسی حالت
میں دریا کے کناروں کی سیر و تفریح سے میرا کیا کام۔
گرفتہ آنکہ کنم دیدہ را بے گل مشغول
درون جان و دل ایں خار خار را چہ کنم
یہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی آنکھوں کو گل و گلاب کے نظارے میں لگا لوں۔ مگر
میری جان اور میرے دل کے اندر یہ جدائی کے کانٹے جو ہر دم چُھ رہے ہیں
اُن کو کیا کروں۔

بطوفِ باغ غمِ روز را برم بیروں
بلا و محنتِ شبہائے تار را چہ کنم
یہ امر ممکن ہے کہ میں باغ کی سیر سے دن کے غم کو اپنے سے دور
کردوں مگر میں اپنی تاریک راتوں کی مصیبتوں اور صعوبتوں کو کیا کروں۔
غبارے از رہِ آں مشکبو غزال رسید
بجز عبیرِ کفنِ آں غبار را چہ کنم
اگرچہ میرے اُس مشک بُو غزال (دوست) کا غبار مجھ تک پہنچ گیا اور
مجھکو مل گیا مگر دردِ دُوری کے باعث قریب المِگ ہوں اب اس غبار کو اپنے کفن

میں بطورِ عبیر مسنے کے اور کیا کروں۔

شگافِ سینہ توانم کہ بندم از مرہم
تراوشِ مرہِ اشکبار را چہ کنم
یہ ہو سکتا ہے کہ جدائی کے سینے میں پڑے ہوئے شگافوں (درازوں) کو
مرہم استعمال کر کے علاج کر لوں مگر میری روتی ہوئی آنکھوں کی پلکوں سے جو
ہر دم و ہر آن آنسو ٹپک رہے ہیں اُن کو کیا کروں۔
ملوم از دو جہاں بے جمال او جاتی
چو یار نیست بدست ایں دیار را چہ کنم
اے جاتی دوست کے جمال سے محروم ہوتے ہوئے میں دونوں جہاں
سے بیزار ہوں۔ جب مجھ کو یہاں اپنے دوست کی لقاحاصل نہیں ہے تو میں
اس دیار (ملک-شہر) کو لے کر کیا کروں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

میں ایک ادنیٰ غلام ہوں اور تو میرا سلطانِ عالی جاہ ہے

من بندہ حقیر و تو سلطان محتشم
گر در غم تو زار بمیرم ترا چہ غم

میں ایک ناچیز غلام ہوں اور اے دوست تو ذی حشم بادشاہ ہے۔ اور بقول
کسے شاہاں کم انتفات بحال گدا کنند۔ اگر میں تیرے غم میں خوار و زار ہو کر مر
جاؤں، تجھے میری کیا پرواہ۔

رنجور گشتہ ام ز تمنائے مقدمت
بہر خدا پرسش من رنجہ کن قدم

اے دوست تیری آرزوئے ملاقات میں بیمار ہو گیا ہوں، للہ بیمار پُرسی کے لئے
آئیے۔

بر جانم از تو ہر چہ رسد جائے منت است
گر ناوکِ جفاست و گر خنجر ستم

اے دوست میری جان پر تیری طرف سے جو کچھ آئے میں اُس کا شکر
گزار ہوں، خواہ وہ ستم کا تیر ہو یا ظلم کی تلوار۔

عمریست جرمہ خوارِ سفالِ سگان تست
جائی کہ آبِ خضرِ نخوردی ز جامِ جم

ایک طویل عمر گزر گئی کہ تیرے کتوں کے برتنوں کا پانی پینے والا ہے۔ یہ جامی جو کہ آبِ خضر
جامِ جم سے پینا پسند نہیں کرتا تھا یعنی یہ بیچارہ صرف تیری عنایتوں کا محتاج ہے۔



صلی اللہ علیہ وسلم

اے دوست اگر تو غمِ خواری فرمائے تو پھر غم کی کچھ پرواہ نہیں

تو جانِ پاکی سر بسر نہ زاب و خاک اے نازنین
واللہ ز جاں ہم پاک تر روجی فداک اے نازنین

اے محبوب تو سر تا پا پاک جان ہے اور تجھ کو پانی اور مٹی سے کوئی
تعلق نہیں۔ بلکہ خدا کی قسم اے محبوب تو جان سے بھی بڑھ کر پاک ہے میری
جان تجھ پر قربان ہو۔

پاکاں ندیدہ روئے تو جاں دادہ اند ربوئے تو
ایک بگردِ کوئے تو صد جاں پاک اے نازنین

پاک لوگوں نے اگرچہ آپ کا چہرہ انور نہیں دیکھا مگر آپ کے حُسن بے
بہا پر اپنی جانیں قربان کرتے رہے۔ اے محبوب آج بھی ہزاروں پاک لوگ آپ
کے کوچے کے گرد اپنی جانیں لئے ہوئے حاضر ہیں۔

گر شد چو لالہ پیکرم غرقہ بخوں کے غم خورم
ایں بس کہ بر دل می برم داغت بخاک اے نازنین

اگرچہ میرا جسم مانند لالہ خون میں غرق ہو کر سُرخ ہو رہا ہے میں اس غم
ہجر کو کب تک برداشت کروں گا۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اے
محبوب تیرے داغِ غم کو دل میں لے کر خاک میں جا رہا ہوں۔

وارم ز غم بیمارے بیمار غم را یارے
گر تو کنی غمخواری از غم چہ باک اے نازنین

اے محبوب میں اپنے دل میں تیرے ہجر کے غم کی بیماری رکھتا ہوں۔ خدا
را آپ اپنے بیمارِ غم کی دستگیری فرمائیے اور اے محبوب اگر تو غمخواری کرے تو پھر غم کی
کچھ پرواہ نہیں۔

با آں کہ دردم شد قوی خواہم فغانم بشنوی

ترسم کہ بہر من شوی اندیشہ ناک اے نازیں
 باوجودیکہ میرا درِ غم بہت بڑھ گیا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ نالہ و فغاں کروں
 تاکہ تو سُنے مگر میں ڈرتا ہوں کہ اے محبوب مبادا تو میرے لئے فکر مند ہو لہذا
 نالہ و زاری سے باز رہتا ہوں۔

جائی کہ دارد باتو خو ہرگز نتابد از تو رو
 گر خود نہی بر فرق او تیغِ ہلاک اے نازیں
 یہ بیچارہ جاتی جو کہ تیری غلامی کا خوگر ہے ہرگز تجھ سے مُنہ نہ پھیرے گا۔
 اگرچہ اے محبوب تو خود اس کے سر پر ہلاک کر دینے والی تلوار ہی چلائے۔



صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ کا لقبِ رحمۃ العالمین ہے

اے زلعلتِ کام جو رُوحِ الامین
 خطِ سبزتِ رحمۃ العالمین

اے محبوبِ جبرئیل امین باوجود مقربِ بارگاہ ہونے کے آپ کی عنایتوں کے محتاج
 ہیں اس وجہ سے کہ آپ کا لقبِ اعظمِ رحمۃ العالمین ہے۔

در رہم گر گوئی از سر کن قدم
 پایم از شادی نیاید بر زمیں

اے محبوب اگر اپنے درِ پاک تک پہنچنے کے لئے آپ فرمائیں کہ اے
 جامی سر کے بل چل کر آؤ، بخدا کمالِ خوشی کے باعث میرا پیر زمین پر نہ پڑے گا۔

گر نہ بینم ہفتہ ماہِ رُخت
 بگذرد آہم ز چرخِ ہفتیمیں

خدا کی قسم اگر میں اپنے ماہِ رُخ محبوب کو ایک ہفتہ نہ دیکھوں تو میرا یہ
 حال ہوتا ہے کہ میری آہیں ساتوں آسمانوں سے اُوپر نکل جاتی ہیں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کہاں جائز ہے کہ دوست اپنے دوست کے ساتھ ایسا کرے

نورِ چشم من چہ واقع شد گناہ من چہ بود
کز نظر انداختی ما را بیک بار ایں چنین
اے میرے پیارے ایسی کونسی غلطی واقع ہوئی اور مجھ سے کون سا گناہ
سرزد ہوا کہ تونے مجھ بیچارے کو اچانک نظر انداز کر دیا۔
در خور مہر و وفا گر میستم بہر خدا
از جفاہائے خودم محروم مگذار ایں چنین
اے دوست اگر میں اس لائق نہیں ہوں کہ میرے ساتھ محبت کا
برتاؤں کیا جائے پھر بھی خدا را مجھ کو اپنی جفاؤں سے محروم نہ رکھے۔
ہرگز روزے پرسیدی کہ احوال تو چیست
کے روا باشد کہ باشد یار با یار ایں چنین
اے دوست تونے کسی دن بھی مجھ سے نہ پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ یہ
کہاں مناسب ہے کہ ایک دوست اپنے دوست کے ساتھ ایسا کرے۔



صلی اللہ علیہ وسلم

میں کون ہوں کہ دوست کی طرف خط لکھوں

با یار کوچ کردہ کہ گوید پیام من
و انجا بجز صبا کہ رساند سلام من
مجھ سے جدا ہو کر روانہ ہو جانے والے میرے دوست تک میرا پیام کون
پہنچائے۔ اور وہاں بجز بادِ صبا میرا سلام کون لے جائے۔
من کیستم کہ نامہ فرستم بسوئے او
در نامہ سگانش نویند نام من
میں کون ہوں اور میری کیا حقیقت ہے کہ دوست کی طرف خط لکھوں۔ اے
دوستو! اُس کے کتوں کے نام لکھے ہوئے خطوں میں میرا نام لکھ کر بھیج دو۔
عمرے ز اشک دانہ فشاندم ولے چہ سود
چوں نامہ آں کبوترِ رحمت بدام من
ایک زمانہ گزر گیا میں اپنے آنسوؤں کے دانے بکھیر رہا ہوں مگر کیا
فائدہ۔ جب کہ وہ کبوترِ رحمت (میرا محبوب) میرے جال میں نہ آیا۔
اے صید پیشہ چارہ چہ سازم خدائے را
کاں آہوئے رمیدہ شود صیدِ دام من
اے شکارِ یو! للہ مجھ کو تلاء میں کون سی تدبیر اختیار کروں تاکہ وہ میرے ہاتھ سے گیا ہو
ا میرا غزالِ رعنا (نوجوان ہرن بمعنی محبوب) میرے جال میں آ پھنسے۔
جامی گئے کایں ہمہ مستی و شور چیست
کز خمِ عشق پر شوک افتاد جام من
اے جامی! اس بات کا تذکرہ مت کرو کہ یہ مستی اور شور کیا چیز ہے۔ سنو! میرا
جام، عشق کے مٹکے سے حاصل کیا ہوا ہے جو نہایت ہی شان و شوکت والا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

میں تیری جستجو میں خاک و خون میں لوٹوں گا

من کیستم کہ چشم کشایم بروئے تو
 ایں بسکہ میکنم بزباں گفتگوئے تو
 میں کون ہوں کہ تیرے چہرہ انور کی طرف نظر کر سکوں۔ بس میرے لئے اتنا ہی
 کافی ہے کہ میں اپنی زبان سے تیری گفتگو کرتا رہوں۔
 اے آرزوئے جاں نظرے کن بحالِ من
 زان پیشتر کہ جاں دہم از آرزوئے تو
 اے میری جان کی آرزو مجھ غریب کے حالِ زار کی طرف بھی ایک نظر کر
 م فرمائیے۔ قبل اس کے کہ میں تیری آرزو میں اپنی جان دے دوں۔
 پایم چو سودہ شد برہت بعد ازیں چو اشک
 غلظم بخون و خاک پے جستجوئے تو
 اے دوست تیرے راستے سے گذرتے ہوئے اگر کہیں میرا پیر تیرے قدمِ نازک کے نشانوں
 سے مس ہو گیا تو میں تیری تلاش میں اشک کے مانند خاک و خون میں لوٹوں گا۔
 من اہلِ خوان وصل نیم کاش چوں سگاں
 سگے خورم بہ سر زمیماں کوئے تو
 اے دوست مجھے معلوم ہے کہ میں تیرا وصل حاصل کرنے والوں میں سے
 نہیں ہوں بلکہ میں تو اس انتظار میں ہوں کہ کاش کتوں کے مانند تیرے کوچے
 میں رہنے والوں کی طرف سے اپنے سر پر ایک پتھر کھا لوں۔



صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کی قسم میری نظروں میں تیرے خیال کے سوا کچھ باقی نہیں رہا

ز نیساں کہ خو گرفت دلم با وصال تو
 اے وائے آں زماں کہ نہ ینم جمال تو
 جس شدت کے ساتھ میرے دل میں تیرے وصال کا خیال جاگزیں ہوا ہے
 ایسی حالت میں اے محبوب میرے لئے بہت سخت مشکل ہے اگر ایک لحظہ بھی تیرا
 جمال نہ دیکھوں۔
 تا رفتہ چو خوابِ خوش از چشم اشکبار
 تھا کہ نیست در نظرم جز خیال تو
 اے دوست جب سے میٹھی میٹھی نیند میری روتی آنکھوں سے غائب ہوئی
 ہے۔ خدا کی قسم میری نظروں میں تیرے خیال کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔
 دارم سرے نہادہ براہت کہ مستِ ناز
 ناگاہ در رسی و شود پایمال تو
 اے دوست میں نے اپنا سر تیرے راستے میں بچھا رکھا ہے کہ جس وقت بھی تو مستی و ناز کے
 ساتھ ادھر سے گذرے فی الفور تیرے پائے ناز پر قربان ہو جائے۔
 جاتی چہ حاجت بکفتن کہ زد رقم
 بر لوحِ چہرہ کلکِ مژہ حسبِ حال تو
 اے جانی کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ تیرا تمامی حال تیری مژہ کی قلم
 نے تیرے چہرے پر لکھ رکھا ہے۔ دوست خود پڑھ لے گا۔



صلی اللہ علیہ وسلم

نظارۂ ہمہ اوست

اے جاوداں بصورتِ اعیان در آمدہ
گاہے نمودہ ظاہر و گہ مظہر آمدہ
اے ذاتِ باقی ظاہری صورت میں جلوہ گر۔ کہیں بے پردہ ظاہر اور کہیں
مظہر (جائے ظہور)

از روئے ذاتِ ظاہر و مظہر یکیت لیک
در حکمِ عقل ایں دگر آں دیگر آمدہ
خود ذات کے اعتبار سے ظاہر اور مظہر ایک ہی ہے مگر عقل کے نزدیک
یہ کچھ اور ہے وہ کچھ اور ہے۔

بے صورتست عشق و لے عشقِ صورتش
غالب شدہ بکسوتِ صورت بر آمدہ
اگر چہ عشق کی کوئی صورت نہیں ہے مگر اُس کی صورت کے دلولے نے
غالب ہو کر صورت کا لباس اختیار کر رکھا ہے۔

معروف عارفاں است بہر صورتے کہ ہست
در چشمِ منکراں چہ غم از منکر آمدہ
دل کی آنکھ رکھنے والوں کے نزدیک یہ بات بالکل واضح ہے کہ صورت
میں جو کچھ ہے وہی ہے اور اس بات کا کوئی غم نہیں کہ جو لوگ اس بات
کے انکاری ہیں اور انکار کر رہے ہیں۔

در موطنِ ظہور و بطون نیست غیر او
ہر چند کز ظہور و بطون برتر آمدہ
ہر شے کے ظاہر اور باطن میں اُس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اگر چہ اُس
کی ذاتِ عالی ظاہر اور باطن سے بھی بزرگ و برتر ہے۔

گاہش کشیدہ جاذبہ عاشقی عیاں
با داغِ عاشقانِ بلا پرور آمدہ
کسی مقام پر جذبہ عاشقی لئے ہوئے عاشقوں کے لباسِ سوز و ساز کے ساتھ جلوہ گر ہے۔
گاہش گرفتہ جلوہ معشوقِ آستین
بر شکلِ دل براں پری پیکر آمدہ
اور کہیں لباسِ معشوقی میں حسین و جمیل صورتوں میں مُشکَل ہے۔
کیجا نشستہ بر سرِ صدرِ جلال و جاہ
وز جملہ سرورانِ جہاں بر سر آمدہ
ایک جگہ جلال و جاہ کے ساتھ کرسیِ صدر پر جلوہ گر ہے اور جہاں کے
تمام سرداروں کا سردار بنا ہوا ہے۔

کیجا گلندہ خرقہ فقر و فنا بدوش
محتاج وار حلقہ زناں بر در آمدہ
اور ایک دوسری جگہ فقیرانہ لباس کندھے پر ڈالے ہوئے محتاجوں کے مانند
کاسہ گدائی لئے ہوئے دروازے پر کھڑا ہے۔

ہمراہ وحی گشتہ و روح القدس شدہ
پیغامِ خود رساند و پیغمبر آمدہ
کہیں خود ہی وحی کے ہمراہ ہو کر جبرئیل کی صورت میں ہے اور کہیں
اپنا پیغام پہنچانے کے لئے پیغمبر کے لباس میں ہے۔

بحریست منفق کہ ز اوصاف مختلف
باران و قطرہ و صدف و گوہر آمدہ
بہر حال وہ ذاتِ پاک ایک بحرِ عظیم ہے اور مختلف شکلوں میں کہیں بارش،
کہیں قطرہ، کہیں صدف اور کہیں قیمتی موتی ہو کر جلوہ گر ہے۔

نشکفتہ است جز گل وحدتِ باغِ عشق
ہر چند گاہہ صفر و گہ احمر آمدہ
الغرض باغِ عشق میں ذاتِ واحد کے سوا کوئی پھول نہیں کھلا اگر چہ وہ پھول کہیں سفید اور کہیں
سرخ نظر آ رہا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

جب تک زمین کی گرفتاری سے نہ چھوٹے گا آسمان پر نہ پہنچے گا

ز شہر تن کنی دل بملک جاں نری
 بدیں جہاں نئی پا بداں جہاں نری
 جب تک تن کے شہر سے دل نہ نکلے گا جان کے ملک میں نہ پہنچے گا۔ جب
 تک اس جہاں کو نہ چھوڑے گا اُس جہاں میں نہ پہنچے گا۔
 حسیض نفس زمین و آسمان است در رہ عشق
 تو پائے بست زمینی با آسمان نری
 اے مخاطب راہِ عشق میں نفسانی کدورتیں اور کشافیتیں ہی سہی راہ ہیں جب
 تک تو زمین سے نہ چھوٹے گا آسمان پر نہ پہنچے گا۔ یعنی جب تک نفس کو جملہ
 خواہشوں سے پاک نہ کرے گا عروج نہ دیکھے گا۔
 دو روزہ حبسِ نفس سہل باشد اے بلبل
 ازاں بترس کہ دیگر بپوستاں نری
 اے خوش نوا بلبل دو روز اس پنجرے کی صعوبت کو جھیل لینا آسان ہے۔
 اُس بات سے ڈر کہ کہیں تو اس پنجرے ہی میں گھبرا کر مر جائے یعنی بے
 ایمان مرے تو پھر تجھ کو باغِ جنت میں پہنچنا نصیب نہ ہو گا۔
 نشان عشق چہ پرسی ز ہر نشان بگسل
 کہ تا اسیر نشانی بہ بے نشان نری
 اے مخاطب مجھ سے نشانِ حق کیا پوچھتا ہے سُن لے ہر نشان سے جدا ہو
 جا۔ یعنی تمام دل بستگیوں کو چھوڑ دے کیونکہ جب تک تو کسی نشان کا گرفتار
 ہے وہ ذات جو بے نشان ہے اُس تک نہ پہنچے گا۔
 صدائے بانگِ جرس می رسد ولے از دور
 برہ محسب مبادا بکارواں نری

اے مخاطب تیرا قافلہ دُور نکل گیا۔ ابھی قدرے اُس کے گھٹنے کی آواز
 آرہی ہے اگر تو چاہتا ہے کہ اُس قافلے میں پہنچ جائے تو اب تجھ کو راستے میں
 ہرگز سونا نہ چاہئے ورنہ تو قافلہ میں نہ پہنچے گا یعنی حصولِ تقربِ الی اللہ میں تو
 پیچھے رہ گیا ہے۔ عمر بہت گزر چکی ہے کوشش کر۔ سونا چھوڑ دے ورنہ اس دولت
 سے محروم ہو جائے گا۔

حجابِ سرِّ حقیقت ہمیں توئے جامی

گماں مبر کہ ازیں بگذری باں نری

اے جامی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے رازوں میں در حقیقت تیری خودی ہی حجابِ
 اکبر ہے اُسکو دور کرنے اور اُس سے رہائی حاصل کرنے میں کوششِ بلوغِ کُر اور اس بات کا
 خیال ہرگز نہ کر کہ اس سے نجات پانے کے بعد بھی تو اُس تک نہ پہنچے گا
 نہیں نہیں ہرگز نہیں تو یقیناً اُس تک پہنچ جائے گا۔



صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مقدس ذات جو کہ جمالِ لایزال کی مظہر ہے

اے مظہرِ حسنِ لایزال

مراتِ جمالِ ذوالجلالی

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی ذاتِ مقدسِ حسنِ لایزال کی مظہر اتم ہے اور آپ جمالِ ذوالجلال کی رونمائی کے لئے مثلِ آئینہ ہیں۔

انوارِ تحلیٰ قدمِ را

رخسارِ تو احسنِ الحجابی

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ آپ کے رخسارِ مبارکہ تجلیاتِ ذاتیہ کے انوار کے لئے بہترین جلوہ گاہ ہے۔

در شانِ کمالِ ثنّتِ نازل

آیاتِ مکامِ و معالی

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی علوِ شانِ کمالیہ کے بیان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مثلِ سورۃ طٰ و سورۃ یسین و سورۃ مزمل نازل فرمائی ہے۔

رویتِ طَرَفِ من التہار است

زُلفتِ زُلفِ من اللّیالی

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کا چہرہ مبارک مانندِ آفتابِ نصف النہار ہے (ٹھیک دوپہر کے وقت کا سورج) اور آپ کی زلفِ مبارکہ سیاہ تر رات کے مثل ہے۔

احرامِ حریمِ آں نہ بندند

جز دُردِ گشایِ لا اُبالی

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے حریمِ پاک کی زیارت کے لئے احرام نہیں باندھتے ہیں مگر صرف اور صرف آپ کے میکدے کی تلچھٹ پینے والے دیوانے۔

جامی بہ وظائفِ تضرّع مشغول بود علی التّوالی

جامی بھی اُن تلچھٹ پینے والے دیوانوں میں سے ہے حاضری کے لئے رات اور دن گریہ و زاری کے وظیفے میں مشغول ہے۔

باشد بحوالہ عنایت

روزی برسد بداں حوالی

بہت ممکن ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض آپ کی عنایت و مہربانی سے یہ جامی بھی آپ کے مقدس دیارِ پاک تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔



رہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خدا کی قسم جب تک تم نہ چکھو گے اس شراب کے لطف کو نہ پہچانو گے

لی حبیب - قرشی - مدنی - عربی

کہ بود درد و غمش مایہ شادی و خوشی

میرا محبوب قرشی۔ مدنی اور عربی ہے۔ وہ اس قدر جاذبِ نظر اور دلنشین ہے

کہ اُس کا درد و غم ہزارہا خوشی و شادمانی کا سرمایہ ہے۔

فہم رازش کلنم او عربی من عجمی

لاف یاری چہ ز من او قرشی من حبشی

میں اپنے اُس محبوب کے رازوں کو مکلفہ سمجھنے سے عاجز ہوں کیونکہ وہ

عربی ہے اور میں عجمی ہوں، میں اُس کے ساتھ اپنی دوستی کی کیا بات کروں کیونکہ وہ عالی نسب، خوب شکل ہے اور میں بد شکل حبشی ہوں۔

گرچہ صد مرحلہ دوراست ز پیشِ نظرم

جُعِدَ فِي نَظَرِي كُلَّ غَدَاةٍ وَ عَشِي

اگرچہ میرا محبوب میری نظروں سے سینکڑوں میل دور ہے مگر میری وابستگی

کا یہ عالم ہے کہ اُس کی مشکبو زلفیں رات اور دن ہر وقت میری نظروں میں ہیں۔

صفتِ بادہٗ عشقش ز من مستِ میرس

ذوقِ ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

میرے محبوب کے عشق کی شراب کی خوبی مجھ دیوانے سے مت پوچھو۔ خدا

کی قسم اُس شراب کے لطف کو ہرگز نہ سمجھ سکو گے جب تک کہ پی نہ لو۔

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آبِ حیات

ضاعف اللہ بہ کُلِّ زمانِ عطشی

اُس محبوب کی محبت کے آبِ حیات سے سیر اور لا تعلق ہونا میرے لئے

ہرگز مناسب نہیں بلکہ خدا کرے میری پیاس میں ہر دم و ہر آن اضافہ ہوتا



جامی آربابِ وفا جز رہِ عشقش نرود

سر مبادت گرازیں راہِ قدم باز کشی

اے جامی سچے عاشق اُس محبوب کے عشق میں اضافے کے سوا دوسرا راستہ

اختیار نہیں کرتے۔ خدا نخواستہ اگر اُس راستے سے قدم پیچھے ہٹے تو پھر موت ہی بہتر ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

جال میں پھنسے ہوئے پرندے کے دکھ درد کو تو کیا جانے

آسودہ دلا حال دل زار چہ دانی

خونخواری عشاق جگر خوار چہ دانی

اے عیش میں رہنے والے محبوب حیران و پریشان رہنے والوں کے دل کا حال
تو کیا جانے اور خونِ جگر پینے والے عاشقوں کی حالتِ زار سے تجھ کو کیا واسطہ۔

ہرگز ٹھلیدہ کفِ پائے تو خارے

آزردگی سینہ افکار چہ دانی

اے محبوب جب کہ تیرے پیر میں کبھی کوئی کانٹا نہیں چُھتا تو پھر تجھے
اُن لوگوں کی مصیبتوں کا اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جن کے سینے غمِ واندوہ کے سبب پارہ
پارہ ہو گئے ہیں۔

شب تا بہ سحر خفتہ بخلوت گہ نازی

بے خوابی ایں دیدہ بیدار چہ دانی

اے محبوب رات سے لے کر صبح تک جب کہ تو خلوت گاہِ ناز میں محو
خواب ہے اس رات بھر جاگنے اور بے نیندوالی آنکھوں کا حال تجھ کو کیا معلوم۔

اے فاختہ پرواز کناں بر سرِ سروی

درد دل مرغان گرفتار چہ دانی

اے آزاد فاختہ جب کہ تو سرو کے درختوں پر بے خوف و خطر مشغول پرواز ہے جال میں پھنسے
ہوئے پرندے کے دلی دکھ درد کو تو کیا جانے۔

جامی تو و بیہوشی و جامِ مے و مستی

راہ و روشِ مردم ہشیار چہ دانی

اے جامی تیرا تو یہ حال ہے کہ تو ہمہ دم بے خبری۔ مے نوشی و سرمستی
سے ہمکنار ہے تجھے دنیوی دانائی و فرزانگی والوں کے طور طریقے سے کیا تعلق۔

صلی اللہ علیہ وسلم

کیا اچھا ہوتا میں تیرے در کے کتوں میں سے ہوتا

کاش من بیدل از سگان تو بودے

تا ز مقیمانِ آستان تو بودے

اے محبوب کیا اچھا ہوتا میں بیچارہ تیرے دروازے کے کتوں میں سے ہوتا
تاکہ مجھ کو بہ آسانی تیرے آستانِ عالیہ پر رہنے کا موقع ملتا۔

زاہد اگر قبلہ جمال تو دیدے

وردِ زبانش دعائے جان تو بودے

زاہد خشک اگر تیرے حقیقی جمال کے کعبے کو دیکھ لیتا تو یقیناً ہر وقت اُس
کی زبان کا وظیفہ دُعا تیری جان کی سلامتی کے سوا نہ ہوتا۔

غنچہ اقبال ما کجا بہ شکفتے

گر نہ نسیمِ ز گلستان تو بودے

ہماری اقبال مندی اور نصیبے کا پھول کیونکر کھلتا۔ اے محبوب اگر تیرے
گلستاں سے نسیمِ عنایت ہماری طرف نہ آتی۔

جامی اگر یافتہ قبولِ غلامیت

غاشیہ بردوش در عنان تو بودے

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر جامی کو آپ کی غلامی کی قبولیت کا شرف
حاصل ہو جاتا تو ہر وقت حضورِ والا کا غاشیہ (بیگ) کندھے پر لئے ہوئے ہم

رکاب ہوتا۔



صلی اللہ علیہ وسلم

اے مملکتِ حسن کے شہنشاہِ خدا رحم فرمائیے

دارند جان و دل بتو ہر یک تفلے

اے بادشاہِ حسنِ خدا را ترے

ہماری جانیں اور ہمارے دل تیرے عشق و محبت کے باعث پُر درد ہیں

اے مملکتِ حسن کے شہنشاہِ للہ رحم فرمائیے۔

آہستہ راں سمندرِ خدا را کہ در رہت

صد سر فداہ بیش بود زیر ہر سے

اے محبوبِ للہ اپنے سمندرِ ناز (گھوڑے) کو آہستہ دوڑائیے کیونکہ تیرے

راستے میں ہم جیسے ہزاروں لوگ شوقِ زیارت میں ہر ٹاپ کے نیچے سروں کو بچھائے ہوئے پڑے ہیں۔

گر می کنیم نالہ ز شوقِ رختِ مرغ

کز شوقِ گلِ خوش است ز بلبلِ ترے

اے محبوب اگر میں تیرے چہرے کی زیارت کے شوق میں نالہ کر رہا

ہوں تو تو اس سے رنجیدہ نہ ہو کیونکہ شوقِ گل میں بلبل کا ترنم یقینی امر ہے۔

جامی بجاں رسید ز بس گریہ ہائے تلخ

ہرگز ندید ازاں لب شیریں تہمتے

جامی کثرتِ گریہ و زاری کے سبب جو کہ امیدِ دیدار ہے اب جاں بلب ہے مگر افسوس و صد افسوس

کہ ابھی تک محبوب کے لب شیریں کے ایک تہمتی دیدار سے محروم ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

اے دوست اتنا کر کہ اپنا چہرہ زیبا مجھ کو دکھلا دے

طال شوقی الیک یا مولائے

بمّا آں رخ جہاں آرائے

اے دوست تیری ملاقات کا شوق بہت بڑھ گیا۔ کرم فرما اور تمامِ عالم کو

منور کر دینے والا اپنا چہرہ زیبا مجھ کو دکھلا دے۔

رفتِ عمرم بدرِ حرماں آہ

سوختِ جانم بدایِ جہراں وائے

اے دوست میری تمام عمر تیرے غم اور محرومی میں گذر گئی۔ ہائے افسوس

میری جاں تیرے بھر کی تلش میں سوخت ہو گئی۔

گو مرا عمر جاودانہ مباح

گو مرا دولتِ زمانہ مپائے

اے دوست مجھ کو ہمیشہ باقی رہنے والی عمر کی تلاش نہیں۔ دُنیوی دھن و

دولت کی فکر نہیں۔

جملہ اینہا طفیلِ ثنت اے دوست

تو ہمیں کن کہ رُوئے خود بنمائے

اے دوست یہ سب چیزیں تیری بدولت مجھ کو میسر ہو جائیں گی تو صرف

اتنا کر کہ اپنا چہرہ زیبا مجھ کو دکھلا دے۔

کز دو عالم ہمیں وصالِ تو بس

بلکہ یک پر تو از جمالِ تو بس

کیونکہ میرے نزدیک دونوں جہان سے بڑھ کر صرف تیرا وصال کافی ہے

بلکہ تیرے جمالِ جہاں آرا کی ایک جھلک ہی میرے لئے بس ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

اگر مرنے کے بعد میرے سر سے تیرا گزر ہو

من غلام تو ام ولے نہ چناں
کہ ز بیداد و جور بگریزم
اے دوست میں تیرا صادق اور با وفا غلام ہوں نہ اس طرح کہ تیرے جور
و ظلم سے گھبرا کر تیرے در کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔
نخورم بے تو شربت آبے
کہ بخون جگر نیا میزم
اے دوست تجھ سے جدا ہوتے ہوئے جب میں پانی پیتا ہوں تو ایک
گھونٹ بھی خونِ جگر کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتا۔
گر پس از مرگ بر سرم گزری
مست و بجنود ز خاک بر خیزم
اے دوست اگر مرنے کے بعد میرے سر سے تیرا گزر ہو تو میں مست
اور بیخود ہو کر کھڑا ہو جاؤنگا۔

آستین بر دو عالم افشام
وست در دامن تو آویزم
اے دوست میں دونوں جہان کو خیر باد کہ دوں گا اور تیرے دامن سے وابستہ ہو جاؤنگا۔
کز دو عالم ہمیں وصال تو بس
بلکہ یک پرتو از جمال تو بس
کیونکہ میرے نزدیک دونوں جہاں سے بڑھ کر صرف تیرا وصال کافی ہے بلکہ
تیرے جمال کی ایک جھلک ہی میرے لئے حد اور بس ہے۔



صلی اللہ علیہ وسلم

چہ غم از محنتِ راہ است چو ہمراہ توئی

ناز نیناز شمم آگاہ توئی
واقفِ آہ و دمِ سر د سحر گاہ توئی
اے دوست بوقتِ شب میری سجدہ ریزی اور نیاز مندی سے صرف تو ہی
آگاہ ہے اور صبح کے وقت کی میری آہ و زاری اور عاجزی و انکساری کے اظہار
سے تو ہی باخبر ہے۔
ماہ را لہبہ آئینِ شب افروزی نیست
گر نہ بنمودہ رخ از آئینہ ماہ توئی
اے دوست چاند کو رات بھر جگمگانے کی تاب ہرگز حاصل نہ ہوتی اگر نورِ قدیم
کے آئینے سے تجھ جیسے روشن چاند کا ظہور نہ ہوتا (لولاک لہا خلقت الافلاک)۔
در رہ عشق تو جز محنت و غم نیست ولے
چہ غم از محنت را ہست چو ہمراہ توئی
راہِ عشق میں محنت و غم سے مفر نہیں ہے۔ مگر راستے کی صعوبتوں کی
کچھ پرواہ نہیں جبکہ تو خود ہمراہ ہے۔
حاجت قبلہ صورت نبود جامی را
قبلہ حاجش المیۃ للہ توئی
اے دوست جامی کے لئے ظاہری قبلے کی حاجت نہیں ہے۔ دریں
صورت کہ بحمد اللہ تعالیٰ تو اسکا قبلہ حاجت ہے۔



صلی اللہ علیہ وسلم

خطاب آمد کہ از پیر مغاں خواہ آنچہ می خواہی

بہ فکر ت خواستم کہ سر وحدت یا ہم آگاہی

خطاب آمد کہ از پیر مغاں خواہ آنچہ می خواہی

میں نے اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہا مجھ کو وحدت (اللہ تعالیٰ) کے اسرار سے آگاہ کر۔ فی الفور خطاب آیا کہ جو کچھ طلب کرتے ہو پیر مغاں (مرشد) سے طلب کرو۔

کشم رخت از دیارت بر در پیر مغاں روزے

اگر دولت کند دمسازی و توفیق ہمراہی

اے دل ہوشیار ہو جا اب میں ایک روز ضرور پیر مغاں (مرشد) کے دروازے پر اپنا سامان لے جاؤں گا۔ اگر کرم خداوندی اور توفیق الہی کی تائید مجھ کو حاصل رہی۔

شد از دیوان قسمت ہر کسے را نامزد خیرے

من و جام صبحی زاہد و ورد سحرگاہی

مقدر کے دفتر سے ہر کس و ناکس کو مشغولیت کی ہدایت ملی۔ میں تو جام صُبحی (عشق الہی کی مستی) میں مستغرق ہوں اور زاہد صبح کے ورد اور وظائف میں غرق ہے۔

چہ سوداے شیخ ہر ساعت فزودن خرمن طاعت

چو نتوانی کہ یک جو از وجود خویش تن کاہی

اے شیخ ظاہر میں طاعت اور عبادت کے کھلیان کو ہر وقت افزودن کرنے کی فکر سے کیا فائدہ جب کہ تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی خودی و خود بینی کے مرض کو ایک جو کے برابر ہی کم کرنے کی فکر کرے۔



صلی اللہ علیہ وسلم

یا شافع روز جزا پُرساں توئی پُرساں توئی

یا شافع روز جزا پُرساں توئی پُرساں توئی

رخت ملک نور خدا انساں توئی انساں توئی

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز جزا (قیامت) ہمارے پُرساں حال آپ ہی ہیں آپ ہی ہیں۔ فرشتوں کو رشتک دلانے والے۔ اللہ تعالیٰ کے نور انساں آپ ہی ہیں اور بس۔

روشن ز رویت دو جہاں عکس رخت خورشید جاں

اے نور ذات کبریا رختاں توئی رختاں توئی

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے چہرہ مبارک کی چمک سے دونوں عالم منور رہیں اور آپ کے رُخِ زیبا کا عکس ہماری جانوں کے لئے مثلِ آفتاب ہے۔ اے اللہ تعالیٰ کے نور در حقیقت آپ ہی رخشندہ و تابندہ ہیں۔

یا مصطفیٰ یا مجتبیٰ ارحم لَنَا ارحم لَنَا

دست ہمہ بیچارہ را داماں توئی داماں توئی

اے مصطفیٰ اور اے برگزیدہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب پر رحم فرمائیے ہم سب پر رحم فرمائیے۔ ہم سب مجبوروں کے لئے آپ ہی پناہ گاہ ہیں اور بس۔

من عاصم من عاجزم من یکسم از خود مراں

یا شافع روز جزا پُرساں توئی پُرساں توئی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گناہگار ہوں میں مجبور ہوں میں بے سہارا ہوں یا شافع روز جزا میرے پُرساں حال آپ ہی ہیں آپ ہی ہیں۔

جامی رود از جان خود جلوہ نما بہر خدا

جان و دلم ہر دو فدا جاناں توئی جاناں توئی

جامی قریب المرگ ہے لہذا اپنا دیدار عطا فرمائیے میری جان اور دل دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں میرے محبوب آپ ہی ہیں آپ ہی ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم

سلام بخضر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سلامٌ علیک اے نبی مکرم
مکرم تر از آدم و نسلِ آدم

اے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر ہزارہا درود اور سلام ہوں آپ حضرت
آدم اور کل نسلِ آدم سے مکرم تر ہیں۔

سلامٌ علیک اے ز آبائے علوی
بصورتِ موخر بمعنی مقدم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اہل آسمان کی طرف سے سلام ہو۔ آپ
بظاہر موخر ہیں مگر سب پر مقدم ہیں۔

سلامٌ علیک ز آبائے فطرت
طفیل وجود تو ایجادِ عالم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر تمامی کائنات کی مخلوقات کی طرف سے سلام
ہو۔ کیونکہ آپ کی بدولت ہی اس عالم کی ہر شے ظہور میں آئی ہے۔

سلامٌ علیک اے ز اسمائے حسنی
جمال تو آئینہ اسمِ اعظم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر باری تعالیٰ کے اسمائے حسنی کی طرف سے سلام
ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی کے جمال کی رہنمائی کے لئے آپ ہی آئینہ ہیں۔

سلامٌ علیک اے بملکِ رسالت
ترا خاتم المرسلین نقشِ خاتم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ہزارہا درود اور سلام ہوں کیونکہ مملکتِ رسالت میں
خاتم المرسلین کا نقش آپ ہی کو ملا ہے۔

سلامٌ علیک اے شناسا بصدِ سر
کہ روحِ الایں در یکے نیست محرم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کو ایسی رفعتِ شانی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں
رازوں سے آپ واقف ہیں اور حضرت جبرئیل باوجود مقرب بارگاہ ہونے کے اُن میں سے کسی
سے بھی باخبر نہیں۔

سلامٌ علیک اے ز ابرِ نوات
مرا کشت زارِ اہل سبز و خرم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی جود و بخشش کے سبب ہماری اُمیدوں کا کھیت
سرسبز و شاداب ہے۔

ہزاراں تحیّات ز حق با دفائض
روحِ تو و آلِ وصحبِ تو ہر دم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاکھوں درود اور سلام حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے
آپ کی روحِ مبارک۔ آپ کی آلِ پاک۔ آپ کے اصحابِ کرام پر ہر دم و ہر آن
فائض ہوں۔



”حضورِ شہِ بحر و بر جانے والے“

حضورِ شہِ بحر و بر جانے والے لئے جا ہماری نظر جانے والے
 قدم کو ترے آ، نگاہوں میں رکھ لوں ارے اُس در پاک پر جانے والے
 ذرا غم نصیبوں کو بھی یاد رکھنا حبیبِ دو عالم کے گھر جانے والے
 تڑپتے ہیں کس طرحِ فرقت میں مارے ارے دیکھ لے اک نظر جانے والے
 نہ کر خوفِ منزل نہ کر فکرِ جادہ وہ خود ہیں ترے راہبر جانے والے
 انھیں کے تصور کو اُنکی طلب کو بنا لے رفیقِ سفر جانے والے
 مبارک ہو وہ پُر شکوے زندگانی مکدر فضا سے گزر جانے والے
 انھیں بھی ذرا اک نظر دیکھ لینا ملیں پا پیادہ اگر جانے والے
 قدم خاکِ طیبہ پہ رکھنا ادب سے ذرا ہاں! سمجھ سوچ کر جانے والے
 ہوائیں مخالف فضا میں مکدر چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے
 ہماری تو دل سے یہی بس دُعا ہے ادھر اب نہ آئیں ادھر جانے والے
 خدا تجھ کو با کیف و با سوز رکھے مرے دل کو بے چین کر جانے والے
 حمیدِ حزیں کی بھی اک بات سُن لے
 ٹھہر جانے والے! ٹھہر جانے والے

گل ہائے عقیدت

اُنہی کی بومایہِ ثمن ہے اُنہی کا جلوہ چمن چمن ہے
 اُنہی سے گلشنِ مہک رہے ہیں اُنہی کی رنگتِ گلاب میں ہے

(حضرت رضا بریلوی)

زائرِ حرمِ حمیدِ صدیقی (لکھنؤ)

”نگاہ فرما کہ ساری اُمت کی میٹھی چاہیں ترس رہی ہیں“

”ولادتِ مصطفوی ﷺ“

ترے آتے ہی کنگورے گرے ایوانِ کسری کے
ہر اک آتش کدہ افسوس سے بھرنے لگا آہیں

یہ کیسا انقلاب آیا کہ آتش بن گیا پانی
ترے انوار اک زندہ شہادت کی طرح روشن

نگاہِ کفر و ظلمت ہو گئی اندھی
نگاہِ کفر نے انوار کی بارش نہیں دیکھی

سماعت چھین لی کفار کی رعدِ ولادت نے
شہابِ سُرخ کی مانند شعلوں کی ہوئی بارش

کہ جن کے خوف سے بُت گر پڑے بے اختیاری میں
شیاطین اس طرح بھاگے کہ جیسے ابرہہ کی فوج بھاگی تھی

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشمیری (کراچی)

حرم سے طیبہ کو آنے والے تجھے نگاہیں ترس رہی ہیں
جدھر جدھر سے گُزر کے آئے اُداس راہیں ترس رہی ہیں

رسولِ اطہر جہاں بھی ٹھہرے وہ منزلیں یاد کر رہی ہیں
جبیں اقدس جہاں جھکی ہے وہ سجدہ گاہیں ترس رہی ہیں

جو نورِ افشاں تھیں لحظہ لحظہ حضورِ انور کے دمِ قدم سے
وہ جلوہ گاہیں تڑپ رہی ہیں وہ بارگاہیں ترس رہی ہیں

صبائے بطحانوں سے پُر ہے فضاے اقصیٰ بھی دُکھ بھری ہے
اب ایک مدت سے حال یہ ہے اُتر کو آہیں ترس رہی ہیں

خیال فرما کہ چشمِ عالم تری ہی جانب لگی ہوئی ہے
نگاہ فرما کہ ساری اُمت کی میٹھی چاہیں ترس رہی ہیں

نفیس کیسا یہ وقت آیا سلوک و احساں کے سلسلوں پر
جہاں مشائخ کی رونقیں تھیں وہ خافقاہیں ترس رہی ہیں

سید نفیس الحیدری نفیس (لاہور)

”دور ہے شہر نبی ﷺ سے پھول پڑ مردہ ہے یوں“

اس جہاں میں آپ ﷺ کا عہد رسالت انتخاب
بعد اُس کے چار یاروں کی خلافت انتخاب
وہ ﷺ شفیع کل ام اور شافع ﷺ یوم المنشور
روزِ محشر آپ ﷺ ہی کی ہے شفاعت انتخاب
پیر کا دن صبح صادق نور و نکہت اور بہار
بالتیس سرکار ﷺ کا یوم ولادت انتخاب
دُشمنوں نے دی گواہی آپ ﷺ صادق اور امین
وہ صداقت انتخاب اور وہ امانت انتخاب
سورہ طہ کے آغاز میں حق کا خطاب
پائے اقدس پر ورم شہ کی عبادت انتخاب
آیہ تطہیر شاہد ہے سدا قرآن میں
اہل بیت مصطفیٰ ﷺ کی ہے نجابت انتخاب
اہل مکہ کو بتایا منزلِ اقصیٰ کا حال
آپ ﷺ کو اللہ نے بخشی بصارت انتخاب
بعد ”اطیعوا اللہ“ کے کیا ہے لکھا قرآن میں
اہل دُنیا کے لئے شہ ﷺ کی اطاعت انتخاب
دور ہے شہر نبی ﷺ سے پھول پڑ مردہ ہے یوں
باغِ طیبہ میں تھی اس رُخ کی بشارت انتخاب

تویر پھول (نیو یارک)

”حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے“

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لئے حاضر غلام ہو جائے
میں صرف دیکھ لوں اک بار صبحِ طیبہ کو
بلا سے پھر مری دُنیا میں شام ہو جائے
تجلیات سے بھروں میں اپنا کاسہ جاں
کبھی جو اُن کی گلی میں قیام ہو جائے
حضور آپ جو اُن لیں تو بات بن جائے
حضور آپ جو کہ دیں تو کام ہو جائے
حضور آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں مشکل
سمٹ کے فاصلہ یہ چند گام ہو جائے
ملے مجھے بھی زبانِ بوسیری و جامی
مرا کلام بھی مقبول عام ہو جائے
مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہ دیں
صبحِ مدحت خیر الانام ہو جائے

سید صبحِ رحمانی (کراچی)

”ان کا یوم ولادت بڑی عید ہے“

مہرباں اُن پہ قدرت زمیں تا فلک
آپ کی ہے نبوت زمیں تا فلک
اُن کی سیرت کا شہرہ چمن در چمن
اُن کی عزت و عظمت زمیں تا فلک
شبِ اسرا ہیں اُن کا سفر دیکھئے
اک بشر کی یہ عظمت زمیں تا فلک
رحمتِ دو جہاں بیکسو کی اماں
آپ رحمت ہی رحمت زمیں تا فلک
نفرتوں کو مٹایا ہے اخلاق سے
اُن کی اُلفت، محبت زمیں تا فلک
ان کا یوم ولادت بڑی عید ہے
آج کیوں نہ ہو رحمت زمیں تا فلک
اپنے جیسا جو کہتا ہے ان کو یہاں
اس پہ لعنت ہی لعنت زمیں تا فلک
آپ کا سکہ دونوں جہاں میں چلے
آپ ہی کی قیادت زمیں تا فلک
خونِ شہید دیں کی بقا بن گیا
مہکی ان کی شہادت زمیں تا فلک
عرشی و فرشی طاہر کریں آپ کی
اک مثالی طاعت زمیں تا فلک

طاہر سلاطانی (کراچی)

نعتِ نبی ﷺ (چہار در یک Four in one)

نوٹ: اس نعت کو مندرجہ ذیل چار طرح سے پڑھا جائے۔ (ا) پورے پورے مصرعے
پڑھے جائیں (ب) بریکٹ کے بعد والے جز کو چھوڑ دیا جائے۔ صرف پہلے دو جز پڑھے جائیں
(ج) بریکٹ سے پہلے درج جز کو چھوڑ دیا جائے۔ اور بعد والے دونوں جز پڑھیں جائیں۔ (د) صرف
بریکٹ میں درج اجزا کو پڑھا جائے۔ پہلے اور بعد کے جز چھوڑ دے جائیں۔
مخلوق میں (ہیں آپ ہی کل سے سوا) صلّ علی
در دوسرا (یا سیدی یا مصطفیٰ) صلّ علی
نورِ خدا (شاہِ ہدائی، شانِ خدا) صلّ علی
صلّ علی (صلّ علی صلّ علی) صلّ علی
تاریک تھا (روشن زمانہ ہو گیا) صد مرحبا
اے دوستو (جب آگئی شمس الضحیٰ) صلّ علی
لہذا اب (مجھ کو بھی بلوا لیجیے) یا سیدی
مشہور ہے (بے مثل ہے در آپکا) صلّ علی
مجھ کو بھی یہ (توفیق ہو رشتا رہوں) رشتا رہوں
صبح و مسا (بدراستی خیر الوری) صلّ علی
انسان وہ (ہے کامیاب و کامراں) در دو جہاں
شاہِ اُمم (جو آپ پہ قرباں ہوا) صلّ علی
واللہ وہ (مختار ہیں کونین میں) صابر کہو
جس باب میں (جو کہ دیا وہ ہو گیا) صلّ علی

ڈاکٹر صابر سنبھلی (یو پی)

”اے رحمتِ حق مجھ کو بچانے کے لیے آ“

نقشِ غمِ ہجراں کو مٹانے کے لیے آ

یادِ شہ ابرار نہ جانے کے لیے آ

بوئے درِ محبوب تری راہ ہوں نکلتا ویرانہ دل میرا بسانے کے لیے آ
 محشر میں گناہوں نے کہیں کا نہیں چھوڑا اے رحمتِ حق مجھ کو بچانے کے لیے آ
 بے بس ہوں بہت قبر میں آئے ہیں نکیرین آ مجھ کو جوابات بتانے کے لیے آ
 اے حُسنِ تجلیِ مدینہ کبھی اک دن خوابوں میں سہی جلوہ دکھانے کے لیے آ
 اے کاش کسی رات یہ مل جائے اشارہ برسات ہے طیبہ کی نہانے کے لیے آ
 گھٹنے کو ہیں محشر میں گناہوں کے دفاتر اے رحمتِ کونین چھپانے کے لیے آ
 اے کاش کسی رات چمک جائے مقدر پیغام ملے نعتِ سنانے کے لیے آ
 ویرانہ و سنسان ہے افکار کا گلشن اک پھول سہی اس میں کھلانے کے لیے آ
 اے چشمِ کرم بہرِ خدا ایک نظر ہی بگڑی ہوئی تقدیر بنانے کے لیے آ
 اے خاکِ مدینہ کوئی ذرہ ہی کرم کر سرمایہ نعت کو بڑھانے کے لیے آ
 جب پہنچے قمر گنبدِ خضریٰ کے جلو میں
 اے پیکِ اجل وعدہ نبھانے کے لیے آ

علامہ قمر بستی (ہیوٹن)

نعتیہ نظم

گل ہاے مدحت کے گجرے
 صبا اپنے آنچل میں اُس در کی مٹی کا غازہ چھپاتی رہے گی
 شفق اپنے چہرے پر سُرخِ حیا کی سجاتی رہے گی
 گھٹا اپنے کندھوں پہ دو سالہ اوڑھے محبت کے
 گہرے سمندر سے پانی کی بوندوں کی
 خیرات لیتی رہے گی
 قلم میرا مدحت کے پھولوں کے گجرے بناتا رہے گا
 میری چشمِ تراپنی راتوں کے آنگن میں خود ناچ اٹھا کرے گی
 مری چشمِ تر مُسکرایا کرے گی
 مرے روز و شب گنگنا یا کریں گے
 مرے سر پہ رحمت کی چادر کا سایہ رہے گا
 اسی اسمِ تازہ کی خوشبو سے اوراقِ پستی مہکتے رہے ہیں
 مہکتے رہیں گے

ریاضِ حسین چودھری (لاہور)

”سرِ حشر میری نجات کا نگہِ کرم پہ مدار ہے“

مرے گلتانِ خیال میں بخدا تمھیں صلی اللہ علیہ وسلم سے بہار ہے
وہ مری نگاہ میں پھول ہے جو تمھارے صلی اللہ علیہ وسلم دشت کا خار ہے

مجھے تم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ہو عزیز، کیا یہ دل و جگر تو ہیں چیز کیا
مری کائنات میں جو بھی ہے وہ تمھارے رُخ کی بہار ہے

مری زندگی میں ہیں روئیں ترے صلی اللہ علیہ وسلم نام سے تری صلی اللہ علیہ وسلم یاد سے
ترا صلی اللہ علیہ وسلم نام وجہِ شکون ہے صلی اللہ علیہ وسلم تری یاد وجہِ قرار ہے

مہ و مہر کی یہ تجلیاں ہیں تمھارے صلی اللہ علیہ وسلم نور کی جھلکیاں
جسے لوگ کہتے ہیں کہکشاں وہ تمھاری صلی اللہ علیہ وسلم راہ گزار ہے

میں گناہگار ہوں پست ہوں تہی دامن و تہی دست ہوں
سرِ حشر میری نجات کا نگہِ کرم پہ مدار ہے

مری معصیت ہے عروج پر تری رحمتیں ہیں کمال پر
نہ مرے گناہ کی انتہا نہ ترے کرم کا شمار ہے

صفت اُن کی صلی اللہ علیہ وسلم حامد بے نوا جو بیاں کرے بھی تو کیا کرے
کوئی آج تک نہ سمجھ سکا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عرّ و وقار ہے

حامدِ امر و ہوی (شکاگو)

”اے زائیرِ طیبہ آقا کے دربار کا منظر کیسا ہے“

چلمن کیسی جالی کیسی گنبد کیسا در کیسا ہے
اے زائیرِ طیبہ آقا کے دربار کا منظر کیسا ہے

جا کر نہیں دیکھا تھا تو کبھی روضہ نظر آتا خواب میں ہی
کیسی ہے یہ ناکامی میری آنکھوں کا مُقَدَّر کیسا ہے

اب حشر تلک دنیا کو کوئی حاجت ہی نہیں پیغمبر کی
یہ شرع مکمل کیسی ہے یہ آخری رہبر کیسا ہے

اک باعثِ روزاک باعثِ شب مجھ کو بھی کبھی دکھلا یارب
وہ زلفِ معبر کیسی ہے وہ رُوئے سمّوّر کیسا ہے

کچھ خوفِ عذابِ قبر نہیں کچھ فکرِ حسابِ حشر نہیں
یہ لطفِ اُنکا یہ ان کا کرم ہر حال میں مجھ پر کیسا ہے

کیا دل کی راہ سے ہوتے ہوئے وہ حجرہ جاں تک آپنچے
یہ رُوحِ معطر کیسی ہے یہ قلبِ مَؤر کیسا ہے

آسفتہ سری ہے ساجد کی یا نازِ غلامی ہے اُس کا
کہتا ہے کہ آقا خود پوچھیں حالِ دلِ مضطر کیسا ہے

ساجدِ امر و ہوی (یوپی)

”کہاں یہ منہ اور کہاں محبوب ﷺ ذوالمنن“

نعتِ حبیب لکھنے کی دل میں ہے اک لگن
اس شغل میں ہی بس رہوں ہر وقت اب لگن

توفیق تیری فکر میں شامل نہ ہو اگر
میری ہے کیا بساط ہی جو گھل سکے دہن

لا یمکن الثناء کہا کان حقہ
گرچہ میں اس کے واسطے لاکھوں کروں جتن

صد شکر ہے اجازت مدح نبی ﷺ مجھے
ورنہ کہاں یہ منہ اور کہاں محبوب ذوالمنن

عشق رسول اتنا بھی آسان تو نہیں
پہنچا ہوں در پہ اُن کے مگر چاکِ پیرہن

اے کاش خستہ حالی کی اُنکو بھی ہو خبر
ہو جائے میرے واسطے یہ دافعِ محن

یا رب عطا ولیؑ کو ہو ایسی شیفنگی
اُن کی جناب میں مرا مقبول ہو سخن

ولی اللہ ولی عظیم آبادی صدیقی (مدینہ منورہ)

”آگئی جب ولادت کی پیاری گھڑی آسماں مسکرایا ز میں ہنس پڑی“

یہ زمین وزماں یہ مکین و مکاں یہ مہ و مہراجم ہیں جن کے لئے
اُس نبی کی ولادت کے موقع پہ ہم کیوں نہ اپنے گھروں میں جلائیں دیئے

آگئی جب ولادت کی پیاری گھڑی آسماں مسکرایا ز میں ہنس پڑی
نور والے کا صدقہ اُتارا گیا نور نے چاند تارے بچھا اور کئے

ہر کلی پھول بن کر مہکتے لگی ہر گلستاں میں بلبل چہکنے لگی
عارضِ صبح پر صد بہار آفریں ابرِ رحمت نے شبنم کے چھینٹے دیئے

کتے سینوں میں کینہ دلوں میں جلن کتنے کانٹے چن میں ہیں گل پیرہن
پھر رہے ہیں بچھانے کو شمعِ سننِ روپ بدلے ہوئے کتنے بہرِ روپے

خالقِ گل نے مالک بنایا اُنہیں وہ ہیں مختارِ گل وہ ہیں سرکارِ گل
چتنے کونین کے اختیارات ہیں حق تعالیٰ نے اُنکو عطا کر دیئے

قافلے جب مدینے کو جانے لگے آگیا اپنی قسمت پہ رونا ہمیں
ہم جلائے ہوئے حسرتوں کے دے دُور تک جانے والوں کو دیکھا کئے

کاش اجمل کھلے سب کے دل کی کلی ہر مسلمان دیکھے عرب کی کلی
میں اک روز دیکھوں دیارِ نبی آپ سب میرے حق میں دعاء کیجئے

اجمل سلاٹپوری (یوپی)

”آمنہ بی کے گھر ہوا جلوہ فگن ہلال نورِ نعت“

رب کے حبیب کو ملا مرتبہ جلالِ نور
آپ کی ذاتِ پاک ہے ہستی بے مثالِ نور
مہر و مہ و نجوم نے جس سے کیا ہے اکتساب
آپ کا روئے جاں نواز آئینہ جمالِ نور
ذاتِ رسولِ پاک ہے منبعِ نورِ لم یزال
بخشتی ہے نگاہ کو تابشِ بے مثالِ نور
دل کا جہان ضو فگن ہو گیا اُن کے نور سے
فکر سے جگمگا اٹھا پاک تریں خیالِ نور
شکرِ خدا کہ بن گئی مخزن و مرکزِ خرد
ذاتِ رسولِ نامدار مظہرِ ہر کمالِ نور
مدح و ثنا کے گل کھلے تا بکراں چمن چمن
گندھ کے زمین جب ہوئی نور فگن سفالِ نور
جس کی ضیاء سے ہل گئے کفر کے قلعہ ہائے جبر
آمنہ بی کے گھر ہوا جلوہ فگن ہلالِ نور

ابراہیم پوری (نئی دہلی)

”اللہ کا دربار ہے دربار محمد ﷺ“

یہ شانِ مدینے کی یہ انوارِ محمد ﷺ
فردوس کا آئینہ ہے گلزارِ محمد ﷺ

مقبول وہ بندہ جو بندہ ہے خدا کا
اللہ کا دربار ہے دربارِ محمد ﷺ

قربانِ راہِ حق میں ہوئے آلِ پیغمبر
ثابت ہے کہ بے مثل ہے ایثارِ محمد ﷺ

محروم نہ ہوگا کبھی وہ لطفِ خدا سے
ہوں دیدہ و دل جس کے پرستارِ محمد ﷺ

چندر بھان خیال (ایم پی)

رحیقِ بیہودی

یہ حُسنِ لیلیٰ شبِ کہکشاں کی جلوہ سامانی یہ نقشِ لم یزل نورِ حقیقت کی فراوانی
یہ چھٹکی چاندنی ہر ایک گلِ بُوٹا ہے نورانی کہ روشن ہے حریمِ قدس کی شمعِ شبتانی
فضائے جاں فِرا وجہِ تشفی و تسلی ہے
کہ لہراتا ہوا یہ پرچمِ صُبحِ تجلی ہے
عیاں ہے ذرہ ذرہ سے جمالِ شانِ لاہوتی شُعاعِ آتشیں میں مُنعکسِ ریعانِ جبروتی
رگِ گلہائے رُنکیں میں پروئے ہیں کہیں موتی کہیں منہ بند کلیاں رُوکشِ تنویرِ یاقوتی
پس پردہ کوئی جلوہ عیاں ہے لالہ و گل سے
وہ دیکھو چشمِ پینا کھیلتی ہے زُلفِ سنبُل سے
نہ جانے کون سی شے کا یہ رشتہ ہے رگِ جاں سے سُکون و بیقراری منسلک ہیں جذبِ پنہاں سے
دو عالمِ جگمگا اٹھے ہیں جلوہ زارِ ایماں سے صفائے آئینہ پوچھے کوئی اس چشمِ خیراں سے
ضمیرِ لالہ خاکی میں حُسنِ جلوہ گر ٹھہرے
تو آیاتِ مہمیں پر کس طرح آخر نظر ٹھہرے
نئے انداز سے ہے آج رحمت کی گھٹا چھائی نچھاور بارشِ انوار پر تمکینِ رعنائی
یہ گلِ بانگِ سحر سے جاگ اٹھی تقدیرِ مینائی کھلیں زُگس کی آنکھیں اور لی بے سبزہ اُنگڑائی
فضائے دہر بدلی اُس کا دستور گہن بدلا
ہوئی آرائشِ عالمِ روش بدلی چلن بدلا
کسی نے اک نئے انداز سے کروٹ ادھر بدلی ادھر کیا نافہ گل نے شیمِ بال و پر بدلی
نگاہِ صبح بدلا ، زلفِ کافور سحر بدلی مذاقِ عشق بدلا شوخیِ برقی نظر بدلی
لگاتی ہے گلے موجِ صبا اب غنچہ و گل کو
ہو ادینے لگی ہر پکھڑی رُخسارِ سنبُل کو
لبِ گلِ برگ پر کیا ربِ ارنی کی صدا میں ہیں یہ کس کے عشق میں ڈوبی عنادل کی صدا میں ہیں
شیمِ زُلف میں ڈوبی ہوئی بھینی ہوائیں ہیں خلیل اللہ کی مقبولِ یزداں دعائیں ہیں

”نہ جانے دُعاؤں میں کب اپنی اثر ہوگا“

توفیقِ خدا دے تو طیبہ کا سفر ہوگا
گلیوں میں مدینے کی اپنا بھی گزر ہوگا

پل بھر مری راتیں ہو جائیں گی پھر روشن
طیبہ کا حُسنِ منظر جب پیشِ نظر ہوگا

پھر ہم کو بلایں گے سرکارِ مدینے میں
نہ جانے دُعاؤں میں کب اپنی اثر ہوگا

دیکھوں گا حُسنِ منظرِ طیبہ کا ان آنکھوں سے
آنسو کا ہر اک قطرہ پھر مثلِ گوہر ہوگا

بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ
چو کھٹ پہ محمد ﷺ کے پھر اہلِ نظر ہوگا

جب گنبدِ خضریٰ کا دیکھوں گا نظارہ میں
شادابِ اُمیدوں کا میرا بھی شجر ہوگا

ہو جائے گی محشر میں بَسْمِل کی شفاعت بھی
سنت کا وہ دُنیا میں حقدار اگر ہوگا

ط اُڑھو مہاجنِ بَسْمِل (پونہ)

وہ کیتائے جہاں نورِ ہواللہ احد آیا

کہ شرحِ نغمہ توحید اللہ الصمد آیا

کتابِ کون پہ کلکِ ابد کا وہ خطِ طغرا جمالِ معرفتِ حسنِ عملِ آئینہ سیمما
فروغِ گن فکاں برقِ تجلّا شاہِ رعنا کہ وہ مسندِ نشینِ عرشِ شاہِ بویا آرا
ظہورِ ابتدا و انتہائے حُسن کا ضامن

ہوالاولِ ہوالآخرِ ہوالظاہرِ ہوالباطن

یہ کس کے خیرِ مقدم میں دو عالم خلق فرمایا ازل میں کس کو اُس نے واجبِ انتظامِ ٹھرایا
یہ کس کو نامہ و پیغام دیکر چپکے بلوایا اس حُسنِ نظم سے انساں کہاں کوئی گیا آیا
بشر ہی ہے بشر معلوم ہے قدرتِ عناصر کی

عجب انداز سے اُس نے حقیقت اُن کی ظاہر کی

دلیلِ صانعِ کونین ہے یہ خوشنما صنعت رگِ سنگ و رگِ گل گرچہ ہیں آئینہ قدرت
ظہورِ حُسن کی ہے عشق کے پردے میں کیا حکمت خرد سے ماورا ہے آمنہ کے لال کی رفعت
نہیں ممکن بشر کوئی نگاہِ ایزدی پائے

سمجھ میں کیا اداے نازِ حُسنِ سرمدی آے

سراپا نطق پایا وحیِ رب العالمین جس نے کیا ہے آمنا بالغیب کو عینِ یقین جس نے
وہ پایا ہے رُخِ روشنِ جمالِ ہم نشین جس نے گھٹا رحمت کی پائی ہے وہ زلفِ عنبریں جس نے
کوئی گلِ پیرِ ہن یوں ضوِ گلن ہے کالی کملی میں

کہ جیسے کوندتی ہیں بجلیاں رہ رہ کے بدلی میں

کوئی اپنی اداؤں پر نہیں بیوجہ نازش میں کہ یہ چشمِ نیاز و ناز ہیں عرفاں کی شازش میں
نہیں ہے بات کہنے کہ تکلف ہے گذارش میں جھلک یہ کس کی ہے آئینہ عارض کی تابش کی
محمد حُسن کے قلمزور کی اک موجِ یگانہ ہے

کہ چشمِ نازنین صہبائے عرفاں کا خزانہ ہے

ادھر بھی موجِ صہبا سا قیا آنکھوں کے ساغر سے خدا کی راہ اک چلو نگاہِ بندہ پرور سے
بندھا ہے آسرا بے بودِ قطرے کا سمندر سے بھکاری یہ تیر آنکھیں لگائے ہیں ترے در سے
ضرورت پھر رگِ جاں کو ہے وجد و حال کی ساقی

رحیقِ بخودی دے خیر جان و مال کی ساقی

وہ گلزارِ یقیں میں اب نہیں ہے رنگ و بو باقی نہیں ہے اب وہ ظُرفِ شیشہ و جام و سب و باقی
نہیں ہے اب وہ موتی کی خدادادِ آبرو باقی مجالِ تجلّیش لب ہے نہ تابِ گفتگو باقی
زبانِ ناتواں سُنتا ہوں بے تاثیر ہوتی ہے

اسی سے کچھ بھی کہتے شرمِ دامن گیر ہوتی ہے

وہ درسِ انسانیت کا اب نہیں ہے یاد میں باقی نہیں ہے اب وہ نزہتِ گلشنِ ایجاد میں باقی
نہیں ہے حق پسندی فطرتِ آزاد میں باقی نہیں خوفِ الہی اب ہے آدمِ زاد میں باقی
نہ جانے کیا ہوا آئینہ تقدیر تھے مسلم

کہ اس اجڑے ہوئے گھر کی کبھی تعمیر تھے مسلم

سوال اب کیا اخوت کا رہا نازک زمانے میں نہیں ہے رنگِ حُسنِ خلق کا اب آبِ ودانے میں
تواضع کا نہیں ہے جز کوئی رنگیں خزانے میں نہیں اب کوئی کیف و درد باقی دل لگانے میں
کبھی تھی سبزہ زارِ حُسن کی آنکھوں میں ہریالی

پڑا ہے میکدہ میں ساقیا اب خم کا خم خالی

طرب انگیزِ نشہ جذبِ کامل کھودیا ہم نے کوئی جس میں رہا کرتا تھا وہ دل کھودیا ہم نے
ہیں کلمہ گو مکرِ ایماں کا حاصل کھودیا ہم نے پھنسے ہیں ورطہ طوفاں میں ساحل کھودیا ہم نے
ہے پانی سر سے اونچا بحر میں جوشِ تلاطم ہے

من و تو میں کریں کیا قومِ مسلم آج بھی گم ہے

مئے عرفانِ وحدت کا چھلکتا جام دے ساقی خمرِ برق سے اک جرّے گلِ فام دے ساقی
وہ جرّے جو خمِ روحانیت کا کام دے ساقی فنا فی اللہ کی جو منزلیں انجام دے ساقی
نگاہِ ناز کا صدقہ خبر لے دین و ایماں کی

بھلا ہو میکدہ کا خیر ہو ساقی حُمتاں کی

محبتِ یادِ حق اس طبع کا معمول ہو جائے نگاہوں میں مری طیبہ کا عرض و طول ہو جائے
دعاے دلِ خدارا ساقیا مقبول ہو جائے منیر بے نوا کا ثنا ہے کانا چھول ہو جائے
دیارِ یثرب و بطحا کی اک دن سیر ہو ساقی

نگاہِ لطف ہو تو خاتمہ بالخیر ہو ساقی

منیر اعظمی (یوپی)

نعتیہ تضمین

محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا
عطا کی محمد ﷺ نے دولت یقیں کی
محمد ﷺ جو آئے تو ایمان آیا
محمد ﷺ نے سمجھائی عظمت خدا کی
محمد ﷺ جو آئے تو قرآن آیا
خدا کا نہ بندوں کو عرفان ہوتا
دعا کا دوا کا نہ سامان ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

☆

شریعت کے احکام آئے نہ ہوتے
تصوف کے رنگ ایسے چھائے نہ ہوتے
مراتب شہادت کے پائے نہ ہوتے
طریقت کے جلوے دکھائے نہ ہوتے
خدا کی نہ بندوں کو پہچان ہوتی
عبادت کی منزل نہ آسان ہوتی
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

☆

گناہوں کے دریا میں دھارا نہ ملتا
جو ڈوبے تھے اُن کو سہارا نہ ملتا
نہ دیتا کسی کو بھی رستہ سمندر
کسی ناؤ کو بھی کنارہ نہ ملتا
نہ دلدل سے باہر نکلتی یہ اُمّست

کسی پر برستا نہ یوں ابرِ رحمت
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

☆

زمیں کو نہ ملتی کبھی اتنی وسعت
یوں اونچا فلک کا مینارہ نہ ہوتا
یہ چاند اور سورج ستارے نہ ہوتے
نگاہوں میں روشن نظارہ نہ ہوتا
نہ ہوتا بلندی پہ اپنا مُقدّر
نہ ہوتے مقدر کے ہم یوں سکندر
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

☆

کسی کے بھی زخموں کو ملتا نہ مرہم
کسی کا نہ ہوتا کوئی یارِ ہمد
سُہانا نہ ہوتا یہ صبح کا موسم
برستی نہ پھولوں کی پتی پہ شبنم
نہ ویرانہ کوئی بھی گلزار ہوتا
نہ تبتلی کو پھولوں سے کچھ پیار ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

☆

نہ بادل برستا گھٹا بھی نہ ہوتی
زمیں کے لبوں پر دُعا بھی نہ ہوتی
یہ ٹھنڈی یہ دلکش ہوا بھی نہ ہوتی
یہ موسم کی دھانی قبا بھی نہ ہوتی
یہ دنیا کا سرسبز منظر نہ ہوتا
نہ دھرتی پہ انساں کوئی بیج بو تا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا



نہ انسا نیت کے کہیں پھول کھلتے
نہ آپس میں انساں سے انسان ملتے
نہیں دور ہوتا اندھیرا دلوں سے
نہ ہمدردیوں کے کہیں دیپ جلتے
اندھیروں کا منہ ایسے کالا نہ ہوتا
محبت کا اتنا اُجالا نہ ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا



محمد ﷺ نے جینے کا رستہ بتایا
محمد ﷺ ہیں سارے زمانے کے رہبر
محمد ﷺ کی کیا شان تم پوچھتے ہو
نہیں رہنما کوئی بھی اُن سے بڑھ کر
کسی کو بھی ادارکِ منزل نہ ہوتا
کسی کو بھی من چاہا حاصل نہ ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا



یتیموں کا کوئی سہارا نہ ہوتا
غریبوں کو جینے کا یارا نہ ہوتا
کسی کو نہ ملتی کہیں کوئی چاہت
کسی کا کہیں بھی گزارا نہ ہوتا
کسی کے لبوں پر تبسم نہ ہوتا
جو ملتا وہ ملتا فقط روتا دھوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا



کہاں تک محمد ﷺ کی توصیف لکھیں
ہمارے قلم میں نہیں اتنی طاقت
خدا نے یہ قرآن میں کہہ دیا ہے
یہ دنیا بنی ہے اُنہی کی بدولت
یہ جلسوں کے ایسے مناظر نہ ہوتے
یہ شعرو ادب کے دفاتر نہ ہوتے
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا



نہ تقریر ہوتی نہ تحریر ہوتی
نہ الفاظ کی ایسی جا گیر ہوتی
کسی سے کوئی بھی مخاطب نہ ہوتا
زباں میں کسی کے نہ تاثیر ہوتی
یوں لفظ و معانی کے شاہد نہ ہوتے
نذیر ہم قلم کے مجاہد نہ ہوتے
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

ڈاکٹر ندیر فتح پوری (پونہ)

نثری سہ سطرئ نعت

کالی کملی کے اندر

راز ہیں پوشیدہ

کون و مکاں کے

☆

فرش سے عرش تک

میرے آقا کے جلوے

دھرتی ہے دارالسرور

☆

شہر مکہ سے

محبت کا پیغام لایا ہوں

نفرتیں چھینک دو

☆

زخم خوردہ شاعری

لہو سے تر بہ تر الفاظ

آپ ﷺ کی نذر

☆

پوچھ لو زمیں سے

آسمان بتاے گا

میرے اندر کون ہیں؟

☆

تہذیب ہوئی زخمی

ناپاک ہوا ماحول

دین دار کہاں گئے

☆

آؤ سو جائیں

چُپکے سے آقا کے

آغوشِ تصور میں

☆

خاموش انگلیاں

بولنے لگیں

نعتِ نبی ﷺ کا فیض

علیم صبا نویدی (مدرا س)

”میں پوچھتا ہوں کہ بعثتِ مصطفیٰ پہ کس کو خوشی نہیں ہے“

”خدا کے سامنے محشر میں جب میرا بلاوا ہو“

نبی کی چوکھٹ پہ کب بھلا مہر و ماہ کی حاضری نہیں ہے
جو نقشِ پا کی رہینِ منت نہیں ہے وہ روشنی نہیں ہے

سبھی ہیں مسرور حسبِ توفیق مہربانوں سے دشمنوں تک
میں پوچھتا ہوں کہ بعثتِ مصطفیٰ پہ کس کو خوشی نہیں ہے

رگوں میں جس کی درود کی روشنی رواں ہے وہ اہل دل ہے
جو عشقِ سرکار سے مزین نہیں ہے، وہ زندگی نہیں ہے

یقینِ کامل ہے شرطِ اولِ خلوصِ دل سے پکار دیکھو
اگر ہوں مشکل کشا نبی تو کوئی بھی مشکل بڑی نہیں ہے

نبی کے مہر و خلوص کی انتہا جو دیکھی سمجھ میں آیا
کچھ اور ہے منصبِ نبوت یہ صرف پیغمبری نہیں ہے

اسدِ تم اپنے تمام سجدوں کو پھر تو بس رائیگاں ہی سمجھو
اگر درِ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہاری گردن جھکی نہیں ہے

قاضی اسد عثمانی (حیدرآباد)

ہے اُمت کے لیے ہی جب دُعاے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
تو کیوں بخشے نہ اُمت کو خدائے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
اسے خوش قسمتی میری نہیں کہنے تو کیا کہنے
مجھے کہتی ہے اب دُنیا گدائے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
خدا کے سامنے محشر میں جب میرا بلاوا ہو
سرِ محشر بھی ہولب پر ثنائے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
گزارشِ رب سے وہ کر دیں تو قسمت ہی سنو جائے
کہ وہ سُنتا ہے رغبت سے صدائے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
بہ روزِ حشر خوشنودی خدا کی بھی وہی ہوگی
جو بخشش کے لیے ہوگی رضائے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
رہائی مل گئی دُنیا کو اب قعرِ مذلت سے
کہ رحمتِ بن کے جو دُنیا میں آئے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
نبی چھتے بھی آئے اُنکی عظمت ہے بڑی لیکن
گے کیا عرش پہ کوئی سوائے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
یہ منشا تھا خدا کا اُنکو بھیجا جائے دُنیا میں
تو دُنیا خُلقِ فرمای بُرائے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
یہ ان کا خُلق تو دیکھو، کہ زخمی ہو کے طائف میں
عدو کے واسطے بھی ہے دُعاے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
عمل ان کا کوئی حکمِ الہی سے نہیں ہٹ کر
فقط قرآن ہے اے دل اداے شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم

امان خاں دل (ہیوٹن)

”کہنے کو نعتِ محمدی، ہے شرطِ محبت کم نہ پڑے“

ہر لفظ ہو خوشبو کا پیکر ہر شعر میں نکبت کم نہ پڑے
ہو طرزِ بیاں بھی کچھ ایسا آقا کے جو دل کو بھا جائے
مضمون سراپا دلکش ہو انداز میں غدرت کم نہ پڑے
ہر نعت پہنچتی ہے اُن تک سنتے ہیں حضور پاک اُسے
مصرعوں میں بھر دینا شعروں میں بلاغت کم نہ پڑے
سیرت بیاں کرنا ہو اگر اس بات کا تم کو دھیان رہے
تم شاہِ اُمم کو رب کے سوا جو کچھ بھی کہو سب جائز ہے
جب ذکر ہو اُنکے منصب کا اظہار میں عظمت کم نہ پڑے
طہ بھی وہی یسین بھی وہی رحمت بھی وہی شافع بھی وہی
اللہ بھی چاہے اُن کے لئے القاب کی دولت کم نہ پڑے
تاکیدِ فلک سے آئی ہے یہ بات ہو ذہنوں میں ہر دم
تعظیم ہو اُنکی دل می سددا سو نچوں میں عقدرت کم نہ پڑے
ہر لمحہ درووں کی خوشبو ہر پل ہی اُنکا ذکر جمیل
محشر میں گھلے دفتر جو مرا سرکار سے نسبت کم نہ پڑے
تم یوں ہی نہیں کہتے رہے توصیفِ شہِ بطحا میں خمار
چاہت کے سوتے خشک نہ ہوں اور عشق کی شدت کم نہ پڑے

سلیمان خمار (بیجا پور)

”چارہ گرا ایسا جو ہر غم کی دوا دیتا ہے“

کون ہے جو ہمیں جنت کا پتہ دیتا ہے
ساری اُمت کو جہنم سے بچا دیتا ہے

اُس کا احسان بھلائے گا زمانہ کیسے
چارہ گر ایسا جو ہر غم کی دوا دیتا ہے

جن کے صدقے میں ہر اک شئی کو بنایا رب نے
بھوکا رہ کر بھی وہ اوروں کو کھلا دیتا ہے

خون میں تر تھا بدن وادی طائف میں مگر
ظلم سہ کر بھی وہ دشمن کو دُعا دیتا ہے

وہ ہمارا ہے نبی دُنیا کو تلا دو مبین
دین دیتا ہے نیا کفر مٹا دیتا ہے

مبین سمٹور (بنگلور)

”گھر مرا دیکھئے کب رشکِ جناں ہوتا ہے“

قافلہ سوئے مدینہ جو رواں ہوتا ہے
شوق ہر گام پہ کچھ اور جواں ہوتا ہے
جب کبھی صلِ علی وردِ زباں ہوتا ہے
پھر کہاں درد کا کچھ نام و نشان ہوتا ہے
خواب میں آئیں شہ والا تمنا ہے یہی
گھر مرا دیکھئے کب رشکِ جناں ہوتا ہے
اللہ اللہ وہ طیبہ کا سہانا منظر
جس طرف دیکھئے جنت کا گماں ہوتا ہے
ہے لقب آپ کا دُنیا میں امین و صادق
صدق ہر حرفِ نبوت سے عیاں ہوتا ہے
آپ کا نام ہے بس وجہِ شکوئے بیمار
آپ کا ذکر ہی بس راحتِ جاں ہوتا ہے
دل وہی دل ہے حقیقت میں سمجھ لو رازی
عشق سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا جس دل میں نہاں ہوتا ہے

اسرارِ رازی

”اندھیرے راہ میں حائل کبھی ہونے نہیں پائے“

بلا کے پیچ و خم تھے زندگی بچ کر چلی آئی
کہ بس قسمت سے وہ سرکار کے در پر چلی آئی
کہاں کی تشنگی جب اک کرنِ امیدِ فردا کی
مرے دل میں بہ نامِ ساقی کوثر چلی آئی
جو ذکرِ سیدِ کونین سے سرشار رہتی ہے
وہ اک موجِ رواں میری طرف اکثر چلی آئی
دُعا بن کر خلیل اللہ کی مُژدہ مسیحا کا
نبوت آپ تک اے شافعِ محشر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چلی آئی
حضور کا تصور ہی قرارِ جاں رہا ہر دم
مری عمر رواں کیسی بہ چشمِ تر چلی آئی
خیال آیا جو شانِ رحمۃ اللعالمین کا
وہ اپنے ساتھ لے کر اُن گنت منظر چلی آئی
یقین آیا کہ میری سمت اُن کی چشمِ رحمت ہے
سُہری جالیوں کو فکرِ جب چھو کر چلی آئی
اندھیرے راہ میں حائل کبھی ہونے نہیں پائے
مدینے سے ہمیشہ روشنی بڑھ کر چلی آئی
دروہِ پاک کا یہ مشغلہ بھی خوب کام آیا
کہ دُنیا خیر و برکت کی ہمارے گھر چلی آئی

رَبَابِ رَشیدی (لکھنؤ)

”مجھ کو مرے آقا کا دیوانہ کہا جائے“

طیبہ کو محبت کا مے خانہ کہا جائے
یہ کہہ کے مرا مشربِ رندانہ کہا جائے

افسر نہ کہا جائے مرزا نہ کہا جائے
مجھ کو مرے آقا کا دیوانہ کہا جائے

تخلیقِ دو عالم سے تنویرِ دو عالم تک
عنوان ہیں وہی کوئی افسانہ کہا جائے

اُلفتِ شہِ والا کی جب مول ہے جنت کا
نعتِ شہِ والا کو بیعانہ کہا جائے

دلِ نذر کو لایا ہوں اور فکر یہ لاحق ہے
اس دل کو بھلا کیسے نذرانہ کہا جائے

صدیق و عمر اچھے عثمان و علی اچھے
اچھوں کو بھلا کیسے اچھا نہ کہا جائے

افسرِ امروہوی (یوپی)

”اے نعتِ نبی تو ہی عطا کر دے سلیقہ“

کیوں لب پہ سوال آئے مرے بنیہ گری کا
سرکار ہیں مینارِ وسیعِ انظری کا
دامانِ طلبِ خود ہی کھنچا جاتا ہے اُس سمت
رکھ لیں گے بھرم وہ مری درِ یوزہ گری کا
اے نعتِ نبی تو ہی عطا کر دے سلیقہ
اب تک وہی عالم ہے مری بے ہنری کا
حق یہ ہے کہ ذاتِ شہِ کونین ہے مرکز
”آفاق کی اس کارِ گہ شیشہ گری کا“
اے ابرِ عنایاتِ نبی تیری بہ دولت
صحرا کو بھی احساس نہیں بے شجری کا
اسمِ شہِ کونین ہی گردابِ بلا میں
ضامن ہے دُعاؤں کی سرِ بلعِ الاثری کا
انوار کے طالب ہوں مہ و مہر جہاں پر
اس در پہ ملے گا ہنرِ آئینہ گری کا
ہر بار یہاں مجھ سے ہوئی لغزش بے باک
ہر بار وہاں چھول کھلا درگزی کا
مرہون ہے ہر ذرہ خاکِ دلِ قاسم
آقائے کرم بار کی خورشید گری کا

قاسم حبیبی (کانپور)

”فرشتے قبر میں پوچھیں گے جب کہ ”کون ہیں یہ؟“

شفیع و صاحب اسراء حضور میرے حضور
حبیب مالک و مولیٰ حضور میرے حضور
خدا کے فضل سے روشن ہوا ہے میرا نصیب
کہ آگیا میں مدینہ حضور میرے حضور
زمین سے تابہ فلک اور فلک سے عرش تلک
ہے صرف آپ کا جلوہ حضور میرے حضور
ہوئی ہے آپ کے اُسوے سے دُور جب امت
بہت ہوئی ہے وہ رُسا حضور میرے حضور
وہ جس کو دیکھ کے پتھر بھی موم بن جائیں
ہے صرف آپ کا اُسوا حضور میرے حضور
خدا نے پاس بلایا عطا کیا کوثر
کسے ملا ہے یہ رُتبہ حضور میرے حضور
فرشتے قبر میں پوچھیں گے جب کہ ”کون ہیں یہ؟“
میں جھٹ سے بول پڑوں گا حضور میرے حضور
ہے ذکر آلِ محمد کے ساتھ لب پہ مرے
یہ چار یار کا نعرہ حضور میرے حضور
کہاں خطائے مجسم یہ اجمل فاروق
کہاں یہ آپ کا روضہ حضور میرے حضور

شاہ اجمل فاروق ندوی (نئی دہلی)

”دیکھا ہے جب سے گنبد خضرا کو خواب میں“

مشغول جب سے نعت شہ انبیاء میں ہوں
محسوس ہو رہا ہے جوارِ خدا میں ہوں
مانا کہ ہوں زمان و مکاں کے حصار میں
لیکن خیال و فکر کے غارِ حرا میں ہوں
دیکھا ہے جب سے گنبد خضرا کو خواب میں
کیا جانے کس جہان میں ہوں کس فضا میں ہوں
ہوگی کسی کو اور کسی شے کی جستجو
میں ہوں مگن کہ امت خیرالوریٰ میں ہوں
مجھ پر بھی اک نگاہِ کرم ہو مرے خدا
تیرے نبی کے زمرہ اہل وفا میں ہوں

ڈاکٹر تابش مہدی (نئی دہلی)

”جبریل امیں بھی ہیں ترے در کے فدائی“

یکتائی و صنائیِ ضو بار پہ قرباں
اے خالقِ عالم ترے شہ کار پہ قرباں
جبریل امیں بھی ہیں ترے در کے فدائی
اے سرورِ عالم ترے دربار پہ قرباں
ہر لفظ سے قرآن کی تفسیر عیاں ہے
اے منبعِ دانش تری گفتار پہ قرباں
پل بھر میں سر عرش وہ اندازِ حضوری
اے نیرِ خوش رم تری رفتار پہ قرباں
جنت کی بہاروں کو بھی بخشے ہے ادائیں
اے حسنِ مکمل تری مہکار پہ قرباں
طائف کے مظالم پہ بھی ہر گام دعائیں
اے لطف کے پیکر ترے کردار پہ قرباں
کعبے کی منڈیوں سے اذالِ گونج رہی ہے
اے فخرِ جہش تیرے عمل زار پہ قرباں
پھلتی رہی عنبر کی ہر اک شاخِ تمنا
آقا ترے الطافِ گہر بار پہ قرباں

عنبر بہراچی (لکھنؤ)

”یہ حاضری نہ ہوئی نعت کا بہانہ ہوا“

سوے ’ مدینہ جو عاشق کوئی روانہ ہوا
تو اس پہ وا وہیں جنت کا آب و دانہ ہوا
بس اک نشست میں سیر بہشت کر لوں گا
جو سنگِ روضہ اقدس مرا سرہانہ ہوا
گھلا ہوا ہے در مدحِ مصطفیٰ شب و روز
یہ حاضری نہ ہوئی نعت کا بہانہ ہوا
نہ دیکھنے دیا اس چشمِ تر نے کچھ بھی وہاں
سو ہم سے سیرِ مدینہ کا حق ادا نہ ہوا
اُچھالتی ہے زباں حمد و نعت کے سیکے
ہمیں تو آپ کا اذنِ سخنِ خزانہ ہوا

محمد مختار علی مختار (جدہ)

”وسیلہ بن گئی جب ذات تیری“

میرے احساس پر وہ چھا گئی ہے
مدینے کی فضا یاد آگئی ہے

سہارا مل گیا بے تابوں کو
ترے آنے سے راحت آگئی ہے

وسیلہ بن گئی جب ذات تیری
دعا تب عرش سے ٹکرا گئی ہے

بڑی بے رونقی تھی زندگی میں
ترے آنے سے رونق آگئی ہے

فراز اُنکی محبت کی ہے خوشبو
میری ہستی کو جو مہکا گئی ہے

شبیر حسن فراز فتح پوری (راجستھان)

”محشر میں بات آپ کی ٹالی نہ جائے گی“

عظمت مرے حضور کی دیکھو کہ کیا ہیں آپ
بعد از خدا بزرگ ہیں اور مصطفیٰ ہیں آپ

انسانیت کے آپ سراپا ہیں آئینہ
خیر الانام آپ ہیں خیر الوریٰ ہیں آپ

وہ شب کہ جس میں بات ہوئی حق سے روبرو
سمجھا نہیں ہے کوئی بھی یہ راز کیا ہیں آپ

محشر میں بات آپ کی ٹالی نہ جائے گی
محبوب ہیں خدا کے حمید خدا ہیں آپ

لاکھوں سلام آپ کی ذاتِ کریم پر
میرے ہر ایک رنج و الم کی دوا ہیں آپ

راہی بھٹک سکے گا نہ یہ کاروانِ دین
ہادی ہیں آپ دین کے اور رہنما ہیں آپ

نثار احمد راہی فتح پوری (راجستھان)

”منبع علم جامعات میں آپ ﷺ“

برتر ز فکر و لفظیات ہیں آپ ﷺ
ماورائے تصورات ہیں آپ ﷺ
حُسنِ یوسف بھی خوب تھا لیکن
حاصلِ حُسنِ شش جہات ہیں آپ
ہو کے امی لقب زمانے میں
منبع علم جامعات ہیں آپ ﷺ
صرف پردہ کیا ہے دُنیا سے
میرا ایمان ہے حیات ہیں آپ ﷺ
کوئی اُس کو مٹا نہیں سکتا
اپنی امت کے اب بھی ساتھ ہیں آپ
خود خدا کہہ رہا ہے قرآن میں
وجہِ تخلیق کائنات ہیں آپ ﷺ
فکرِ محشر کی کیوں فہیم کرتے
اُس کے تو ضامنِ نجات ہیں آپ ﷺ

ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی (نامدیڑ)

”آپ آئے تو جہاں کے بحر و بر روشن ہوئے“

رہ گزر روشن ہوئی قلب و جگر روشن ہوئے
آپ کے پر تو سے سب اہل نظر روشن ہوئے
آپ سے پہلے یہاں تاریکیوں کا راج تھا
آپ آئے تو جہاں کے بحر و بر روشن ہوئے
آج بھی اک اک در و دیوارِ یثرب ہیں گواہ
آپ کے قدموں کے صدقے بام و در روشن ہوئے
ظلمتیں رخصت ہوئیں باطل کا سر بچھا ہوا
واقع نورِ نبی ﷺ سے گھر کے گھر روشن ہوئے
مہر ہم تو برملا یہ بات کہتے آئے ہیں
راہِ حق میں جو کٹے بے شک وہ سر روشن ہوئے

مجتبیٰ مہر (بہار)

”آئے ہیں در پہ آج تو جانا محال ہے“

روضہ کی جالیوں میں ہمارا خیال ہے
دل کی تڑپ کا حال کہاں اب بحال ہے

لیسین کی صفت ہے مدینہ کے شہر یار
والنجم کی مثال بڑی بے مثال ہے

صلیٰ علیٰ کا نور ہے ہر درد کی دوا
زخموں کا بھی ہمارے یہی اندمال ہے

دینا ہے تو مدینہ زیارت کا دے شرف
تو ہی ہمارا رب ہے بڑا دُوالجلال ہے

مدت سے اُنکے در کی زیارت کی تھی تڑپ
آئے ہیں در پہ آج تو جانا محال ہے

اُمّی لقب ہوں واقفِ جملہ امور ہوں
منشائے ایزدی ہے اُسی کا کمال ہے

نظروں میں جب سے گنبدِ خضریٰ سما گیا
بے آب مچھلیوں سا ہی صغریٰ کا حال ہے

ڈاکٹر صغریٰ عالم صغریٰ (گلبرگہ)

”شب و روز یادوں کو دیتے ہیں دستک دل و گوش جن سے ہیں مسحور اب تک“

وہ صبح مدینہ وہ شام مدینہ معطر معطر ہوائے مدینہ
سُنہری سُنہری حجابوں میں رحمت مقدس مقدس فضاے مدینہ
وہ روضہ کی جالی وہ احساسِ عظمت وہ بیتابی دلِ طبیعت پہ رقت
لرزتے ہوئے لب وہ اشکِ ندامت سکون بخش آہ و بکائے مدینہ
دروہامِ اقدس پہ نظروں کے سجدے زباں پر وہ صلیٰ علیٰ کے ترانے
دروہ مدینہ سلام مدینہ لب و قلبِ مدحت سرائے مدینہ
شبِ قدر کی برکتیں رات لائی سعادۂ حضوری کے سجدوں کی پائی
عجب بخودی ہے عجب کیف و لذت یہ وارفتگی ہے عطائے مدینہ
وہ دالان جو ہے اہل صفہ کا مسکن جو مزدورِ محنت کشوں کا تھا دامن
تھے دل جن کے عشقِ پیہر سے روشن ثنائیہ خوش لقاے مدینہ
وہ تسبیح و تہلیل و تحمید داور ملائک کو بھی رشک آتا ہے جن پر
محبت کی تنویر سے دلِ منور فروزاں فروزاں ضیائے مدینہ
شب و روز یادوں کو دیتے ہیں دستک دل و گوش جن سے ہیں مسحور اب تک
اذانِ مدینہ صلوٰۃ مدینہ سجودِ مدینہ دُعائے مدینہ
خوشاد دل کو حاصل ہوئی ہے وہ دولت کہ کونین کی عظمتیں اُنکی قیمت
مری زندگانی کی جو ہے حرارتِ ولائے محمد ﷺ ولائے مدینہ
یہی دل کی دھڑکن یہی آرزوئیں نمازوں میں شام و سحر یہ دُعائیں
کہ پھر آپکے در پہ سر کو جھکائیں ہو خورشید کا جاں فداے مدینہ

خورشید آرا بیگم صدیق علی خان خورشید

”شہ دو جہاں ﷺ کے درناز پر ہم“

مدینے کی جانب دیوانے چلے ہیں
انہیں حالِ دل سب سنانے چلے ہیں

شہ دیں کے روضے کے نورانی جلوے
نگاہوں میں اپنی بسانے چلے ہیں

سروں پر گناہوں کا دفتر اٹھائے
درِ حق پہ ہم بخشوانے چلے ہیں

سمیٹیں گے دامن میں رحمت کے موتی
محمد ﷺ کے ہم آستانے چلے ہیں

شہ دو جہاں ﷺ کے درناز پر ہم
عقیدت کے موتی لٹانے چلے ہیں

برستا ہے کوثر جہاں نور ہر آن
وہیں بخت اپنا جگانے چلے ہیں

کوثر چشتی (نیویارک)

”دھول تلوں کی ترے ہومری پیشانی پر“

خاکِ طیبہ سے تعلق کی دُعا مانگی ہے
حور و غلاماں نے جنت کی ہوا مانگی ہے

گنبدِ سبز کے سائے میں لحد ہو میری
اک سیہ کار نے رحمت کی دُعا مانگی ہے

یوں ترے عشق میں ڈوبوں کہ امر ہو جاؤں
تیری نسبت سے دو عالم کی بقا مانگی ہے

دھول تلوں کی ترے ہو مری پیشانی پر
چاند سورج سے الگ میں نے ضیاء مانگی ہے

واہ کیا شانِ محمد ہے کہ خود خالق نے
اپنی خوش نودی کو بھی اُنکی رضا مانگی ہے

خاکِ طیبہ ہی ہر اک مرض کا ہے شافی علاج
میں نے بھی شاد فقط خاکِ شفا مانگی ہے

امین شاد (بہار)

”ترے نقش پا سے افضل کوئی نقش یا نہیں ہے“

تری رہ گزر سے آگے کوئی راستہ نہیں ہے
ترے نقش پا سے افضل کوئی نقش یا نہیں ہے
درِ مصطفیٰ سے جب تک اُسے واسطہ نہیں ہے
وہ قبولِ رب نہیں ہے وہ دُعا دُعا نہیں ہے
وہی ہادیِ مکمل وہ رہنما ہے یکتا
کہ جہاں میں اُن کے جیسا کوئی رہنما نہیں ہے
تری نعت گنگناتا ہے عبادتوں میں شامل
تری گُفتگو سے بڑھ کر کوئی معاملہ نہیں ہے
اُنہیں رب سے مل رہا ہے ہمیں اُن سے مل رہا ہے
نہیں جس کو اُن سے اُلقت اُسے صُوجھتا نہیں ہے
مرے کعبہٴ محبت میں بسا ہے کملی والا
مرے دل کی سلطنت میں کوئی دوسرا نہیں ہے
ترا شکر ہے خدایا کہ میں اُن کا امتی ہوں
مجھے مصطفیٰ ﷺ ملے ہیں مجھے کیا ملا نہیں ہے
اُنہیں لے چلیں حلیمہ تو یہ کہ رہی تھی رحمت
تری جاگتی ہے قسمت تجھے خُدا پتہ نہیں ہے
ہے متین اُنکی مدحت میں شریک خُدا بھی شامل
یہ چراغِ عشق وہ ہے جو کبھی بجھا نہیں ہے

متین سہمادی (پٹنہ)

”محمد ﷺ کے مدینے سے میں ایسا گمان لایا ہوں“

میں طیبہ سے سکونِ قلب کا سامان لایا ہوں
جو اپنے من کے اندر اک نیا انسان لایا ہوں

محمد ﷺ میری دنیا دین اور ایمان بھی میرا
بچھا ور آپ پر کرنے میں دل و جان لایا ہوں

مدینے میں محمد ﷺ کے مداوا درد و غم کا ہے
کرم کی ہو نظرِ دریدہ میں دامن لایا ہوں

میں کب سے منتظر ہوں مجھ پہ بھی ابر کرم بر سے
ہو حاصلِ خوشنویدی نعتیہ دیوان لایا ہوں

ہزاروں لوگ لے آئے وہاں سے چاندی اور سونا
مگر میں دولتِ ایمان ہندوستان لایا ہوں

مری فکر و نظر کو جو رکھے روشن سدا انجم
محمد ﷺ کے مدینے سے میں ایسا گمان لایا ہوں

ڈاکٹر وحید انجم (گلبرگہ)

نعتیہ دوہے

نبی نبی کی رٹ ہو ایسے میں نکلے یہ جان
ایک ہی ارمان ہے میرا ایک ہی ارمان

☆

آپ کی جوتی سر پر ہو تو سارے مُکٹ بیکار
یہ ہے ایسی چیز کہ ٹھوکر میں ہو پھر سنسار

☆

کُٹیا میں رہنے والا یہ ہے ایسا دھنواں
جسکی چوکھٹ پر راجا بھی آکر مانگے دان

☆

پیارے نبی کے چرنوں کی جس کو مل جائے دھول
ہیرے موتی سونا چاندی وہ سب جائے بھول

☆

ساری سندر تائیں مل کر بھی پڑ جائیں ماند
ایسے مکھ کے آگے چیز ہے کیا نُوم کا چاند

☆

آپ بنا یہ دیں بھی مرا لاگے ہے پردیس
پاس بلانے کی خاطر جلدی بھیجیں سندیس

☆

پگھٹ کی اس کٹھن ڈگر پر میں چلتا جاؤں
چلتا جاؤں اور اک دن میں ایسا پیاس بجھاؤں

☆

لاگے ہم کو دُور بہت ہے پر دیکھے سُن پاوے
اسی لئے چاکر کی ہر مشکل میں فوراً آوے

☆

مور کھ سورگ نرک کے پھیرے میں کا ہے سے گنواے
صلّ علی کا جاپ کرے تو جنم سہل ہو جاوے

☆

پیر پرانی جگ نہ جانے آپ خبر لیں سب کی
رب کے پیارے آپ میں ہے یہ خوبی اپنے رب کی

☆

سلیم اگر کوئی پوچھے تو کس پہ وارے جان
کالی کملی کہ دے بس وہ جائے گا پہچان

☆

آپکا ہے اُپکار نبی جی آپکا ہے اُپکار
مجھ پاپی کے بھاگ میں لکھا بخشش کا اُپہار

☆

جاپ درودوں کی مالا پھر دیکھ مزہ کیا آئے
یہ ہے ایسا متر کہ تیرا بیڑا پار لگائے

☆

آندھی طوفاں اور بھنور کے بیچ ہماری ناؤ
کیوٹ بن سرکار پدھارو رکھ دو اس میں پانو

☆

جو ہو عائشہ اور خدیجہ جیسی اپنی مائیں
ایسے پیارے گھر کو چھوڑ کے اور کہاں ہم جائیں

☆

کالی کملی کی چھیاں کی سیما ہے نہ چھور
دھرتی اور آکاش میں پھیلی ہے یہ چارو اُور

انور سلیم (حیدر آباد)

”سلام بخضر خیر الانام“ ﷺ

اَللّٰہی مَحْبُوْبِ کُلِّ جہاں کو دِل و جگر کا سلام پہنچے
نَفْسِ نَفْسِ کا دُرُوْد پہنچے نَظَرِ نَظَرِ کا سلام پہنچے
بِساطِ عَالَمِ کی وَسعتوں سے جہاں بالا کی رِفعتوں سے
مَلکِ مَلکِ کا دُرُوْد اُترے بَشَرِ بَشَرِ کا سلام پہنچے
حُضُوْرِ ﷺ کی شامِ شامِ مہکے حُضُوْرِ ﷺ کی راتِ راتِ جاگے
مَلّا مَلّا کے حَسینِ جَلُو میں سَحَرِ سَحَرِ کا سلام پہنچے
زبانِ فطرت ہے اِس پہ ناطِقِ بَارِگاہِ نَبِیِّ صَادِقِ
شَجَرِ شَجَرِ کا دُرُوْد جائے جَرَجَرِ کا سلام پہنچے
رِسُوْلِ رَحْمَتِ ﷺ کا بَارِ احساں تمام خَلْقِ کے دُش پر ہے
تو اِیسے حُسْنِ کُو بستی بستی نِگَرِ نِگَرِ کا سلام پہنچے
مرا قَلَمِ بھی اُن کا صَدقہ مرے ہُنر پر ہے اُن کا سایہ
حُضُوْرِ خواجه مرے قَلَمِ کا مرے ہُنر کا سلام پہنچے
یہ التجا ہے کہ رُوْزِ مُحَرَّرِ گناہ گاروں پہ بھی نَظَرِ ہو
شَفِیعِ اُمّتِ ﷺ کو ہم غریبوں کی چشمِ تَر کا سلام پہنچے
نَفْسِ کی بَس دُعا یہی ہے فقیر کی اب صَدّا یہی ہے
سَوادِ طیبہ میں رہنے والوں کو عُمرِ بھر کا سلام پہنچے ﷺ

سید نفیس الحسینی نفیس (لاہور)

پیامِ مدحت

تھا محوِ رخِ یار میں کیا آئینہ دیکھوں
معلوم ہے یارو مجھے جو رنگ مرا ہے

(حکیم مومن خان مومن)

امروہہ، ۲۰ نومبر

محترم سراج احمد قادری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

بے جاتا خیر کی معذرت کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ میں گذشتہ دو ایک ماہ سے مزاج کی ناسازی کا شکار ہوں۔ آپ سے دعا کا خواستگار ہوں۔ مضمون کوئی نشستوں میں پورا کر پایا۔ خدا کرے کہ یہ آپ کی دقیق نظر پر پورا اترے (آمین)

ساتھ ہی میں اپنی تین کتابیں بھی نذر کر رہا ہوں اگر کہیں آپکا جذبہ عشق رسول ﷺ محفوظ ہو تو مجھ گنہگار کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں۔ ممنون ہوؤں گا۔

محترم فیروز سیفی صاحب (نیو یارک) سے فون پر برابر گفتگو رہتی ہے۔ انہوں نے مجھ سے سید الشہد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں کہے گئے کسی سلام کی فرمائش کی تھی تو آپ سے عرض ہے کہ میری کتاب ”گہر بخشش“ میں ۲۲۷، ۲۲۸ صفحہ پر چھپے ہوئے سلام کو انہیں E.Mail سے ارسال کر دیں اس کے لئے میں آپکا شکر گزار ہوؤں گا۔

حفاظت سے پہنچانے کی غرض سے میں کتابیں اور مضمون کو زیر سے بھیج رہا ہوں موصول ہونے پر آپ مجھے فون سے مطلع فرمادیں۔

اپنے سب متعلقین کو میری جانب سے سلام و دعا پہنچا دیں۔

فقط

طالب دعا

مرزا اساج حسین ساجد امر و ہوی

ڈاکٹر صابر سنبھلی

۳۰ اکتوبر ۲۰۱۵ء

برادر مر ڈاکٹر قادری صاحب السلام علیکم

آپ کی فرمائش کی تعمیل میں نعتیہ مضمون (دو عدد) رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کر چکا ہوں ان کے بارے میں مزید کچھ کہوں اس سے پہلے اپنے بارے میں کچھ عرض کر دینا چاہتا ہوں، ہائی اسکول کے سرٹیفکیٹ میں میری تاریخ ولادت ۱۵ جولائی ۱۹۴۱ء درج ہے۔ مزید برآں زندگی بھر Low blood Pressure کا شکار رہا۔ تقریباً پانچ برس سے گھٹیا کا مریض ہوں۔ دونوں آنکھوں کا آپریشن ہو چکا ہے۔ ایک آنکھ میں ڈاکٹر نے غلط لینس ڈال دیا۔ نظر بہت کمزور ہو گئی۔ ہندی، انگریزی کے اخبار نہیں پڑھے جاتے صرف سرخیاں دیکھ لیتا ہوں۔ زیادہ دیر بیٹھا نہیں جاتا۔ لیٹنے میں وقت گزرتا ہے۔ یادداشت اتنی خراب ہو گئی ہے کہ بالکل معمولی اور چھوٹی باتیں یاد نہیں رہتیں۔ پوتوں، پوتیوں کے نام بھی بھول جاتا ہے۔ ایسی حالت میں لکھنے پڑھنے کا کام کتنا دشوار ہوگا یہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ مزید گیارہ بارہ دن سے بیٹھ کر لکھنے یا پڑھنے سے (چونکہ یہ دونوں کام کسی قدر جھک کر کرنے پڑتے ہیں) دل کے مقام پر درد ہونے لگا۔ آج نواں دن ہے کہ شہر کے سب سے قابل ڈاکٹر کے زیر علاج ہوں۔ انہوں نے قلب کا عارضہ بھی بتایا ہے۔ دعا کا خواستگار ہوں۔

یہ تمہید اس لیے باندھی گئی کہ میں نے آپکو دو مضمون بھیجے ہیں یہ پاکستان بھی بھیج چکا ہوں آپکو اس لیے بھیج دیے کہ وعدہ کر لیا تھا، دوسرے دونوں ملکوں کے قارئین کے حلقے بھی جدا جدا ہیں۔ بھارت کے رسالے پاکستان کو چلے جاتے ہوں یا پاکستان سے بھارت کو نہیں آتے۔ ان میں سے ایک مضمون کرناٹک کے ایک ششماہی کو بھیج چکا ہوں۔ نام یاد نہیں آ رہا ہے یہ جانے بغیر کہ وہ جاری ہے یا بند ہو گیا۔ مدیر کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی ہے۔ آپکو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا اس لیے یہ سطور لکھ دیں۔ جس لفافے وہ مضمون بھیجے ہیں (آپکو) یہ لیٹر اس میں رکھنا چاہیے تھا۔ مگر نہیں رکھ سکا مجبوری یہ ہوئی کہ ڈاکخانہ گھر سے کافی دور ہے۔ ای۔رکشا میں ایک طرف سے پندرہ روپے لگتے ہیں۔ سائیکل چلانا چھوڑ دیا ہے۔ اسکوتر، موٹر سائیکل پر بیٹھتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ ایک صاحب ڈاک خانے کو اپنے کام سے جا رہے تھے وہ اتنی دیر نہیں ٹھہر سکتے تھے کہ آپکو بھیجنے کے لیے جلدی سے مضمون لفافے میں بند کر کے پتہ لکھ دیا۔ یقین ہے کہ موصول ہو گئے ہوں گے۔

ایک نعت شریف بھی بھیج رہا ہوں۔ اس میں کچھ فنکاری بھی ہے اور ایسی ویسی نہیں اس میں بہت محنت پڑتی ہے۔ گر قبول افتدز ہے عز و شرف۔ دیکھئے درد شروع ہو گیا۔ پرہیز بھی کہاں تک کروں۔ امید ہے کہ مزاج بہ عافیت ہوگا۔ اہل خانہ اور متعلقین کو ما واجب۔ فقط والسلام

ڈاکٹر رضوان انصاری

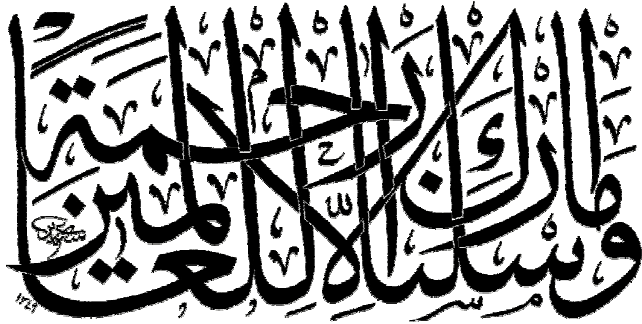
۱۲۰ رگانہ گی نگر، سدھولی، سینٹاپور

مکرمی ڈاکٹر قادری صاحب سلام مسنون الاسلام

معروضہ ہے کہ مقالہ بعنوان مولانا جامی علیہ الرحمہ حاضر خدمت ہے۔ سرسری طور پر تحریر کردہ مقالہ شاید پسند آجائے اور قارئین کے مطلب کا کچھ مواد نکل آئے۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ راقم الحروف بھی بخیر ہے۔ احباب سے واجبات۔

خلوص جو

ڈاکٹر رضوان انصاری



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نعتیہ ادب سے دلچسپی رکھنے والے خوش فکر اور خوش ذوق
قارئین کرام کی خدمت میں ”دبستان نعت ششابی“ کا پہلا
شمارہ پیش کرتے ہوئے دلی شادمانی و مسرت کا احساس ہو
رہا ہے۔ نعت پاک جیسی مقدس صنف سے محبت رکھنے والے اہل
علم و ادب سے ہمیں دلی لگاؤ ہے۔

لہٰذا! تمام اہل علم و ادب سے ہماری گزارش ہے کہ
رسول اکرم ﷺ کی مدح و ثنا پر مبنی اپنے معیاری کلام و نگارشات
ہمیں ضرور ارسال فرمانے کی زحمت فرمائیں، آپ کے شعری و
نثری فن پاروں کا ہمیں شدت سے انتظار رہے گا۔ اس
شمارے کے حوالے سے آپ کے گراں قدر تاثرات و نظریات مجلے
کو بہ سے بہتر بنانے میں ہمارے معین و مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری

فیروز احمد سیفی